www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

قلبِ ظلمات

(ناول)

جوزف کونریڈ

انگریزی سے ترجمہ:

محمد سلیم الرحمٰن

فیس بک گروپ: عالمی ادب کے اردو تراجم
https://www.facebook.com/groups/AAKUT/

www.urduchannel.in

جوزف کونریڈ

قلبِ ظلمات

(انگریزی ناول *Heart of Darkness* کا اردو ترجمہ)

انگریزی سے ترجمہ: محمد سلیم الرحمٰن

ISBN 969-9379-30-4

پہلی اشاعت: ۲۰۰۱ء

زیرِ اہتمام
آج کی کتابیں

کمپوزنگ: حمزہ گبول
صفحہ سازی: عامر انصاری

طباعت: ذکی سنز پرنٹرز، کراچی

سٹی پریس بک شاپ
316 مدینہ سٹی مال، عبداللہ ہارون روڈ، صدر کراچی 74400
فون: 5213916 - 5650623 (92-21)
ای میل: aaj@digicom.net.pk
انٹرنیٹ: www.PakistaniBooks.com

www.urduchannel.in

ترتیب

	تعارف	۶
محمد سلیم الرحمٰن	ابتدائیہ	۷
	قلب ظلمات	۱۷
ضمیمہ:		
چینوا اچیبے	افریقہ کا تصور	۱۱۱
ہیومر سرکرٹلر	''قلب ظلمات'' میں نسل پرستی اور عظمت	۱۲۵

فیس بک گروپ: عالمی ادب کے اردو تراجم
https://www.facebook.com/groups/AAKUT/

www.urduchannel.in

تعارف

جوزف کونریڈ (Joseph Conrad)، جس کا اصل نام کونراڈ کورزینیوسکی (Konrad Korzeniowski) تھا، ۱۸۵۷ء میں روسی پولینڈ میں پیدا ہوا اور اس کا بچپن انقلاب کے سائے میں گزرا۔ وہ ابھی کم عمر تھا کہ ماں باپ فوت ہو گئے۔ سترہ برس کی عمر میں وہ جہازی کے طور پر تربیت پانے فرانس کی بندرگاہ مارسائی پہنچا۔ اس طرح سمندری مہم جوئی کے ایک طویل عرصے کا آغاز ہوا جس کے دوران کونریڈ نے سخت صعوبتوں، جہازوں کی غرقابی اور دوسرے حوادث کا سامنا کیا۔ ''قلب ظلمات'' اور کئی دوسری تحریروں کی طرح کونریڈ کی طویل کہانی ''جوانی'' بھی (جس کا ترجمہ سہ ماہی ''آج'' کے شمارہ ۳۱ میں شامل تھا) اس کے انھی تجربات پر مبنی ہے۔ ۱۸۸۶ء میں وہ برطانوی شہری بن گیا اور ۱۸۸۹ء میں، سمندر میں پندرہ برس گزارنے کے بعد، آرام کرنے کی غرض سے لندن پہنچا، اور وہاں اس نے پہلی بار سمندری سفر کا ایک ناول لکھنا شروع کیا۔ واضح رہے کہ انگریزی کونریڈ کے لیے تیسری زبان کا درجہ رکھتی تھی، یعنی اس زبان سے اس کا سابقہ پولش اور فرانسیسی کے بعد پڑا تھا۔ اس کی یہ پہلی کتاب *Almayer's Folly* ۱۸۹۵ء میں شائع ہوئی اور ناولوں اور کہانیوں کے ایک طویل سلسلے کا نقطۂ آغاز بنی جن کے محل وقوع بورنیو، ملایا، کانگو، جمیکا اور جنوبی افریقہ ہیں۔

۱۹۲۴ء میں وفات پانے تک کونریڈ نے انگریزی زبان کے اہم ترین فکشن نگاروں میں اپنا مقام حاصل کر لیا تھا، اور اس کے بعد سے مغرب اور تیسری دنیا کے ادیبوں، ناقدوں اور پڑھنے والوں میں اس کی تحریروں سے دلچسپی متواتر بڑھتی رہی ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ حقیقت نگاری اور تاثریت کے امتزاج پر مبنی اپنے مخصوص اسلوب کے ذریعے اس نے ایسے دور دراز خطوں کی زندگی کو پیش کیا جن سے عام یورپی پڑھنے والوں کا براہِ راست رابطہ شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔ کونریڈ کی تحریروں میں ''رنگ دار'' نسلوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے بیان نے، اپنے اچھے برے پہلوؤں کے ساتھ، اس کے ہم عصروں کے اجتماعی شعور میں جگہ بنائی، اور اس امر نے، جیسا کہ اس کتاب کے ضمیمے میں شامل مضامین سے ظاہر ہوتا ہے، کئی اعتراضات اور تنازعات کو بھی جنم دیا۔ کونریڈ نے ''قلب ظلمات'' اور وسطی افریقہ کے پس منظر میں لکھی ہوئی کہانیوں کو، معنی خیز طور پر، ''لوٹ میں اپنا حصہ'' قرار دیا ہے۔ وہ کہتا ہے، ''وہاں دوسرے لوگوں کو بہت سی مختلف قسم کی چیزیں ہاتھ آئیں، اور مجھے اس بات پر اطمینان بخش یقین ہے کہ میں نے وہاں سے جو کچھ حاصل کیا وہ کسی اور شخص کے کام کا نہ تھا۔ اور یہ بات کہنا ضروری ہے کہ یہ لوٹ کھسوٹ کا بہت ہی چھوٹا سا حصہ تھا۔''

''قلب ظلمات'' پر شاید سب سے شدید تنقید معروف افریقی ادیب چینوا اچیبے (Chinua Achebe) نے کی ہے اور کونریڈ کو ''پکا نسل پرست'' قرار دیا ہے۔ اچیبے کو جدید افریقی انگریزی ادب میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے اور اس کا سب سے مشہور ناول *Things Fall Apart* ہے۔ (اس ناول کا اردو ترجمہ ''بکھرتی دنیا'' کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔) برطانوی نقاد ہیو مرسر کرٹلر (Hugh Mercer Curtler) کے مضمون میں اچیبے کے اعتراضات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ ان مضامین سے اس بحث کے دونوں مخالف پہلو پڑھنے والوں کے سامنے آ سکیں گے۔ ابتدائیہ میں، جو ''قلب ظلمات'' کے مترجم محمد سلیم الرحمٰن کا تحریر کردہ ہے، ناول کی معنویت کو ایک اور اہم زاویے سے اجاگر کیا گیا ہے۔

www.urduchannel.in

محمد سلیم الرحمٰن

ابتدائیہ

"تمام یورپ نے کرٹز کی تخلیق میں ہاتھ بٹایا تھا۔"

ظلمات کے قلب پر، جہاں آبِ حیواں کا سراغ ملنا چاہیے تھا، ہر طرف موت اور جھوٹ سایہ فگن ہے۔ اندھیرے میں مزید اندھیرا گھول دیا گیا ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے جو ایک راوی یعنی مارلو کو، بچپن میں، نقشے پر سفید دھبے کی صورت میں نظر آیا تھا لیکن یہ سفیدی پاکیزگی کی نہیں بے علمی کی علامت تھی۔ نقشہ تیار کرنے والوں کی مراد یہ تھی کہ اس جگہ کے بارے میں ابھی کچھ معلوم نہیں، تاہم نقشے میں اگر تمام مقامات اور فاصلے صحیح صحیح درج ہوں تو بھی اس کی مدد سے ہم کیا جان سکتے ہیں؟ فاصلے، نام، سڑکیں، دریا، ریلوے لائنیں، شہر — کاغذ پر بنایا چھپا ہوا پرفریب ڈیزائن۔ نقشہ تو بس رنگین کھلونا ہے۔ بیانیہ آگے بڑھا تو مارلو کو نقشے پر دریائے کانگو ایسا سانپ معلوم ہوا جو سمندر میں سر ڈالے پڑا تھا اور اس کا بیچ در بیچ جسم، دم سمیت، جنگل جنگل پھیلا ہوا تھا۔ سانپ نے مارلو کو موہ لیا جس طرح اصلی سانپ اپنی مسمریزی آنکھوں سے چھوٹے جانوروں اور پرندوں کو موہ لیتا ہے۔ ایک ظالمانہ بلکہ ظلمانی کشش، جیسے پس پردہ کوئی ڈور ہلے اور آدمی کھنچا چلا جائے۔

"قلب ظلمات" کی اسٹیج سے موت کبھی رخصت نہیں ہوتی۔ ابتدا میں مارلو دو ہزار سال پہلے کے برطانیہ کا ذکر کرتا ہے جب رومی فوجی، فاتحین کے طور پر وارد ہوئے تھے اور اس دور افتادہ، وحشیانہ مقام میں "موت ہوا میں، پانی میں، جھاڑیوں میں چھپی ہوئی گھات لگائے ہوئے تھی۔" پھر ہمیں پتا چلتا ہے کہ مارلو کو کانگو جانے کا موقع ہی اس لیے ملا کہ دریائے کانگو پر جو دخانی کشتی چلتی تھی اس کا کپتان مقامی باشندوں کے ساتھ جھگڑتے ہوئے مارا گیا تھا۔ یورپ سے افریقہ تک یہ موت کے ساتھ سفر ہے۔ "چند (کلرک) میں نے سنا ساحلی تموج میں ڈوب گئے لیکن ڈوبے ہوں یا نہ ڈوبے ہوں کسی کو بظاہر کوئی خاص پروانہ تھی" یا "اس تنہا جہاز پر تین تین آدمی روز بخار سے مر رہے تھے۔" اس کے بعد سویڈن کے اس آدمی کا ذکر آتا ہے جس نے کانگو میں خود کو پھانسی دے لی تھی، یا ساحلی اڈے کے ارد گرد موت کے قریب پہنچے ہوئے کالے یا بچ مرے ہوئے کالے۔ "مال ڈھوتے ڈھوتے مر جانے والا خالی کپ ڈنڈی کے پاس لمبی گھاس میں پڑا ملتا۔" ادھیڑ عمر کے حبشی کی لاش جسے کسی نے گولی مار دی تھی۔ مارلو سے پہلے والے کپتان کی لاش جسے کسی نے دفنانے کی بھی زحمت نہ کی تھی اور جس کی پسلیوں میں سے گھاس اگ آئی تھی۔ دخانی کشتی کے سکان گیر کی موت جو برچھی لگنے سے ہلاک ہوا۔ کرٹز کے جھونپڑے کے گرد بلیوں پر نصب کٹے ہوئے سر۔ دشمن، مجرم، کارکن، باغی، گناہگار، بے گناہ، سب ایک اندھے کولھو میں پیل دیے

www.urduchannel.in

جاتے ہیں۔ آخر میں خود کرنز کی موت جو اس کہانی کا معما آسا مرکز ہے۔ لیکن یہ محض انسانوں کی مرگ مسلسل کا افسانہ نہیں۔ ''قلب ظلمات'' انسانیت، انصاف، بھائی چارے، سوجھ بوجھ، غرض کہ ہر اس صفت کی موت ہے جس پر اچھائی یا تمیزداری کا کوئی ٹھپا لگ سکتا ہو۔

رہا جھوٹ، تو فکشن ایک سطح پر ہے ہی جھوٹ: گھڑا ہوا واقعہ، ساختہ، گو اس کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی کہ اس جیسا واقعہ پیش نہ آیا ہوگا یا نہیں آ سکتا۔ زندگی سے قربت کا یہی فریب فکشن کو جسمیت اور توانائی عطا کرتا ہے۔ مزید ڈبڈھائیوں پیدا ہوا ہے کہ ناول میں دو آوازیں گندھی ہوئی ہیں۔ ایک آواز اس کی جس کی زبانی ہم سارا ماجرا سنتے ہیں؛ دوسری آواز مارلو کی جو یہ ماجرا بیان کرتا ہے۔ مارلو نے جو کہا وہ پہلی آواز نے دہرایا ہے۔ یہاں سے شے کا آغاز ہوتا ہے۔ کیا درحقیقت پہلی آواز نے مارلو کے کہے کو صحیح صحیح، بے کم و کاست دہرایا ہے، یا مارلو راوی کا گھڑا ایک کردار ہے جو کسی ڈراؤنے خواب میں بسیار گو کی طرح متکلم ہے اور نہیں جانتا کہ کیا کہتا ہے، کتنا کہتا ہے اور کب رکنا ہے۔ مارلو مسلسل اصرار کرتا ہے کہ اسے جھوٹ سے بیر ہے۔ لیکن وہ جھوٹ بولنے سے باز نہیں آتا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ سے نفرت کا اظہار اسی وجہ سے ہے کہ جانتا ہے کہ خود کو جھوٹ بولنے سے روک نہیں سکتا۔ مثلاً کہانی بیان کرتے ہوئے ایک جگہ وہ سامعین سے کہتا ہے: ''تم مجھے دیکھ رہے ہو'' اور یہاں اصل راوی فوراً ٹوکتا ہے: ''ہم ایک دوسرے کو بمشکل دیکھ سکتے تھے۔'' آخر میں وہ کرنز کی منگیتر سے بڑی ڈھٹائی سے اور غیر ضروری طور پر جھوٹ بولتا ہے اور عذر یہ پیش کرتا ہے کہ اگر جھوٹ نہ بولتا تو یہ اظلم کرتا۔

کرنز کے بارے میں مارلو کہتا ہے کہ اس نے، تخیل میں، ''کرنز کو کبھی کچھ کرتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ بس بولتے چالتے سنا تھا۔'' (وہ) ''آواز ہی آواز تھا۔'' اندھیرے میں بتدریج گم ہوتے عرشے پر بدھ کے انداز میں بیٹھا مارلو بھی ایک آواز ہے۔ اندھیرے سے ابھرتی، اندھیرے میں ڈوبتی آواز۔ شاید وہ کرنز کا ہم زاد ہے یا ہم زاد ہونے کی آرزو رکھتا تھا یا رکھتا ہے۔ ان تاریکیوں میں، جن سے ''قلب ظلمات'' میں قدم قدم پر واسطہ پڑتا ہے، کچھ پتا نہیں چلتا کہ حقیقت کا سرا کہاں ہے۔

لیکن یہ آواز، جو تاریکی کے قلب میں گونجتی چلی جاتی ہے، محض کرنز یا مارلو کی آواز نہیں۔ یہ یورپ کی آواز ہے؛ ولولوں، ارمانوں، خودنمائیوں، سفاکیوں اور پشیمانیوں بھری آواز جسے کہیں گناہ میں آلودہ ہونے کا احساس ہے اور کہیں مواخذے سے الگ تھلگ ہونے کا، جیسے کہتی ہو: یہ سب میرے جیسوں نے کیا، میں نے نہیں کیا، یا شاید میں نے بھی کیا مگر کیا پتا مجھے اپنے کیے پر پشیمانی بھی ہو۔ مارلو خواہ مخواہ نہیں کہتا: ''مجھ پر عجیب احساس غالب آ گیا کہ میں بہرہ پیا ہوں۔'' خود کرنز کیا ہے؟ ناتواں خوشیوں اور توانا ناخوشیوں کے درمیان کھوکھلے کردفر سے اس طرح لپٹا ہوا آدمی جیسے خود کو ڈوبنے سے بچانا چاہتا ہو اور ساتھ ہی ڈوبنے کی لذت کو تھوڑا سا چکھنے کا متمنی بھی۔ اور تھوڑا سا چکھ لینے کے بعد پوری طرح چکھ ڈالنے کی طرف آسانی سے مائل ہونے والا آدمی۔ جو اپنے نشے سے الگ کر دیے جانے کے بعد صرف مر سکتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اس سے برتری کی لذت چھین لی گئی ہے اور برتری کی نقاب اتر جانے کے بعد جو کچھ اسے نظر آتا ہے وہ ہول ناکی ہی ہول ناکی ہے۔ جیسے نشے یا جنون کے زیر اثر آدمی اپنی دانست میں نہ جانے کیا کچھ کر گزرتا ہے اور خود پر فخر کرتا ہے لیکن اپنے چھوٹے

www.urduchannel.in

سے طلسم کے ٹوٹتے ہی پتا چلتا ہے کہ نجات کے دروازے بند ہو چکے۔

ناول کی تضحیم میں خرابی کی اصل بنا یہ ہے کہ اسے افریقہ سے متعلق سمجھ لیا گیا ہے۔ ''قلب ظلمات'' افریقہ کے بارے میں نہیں۔ یہ کلی طور پر یورپ اور اہل یورپ کے متعلق ہے۔ افریقہ محض پس منظر ہے۔ ''قلب ظلمات'' کے کھلاڑی سب یورپ سے آئے ہیں۔ انھیں تماشائیوں کی تلاش نہیں، مال بٹورنے کی ہوس ہے۔ وہ اپنے اندر کی تمام خباثتوں، دبی ہوئی منتقمانہ آرزوؤں، محرومیوں اور نفسیاتی الجھنوں کو کھل کھیلنے کا موقع دینا چاہتے ہیں، کہ یورپ میں انھیں، مہذب کہلانے کے دعوے دار ہونے کے باعث، قتل و غارت کی ایسی آسائشیں میسر نہیں۔ اس کے برعکس، افریقہ میں، ایسے لوگوں کے درمیان جنھیں وہ یا تو انسانیت کے دائرے سے خارج سمجھتے ہیں یا اپنے سے بہت ہی کم تر مخلوق گردانتے ہیں، وہ قانون اور تہذیب کے بھی شکنجوں سے آزاد ہیں۔ انھیں سات نہیں، ہزاروں خون معاف ہیں۔ یورپ سے دور، آنکھ اوجھل میں، کیا ہے جو ممکن نہیں۔ اندرون ملک واقع تجارتی اڈے پر منیجر کا چچا اپنے بھتیجے سے کہتا ہے: ''دے دو پھانسی: کیوں نہیں۔ اس ملک میں تو ہر بات ممکن ہے۔'' اور ہر بات واقعی ممکن تھی۔ بلجیئم کے بادشاہ لیوپولڈ کی نظر میں کانگو ذاتی جاگیر کے سوا کچھ نہ تھا۔ بلجیئم سے پچھتر گنا بڑا ملک محض نجی جاگیر۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق لیوپولڈ کے کارندوں نے دس برس سے کچھ ہی زیادہ عرصے میں ایک کروڑ آدمیوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ غالباً یہ کانگو کی نصف آبادی تھی۔ دوسروں کو مہذب اور عیسائی بنانے کے بہانے، لوٹ مار سے ملتی جلتی تجارت کرنے کی غرض سے، پورے پورے دیہات کے رہنے والوں سے خرکاروں کی طرح بیگار لی جاتی۔ بعض اوقات حسب منشا کام نہ کرنے والوں کے ہاتھ کاٹ ڈالے جاتے۔ اس بہانہ حکمت عملی سے اہل یورپ بے خبر نہ تھے۔ لیکن اس قتل و غارت کے خلاف اٹھنے والی چند آوازوں کو سنی اَن سنی کر دیا گیا۔ کانگو سے لوٹی ہوئی دولت سے لیوپولڈ نے کتنے ہی شان دار محل تعمیر کیے۔

یہ الگ بات ہے کہ ''قلب ظلمات'' کی اشاعت کے محض پندرہ سال بعد اہل یورپ کو خود یورپ میں مار دھاڑ اور غارت گری کا شوق پورا کرنے کا موقع مل گیا۔ ایک موقع نہیں بلکہ پے در پے مواقع، اور وہ بھی ایسے کہ تاریخ ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ذرا ملاحظہ کیجیے: پہلی عالمی جنگ، روسی خانہ جنگی، ہسپانیہ میں خانہ جنگی، دوسری عالمی جنگ، یہ سب صرف تیس برس کے عرصے میں۔ ان بے مہار خوں ریزیوں کے سامنے جس ظلم و ستم کے نمونے ہم ''قلب ظلمات'' میں دیکھتے ہیں ان کا بھیانک پن تو ذرہ برابر کم نہیں ہو سکتا مگر وہ اتنے چونکا دینے والے معلوم نہیں ہوتے۔ البتہ انھیں ریپرسل سمجھنا چاہیے۔ اس نقطۂ نظر سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اصل ڈرامے کو صحیح طور پر اسٹیج کرنے کے لیے ریپرسل بھی تو ضروری ہیں۔ آنے والے دنوں میں بپا ہونے والی اس بدامنی اور خوں ریزی کو کونریڈ نے شاید غیر شعوری طور پر بھانپ لیا تھا۔ کانگو سے لوٹ کر جب مارلو، غالباً بروسلز میں، گھوم پھر رہا ہوتا ہے تو وہاں کے باشندوں کو دیکھ کر کہتا ہے: ''اس بھروسے پر کام کاج میں مگن کہ وہ ہر طرح سے محفوظ و مامون ہیں۔'' گویا اس بات سے کلی طور پر بے خبر کہ جو بیج ان کے بھائی بند نو آبادیوں میں بو رہے ہیں ان کی بھرپور فصل خود یورپ میں بھی اگے گی اور انھیں بدابدی اسے کاٹنا پڑے گا۔ کوئی قوت اس دنیا میں ایسی بھی ہے جو بڑی بے رحمی سے، بڑی عجیب غیر جانب داری سے، حسابات برابر کرتی چلی جاتی ہے۔

www.urduchannel.in

کانگو میں قدم رکھتے ہی مارلو (یا کونریڈ ☆ کہہ لیجیے) ایک زبردست اور تیز سے مسئلے سے دوچار ہوتا ہے۔ یورپ کے رہنے والوں کی وہ رگ رگ سے واقف ہے۔ صاف پہچان سکتا ہے کہ کون کیا ہے، کیا نہیں ہے، کتنا جھوٹ یا سچ بول رہا ہے، کس حد تک مخلص یا ریاکار ہے، سادہ لوح یا مکار ہے۔ بھروسے کے قابل ہے یا نہیں۔ اپنے ہم وطنوں یا ہم نسلوں کے کھلم کھلا یا درپردہ عزائم اس کی نظر میں ہیں۔ وہ ان کی زبان سمجھتا ہے، یورپی ثقافت اور تاریخ سے واقف ہے، عقائد سے آشنا ہے۔ لیکن افریقہ اور افریقی دونوں اس کے فہم سے ماورا ہیں۔ بھول بھلیاں جیسا افریقہ جس کی پُرہیبت یکسانیت اور گنجان سرسبزی اسے ڈراتی ہے۔ وہ اپنے اردگرد ایک ہرا بھرا محشر بپا دیکھتا ہے جس میں اس کا حصہ رنجیدہ بے بسی کے سوا کچھ نہیں۔ رہے افریقی تو وہ نہ ان کی زبان سمجھتا ہے نہ ان کی تاریخ سے واقف ہے، نہ ان کی ثقافت کا کوئی علم رکھتا ہے، نہ عقائد کے بارے میں کچھ جانتا ہے۔ افریقیوں کے درمیان اتفاقات کی بنا کیا ہے، ان کے مابین اختلافات کا باعث کیا ہے؟ وہ کیا چاہتے ہیں، کیا نہیں چاہتے — اسے کچھ نہیں معلوم۔ زیادہ سے زیادہ اتنا سمجھا ہے کہ بیشتر صورتوں میں وہ محض مظلوم ہیں۔ جب ایسی گہری لاعلمی سے واسطہ پڑ جائے تو لامحالہ ظن و تخمین سے کام لینا پڑتا ہے اور یہ کسے معلوم نہیں کہ اجنبی تہذیبوں کے جوہر کو سمجھنا تو دور کی بات ہے، اکثر اوقات معمولی پہلوؤں کو سمجھنے میں بھی بیرونی متخصصین ٹھوکر کھا جاتے ہیں، اس لیے وہ جسے متخصص ہونے کا دعویٰ بھی نہ ہو، جو محض اتفاق سے ایک اجنبی دیس میں جا پہنچا ہو، اس کے اندازے اگر ننانوے فی صد کجی اور نسلی تعصبات کی پرچھائیاں ہوں تو متعجب ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ جملے ادھر ادھر سے ملاحظہ ہوں۔ جنگل میں ڈھول بجنے کی آواز سن کر کہا جاتا ہے: ''شاید اتنے ہی عمیق معنی کی حامل جتنی عیسائی ملکوں میں گھنٹیوں کی آواز'' یا ''اس سے جنگ مراد تھی یا امن یا عبادت''۔ جب ان کو بولتے سننے کی نوبت آتی ہے تو بھی کچھ پلے نہیں پڑتا۔ ''قبل تاریخی آدمی ہمیں کوس رہا تھا، ہم سے التجا کر رہا تھا، خوش آمدید کہہ رہا تھا؟'' چہ خوش! اچھا ہے وہ کسی دھن میں مگن گیت گا رہا ہو۔ پر سمجھے کون؟ سمجھنے کے لیے بھی بڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔

اس وجہ سے آنکھیں چار کیے رکھنے پر ہمیں مارلو سے تھوڑی سی ہمدردی ہو جاتی ہے۔ اس نے جو کچھ دیکھا، جو کچھ اسے کرنا پڑا، اس کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ یہ سوچ کر آیا تھا کہ جاتے ہی ایک دخانی کشتی کی کپتانی سنبھال لے گا اور یہ کپتانی اور دریا پر آمد و رفت بندھا ٹکا کام ثابت ہوگی۔ عین موقعے پر پہنچ کر اسے پتا چلا کہ کشتی حادثاتی طور پر دریا میں ڈوب چکی ہے اور سب سے پہلے کشتی کو دریا سے نکالنا اور ٹھیک کرنا ہوگا۔ اس اثنا میں، اور آگے چل کر بھی، جو کچھ وہ دیکھتا ہے وہ سراسر ناقابلِ یقین اور مہمل ہے اور بیشتر صورتوں میں انسانیت سوز بھی۔ کسی حساس آدمی کے لیے ان حالات میں اپنے ہوش ٹھکانے رکھنا مشکل ہے۔ حساس ہونے کے حوالے سے مارلو کو بہت زیادہ نمبر تو نہیں، پاس ہونے جوگے نمبر تو دینے ہی پڑیں گے۔

☆ یہاں کونریڈ کے سوانح درج کرنے کا موقع نہیں۔ بس ہم یہ بتا دینا چاہیے کہ کونریڈ نے ۱۸۹۰ء میں کوئی چھ مہینے کانگو میں گزارے تھے۔ اس نے دریائے کانگو پر چلنے والی ایک دخانی کشتی پر، جو بلجیم کے ایک بہت بڑے کاروباری ادارے کی ملکیت تھی، بطور افسر تین سال کام کرنے کا معاہدہ کیا تھا۔ صحت بگڑ جانے کی وجہ سے اسے چھ مہینے بعد نوکری چھوڑ کر لوٹنا پڑا۔

www.urduchannel.in

"قلبِ ظلمات" کو سامنے رکھ کر بعض نقادوں نے کونریڈ پر نسل پرستی کا الزام بھی عائد کیا ہے۔ دیکھا جائے تو کونریڈ کو اس قطعیت سے نسل پرست قرار دینے کا کوئی جواز نہیں۔ اسے افریقیوں سے ہمدردی ہے اور جو سلوک ان سے سفید فام لوگوں نے روا رکھا ہے، وہ کہیں بھی اس کی تائید کرتا نظر نہیں آتا۔ پھر بھی بعض باتیں ایسی ہیں جہاں کونریڈ کو مغالطہ ہوا ہے اور بدیہی طور پر انھیں اس تعصب کا نتیجہ سمجھا جا سکتا ہے جو یورپی اقوام کو ایشیائی یا افریقی عوام سے، بالخصوص کالوں سے، ہے۔ افریقہ کے بہت سے قبائل کی بود و باش چوں کہ اوائلی نوعیت کی تھی اس لیے انھیں، بلا ثبوت، آدم خور سمجھا جاتا رہا۔ بدقسمتی سے کونریڈ بھی ان کے بارے میں یہی رائے رکھتا ہے۔ اس طرح کے جو الزامات دوسروں پر لگائے جاتے ہیں وہ اصل میں خود الزام لگانے والوں کی پوشیدہ خواہشوں کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ دل اپنا چاہتا ہے، مزہ دوسروں کو جرم کا مرتکب ٹھیرا کر لیا جاتا ہے۔

اب آدم خوری کے ان الزامات پر ذرا غور سے نظر ڈالتے ہیں۔ کرٹز کے اڈے کی طرف جاتے ہوئے، دریائی سفر کے دوران، پہلی مرتبہ دخانی کشتی پر کنارے اگی جھاڑیوں میں چھپے افریقیوں کی طرف سے حملے کا خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ اس وقت دخانی کشتی کے عملے کا ایک افریقی مارلو سے کہتا ہے:

"اسے پکڑو،" اس نے خون اتری آنکھیں پھیلاتے اور نکیلے دانتوں کی جھلک دکھاتے ہوئے ترخ کر کہا۔ "اسے پکڑو۔ ہمیں دو۔" "تمھیں، ہیں؟" میں نے پوچھا۔ "تم ان کا کیا کرو گے؟" "کھائے گا" اس نے چھوٹ سے کہا اور، جنگلے پر کہنی ٹکا کر، باوقار اور انتہائی مغموم انداز میں، کہرے پر نظر جما دی۔

یہ گفتگو کس زبان میں ہوئی؟ انگریزی میں تو ہونے سے رہی۔ کیا فلیمش میں ہوئی؟ کیا مارلو فلیمش جانتا تھا؟ زبان کے اس گڑبڑ گھٹالے سے قطع نظر، اگر ایسے موقعے پر کسی افریقی کی زبانی یہ بات کونریڈ کے سننے میں آئی بھی ہوگی تو وہ اس کے اصل معنی سمجھنے میں ناکام رہا ہے۔ افریقی کی بات اس کے سوا کچھ نہیں جیسے ہم میں سے بعضے کسی پر حد سے زیادہ بگڑ کر، جھنجھلاہٹ میں، کہتے ہیں: "اگر میرا بس چلے تو اسے کچا کھا جاؤں۔" یہ محض اندازِ بیان ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد دخانی کشتی کا افریقی سکان گیر کنارے سے پھینکی ہوئی برچھی لگنے سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس کے جسم سے بہنے والے خون اور لاش سے مارلو کو اتنی وحشت ہوتی ہے کہ وہ خون میں بھیگے اپنے جوتے بلا تامل اتار کر دریا میں پھینک دیتا ہے اور کچھ دیر بعد لاش کو بھی گھسیٹ کر دریا برد کرتا ہے۔ اس پر یورپی افراد نے تو کھسر پھسر کی

لیکن نچلے عرشے سے ایک اور، اور بہت ہی بھیانک سرگوشی میرے سننے میں آئی تھی۔ میرے دوست لکڑہاروں کو بھی یکساں طور پر شدید صدمہ پہنچا تھا، اور ان کے پاس برا ماننے کی وجہ بھی زیادہ معقول تھی — گو میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ وجہ تھی بالکل ناقابلِ قبول۔ اوہ، بالکل! میں نے دل میں ٹھان لیا تھا کہ اگر میرے سابق سکان گیر کو کسی کا نوالہ بننا ہے تو اسے ہڑپ کرنے کا موقع صرف مچھلیوں کو ملے گا۔

یہاں بھی اس سرگوشی کا مطلب سمجھنے میں مارلو/کونریڈ سے سخت غلطی ہوئی ہے۔ یہ اب عام طور پر تسلیم کیا جا چکا ہے کہ ہر قبیلے میں، خواہ وہ کتنی ہی اوائلی زندگی گزار رہا ہو، زندگی کے چار مراحل کے مناسک انتہائی اہمیت کے حامل ہیں اور بہت پیچیدہ

www.urduchannel.in

بھی; یعنی پیدائش، بلوغت، ازدواج اور موت۔ ان مراحل سے متعلق مناسک کی ادائیگی فرض ہے۔ انھیں ادا نہ کیا جائے تو قبیلے کے تہذیبی یا اعتقادی تسلسل میں خلل آجاتا ہے۔ فرض ترک کرنا زندگی کو ناپاک کرنے کے مترادف ہے۔ دوست لکڑ ہاروں کو صدمہ اس لیے نہیں پہنچا کہ وہ مردہ سکان گیر کو کھانے کے متمنی تھے اور یہ موقع ہاتھ سے نکل جانے پر بڑبڑا رہے تھے۔ ان کو صدمہ اس وجہ سے پہنچا کہ مرنے والے کی آخری رسومات حسب قاعدہ ادا کرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ چناں چہ اس کی روح، یا روح کا جو بھی تصور ان کے پاس تھا، ہمیشہ کسی جنجال میں رہے گی۔ اب اگر اپنی نا سمجھی سے آپ ہر افریقی کو آدم خور قرار دینے پر تلے ہوں تو اس کا کیا علاج۔

یہ تو ہوا آدم خوری کا معاملہ۔ اس کے علاوہ کونریڈ نے ایک جملہ ایسا لکھا ہے جو سراسر احمقانہ ہے۔ وہ کنارے پر کھڑے افریقیوں کا ذکر کر رہا ہے۔

وہ تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد یک آواز ہو کر، حیرت انگیز لفظوں کا تانتا سا باندھتے ہوئے چیختے جاتے، ایسے لفظ جو انسانی زبان کی آوازوں سے مطلق مشابہت نہ رکھتے۔

اگر آپ کسی زبان سے ناآشنا ہوں تو اس میں ادا کیے گئے کلمات کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ "انسانی زبان کی آوازوں سے مطلق مشابہت نہ رکھتے" تھے، پرلے درجے کا تعصب ہے۔ کیا صرف یورپی زبانیں ہی انسانی آوازوں سے پوری طرح مشابہت رکھتی ہیں یا رکھ سکتی ہیں؟ افسوس ہے، مسٹر مارلو، اس بیہودہ جملے کے لیے آپ کو معاف نہیں کیا جاسکتا۔

"اندرون ملک کوئی فرشتہ یا بد بلا آباد ہے۔"

کرٹز درحقیقت کون ہے؟ فرشتہ یا بد بلا یا کوئی آمر جو وقت سے پہلے پیدا ہو گیا؟ کوئی ہاروت یا ماروت یا شعبدہ باز، جس کا جادو افریقیوں پر تو چل جاتا ہے مگر جسے اس کے ہم وطن ایسی نظر سے دیکھتے ہیں جس میں خوف، تحقیر، رشک، سب ملے جلے ہیں۔ وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ وہ عام آدمی نہیں ہے، مختلف وضع کا آدمی ہے۔ اس نے اپنے گرد اتنی پرچھائیاں، اتنے واہمے اکٹھے کر لیے ہیں کہ اسے آسانی سے دیکھا یا نشانہ نہیں بنایا جاسکتا۔ اس کی آواز میں جادو ہے۔ اس نے ایک طلسم بنا لیا ہے جس میں ہر طرف اس کی آواز گونجتی رہتی ہے، اس کے احکام کی ڈونڈی پٹا کرتی ہے۔

شر کو سمجھنا مشکل ہے۔ اس لیے کرٹز کو سمجھنا مشکل ہے۔ سولوے نِتسن نے صحیح کہا ہے کہ "نیکی اور بدی کے درمیان لکیر بھر کا فاصلہ ہے اور یہ لکیر انسانی دل کو چیرتی ہوئی گزرتی ہے۔" لیکن یہ لکیر بھر کا فرق قیامت ڈھا سکتا ہے۔

شر میں کوئی ایسا رنگ ہے جو دل کو موہ بھی لیتا ہے اور جس سے گھن بھی آتی ہے۔ لیکن یہ دونوں کیفیتیں بیک وقت موجود نہیں ہوتیں۔ عین ممکن ہے کہ شر سے دیکھ کر آپ پہلے پہل مسحور ہو کر رہ جائیں وہی بعد میں آپ کو گھناؤنا معلوم ہونے لگے بلکہ خود اپنے آپ پر گھن آنے لگے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے دیکھ کر آپ کو اول اول گھن آئے مگر آگے چل کر اس کی یاد مسحور کن اور پرکشش ثابت ہو۔

www.urduchannel.in

کرنز سے محبت یا عقیدت ممکن ہے، دوستی ممکن نہیں۔ اس بات سے اس کا نوجوان روبی چیلا بھی اچھی طرح واقف ہے۔ کرنز کسی کو اپنے برابر نہیں سمجھتا۔ اسے دوسروں کی ضرورت ہے تاکہ اپنی برتری کے واہمے کو برقرار رکھ سکے۔ دوسروں کو شرف ہم کلامی (جس کے دوران ساری گفتگو وہ خود کرتا ہے) بخش کر اپنے ارشادات عالیہ سے مرعوب کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ اسے اپنے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ ہر شے، ہر کوئی اس کا ہے، وہ کسی کا نہیں۔ اس کی ہر بات میں ابہام ہے۔ اس کے مشہور فقرے ''تمام وحشیوں کو نیست و نابود کر دو'' کا صحیح مطلب کیا ہے؟ کون یقین سے کہہ سکتا ہے، اشارہ افریقیوں کی طرف ہے یا سفید فام لٹیروں کی طرف؟ کرنز اپنے آپ کو چاہے پوری طرح سمجھ پایا ہو یا نہ سمجھ پایا ہو، اپنے ہم وطنوں کی خباثتوں اور کمزوریوں سے بخوبی باخبر تھا۔

بڑے اور کھرے تخلیق کار کا ہاتھ اپنے معاشرے کی نبض پر رہتا ہے اور وہ اشاروں اشاروں میں موجودہ اور آئندہ لاحق ہونے والی خرابیوں کی خبر دے سکتا ہے۔ وہ کھل کر بات نہیں کرتا کہ عقل مند کو اشارہ کافی ہوتا ہے۔ وہ نسخے نہیں لکھتا۔ یہ کام سیاسی اور نظریاتی کیمیا گروں یا بازی گروں کا ہے۔ اس کا میدان عمل ادب ہے۔

کونریڈ نے ''قلب ظلمات'' میں افریقہ کو نہیں، یورپ کو مرد بیمار کے طور پر دیکھا ہے، جس کا پیٹ بھر سکتا ہے، نیت بھرنے کا نام نہیں لیتی۔ مادی لحاظ سے مالا مال، اخلاقی طور پر کنگال۔ خدا کی فرماں برداری ختم ہو چکی، کلیسا کی فرماں برداری ختم ہو چکی۔ جمہوری اقدار، قوانین، احکام، نام نہاد بادشاہیوں کی بے دلی سے پاس داری کی جاتی ہے۔ دنیا کو لوٹ کھسوٹ کر بھی کوئی خوشی، کوئی اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ یورپ کو ایسے مردان آہن کی تلاش ہے جن کے سامنے سر جھکایا جا سکے، جن کی خطابت کے سحر میں مبتلا ہوا جا سکے، جن کے ہر معقول اور نامعقول تقاضے کو بلا چون و چرا پورا کیا جا سکے۔ فرماں برداری، اطاعت گزاری بیشتر انسانوں کی گھٹی میں پڑی ہے۔ وہ خود فیصلہ نہیں کرنا چاہتے، آزاد رہنا نہیں چاہتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ کوئی اور ان کے لیے ضابطۂ حیات مرتب کر دے، ان سے حکم منوائے، اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کرے تاکہ وہ مظلوم رہنے کی لذت سے آشنا ہوتے رہیں۔ پتا نہیں کونریڈ نے کس وجدانی لمحے میں، یورپی آدمی کی پردوں میں ملفوف اس خواہش کو بھانپ لیا۔ وہ ۱۹۲۴ء میں فوت ہو گیا تھا۔ ہٹلر، مسولینی، اسٹالن، فرانکو کا زمانہ ابھی آیا نہ تھا۔ لیکن اس نے بیسویں صدی شروع ہونے سے ایک سال قبل ہی ''قلب ظلمات'' میں اس آمرانہ فرد کے خدوخال کو، کسی رو رعایت کے بغیر، واضح کر دیا تھا جس نے آخر کار، مختلف بہروپ اختیار کر کے، یورپی اقوام کو مسحور اور مقہور کیا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ کرنز ''کسی انتہا پسند جماعت کا نہایت عمدہ قائد ثابت ہوتا۔'' درست! لیکن جو لوگ اپنے عہد کے ضمیر کی گہرائیوں میں اتر کر پیش گوئی کرتے ہیں کہ برے دن آنے والے ہیں ان کی دانائی پر کوئی کان نہیں دھرتا۔ کونریڈ کو نظر آ گیا تھا کہ اصل قلب ظلمات کہاں ہے۔ ناول کے آخری جملے میں انگلستان میں واقع پرسکون آب راہ کسی بے کراں ظلمات کے دل میں بے سبب نہیں اترتی جاتی۔

www.urduchannel.in

قلبِ ظلمات

www.urduchannel.in

۱

جب "نیلی" نامی تفریحی یال نے جھونا لے کر لنگر ڈالا اور کھڑی ہوگئی تو بادبانوں کو جنبش تک نہ ہوئی۔ مد پوری جولانی پر تھا اور ہوا تقریباً رکی ہوئی؛ اور یال کو چوں کہ دریا کے بہاؤ کے ساتھ سفر کرنا تھا اس لیے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ ٹھہر کر جزر کا انتظار کیا جائے۔

دریائے ٹیمز کی سمندر کے قریب کی پہنائی ہمارے روبرو کسی لامتناہی آب راہ کے آغاز کے مانند پھیلی ہوئی تھی۔ ساحل سے پرے سمندر اور آسمان کسی جوڑ کے بغیر آپس میں پیوست تھے اور روشن وسعت میں مد کے ساتھ بہہ کر آنے والی کشتیوں کی ترچھی بادبانی بلیوں پر وارنش کی چمک تھی۔ ان کے خاص طرح کے کلف لگے اکڑے اکڑے بادبان، سیدھے تنے کرنچ کے سرخ سرخ گچھوں کی شکل میں ساکت کھڑے معلوم ہو رہے تھے۔ پست کناروں پر دھند گی ہوئی، جس کا اوجھل ہوتا سپاٹ پن سمندر کی طرف دور تک گسترده۔ گریوزینڈ کے اوپر فضا تیرہ و تار تھی اور مزید پرے کثیف تر ہو کر ماتمی اندھیرے سے مشابہ معلوم ہوتی تھی جو دنیا کے سب سے بڑے اور بزرگ ترین شہر پر بے حس و حرکت مسلط تھا۔

کمپنیوں کا ڈائرکٹر ہمارا کپتان بھی تھا اور میزبان بھی۔ وہ کمانے میں کھڑا سمندر پر نظر ڈالتا رہا اور ہم اخلاص مندی کے ساتھ اس کی پیٹھ کو دیکھا کیے۔ پورے دریا پر کوئی چیز ایسی نہ تھی جو اس کے سامنے نیم جہازی یا جہاز رانی سے آدھی پونی متعلق بھی معلوم ہوتی۔ وہ کسی پائلٹ (۱) سے مشابہ تھا جو ملاح کی نظر میں مجسم معتبری کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ سمجھنا مشکل تھا کہ اس روشن دریائی دہانے سے اسے کوئی سروکار نہیں بلکہ جو کام بھی اس کے ذمے ہے وہ پیچھے منڈلانے والے مغموم اندھیرے سے تعلق رکھتا ہے۔

جیسا کہ میں پہلے کہیں کہہ چکا ہوں، ہمارے مابین سمندر کا رشتہ تھا۔ طول طویل عرصوں تک جدا رہنے کے باوجود اس رشتے نے ہمارے دلوں کو یک جا رکھا۔

اس رشتے کا ایک اور اثر یہ ہوا کہ ہم ایک دوسرے کی لمبی چوڑی گپ نما داستانوں کو تحمل سے سن لیتے۔ یہی نہیں

---

(۱) جو شخص علاقے کے نشیب و فراز سے بخوبی واقف ہونے کی وجہ سے جہاز کو بندرگاہ یا دریا کے دہانے میں بحفاظت لے جانے یا وہاں سے باہر لانے پر قادر ہو۔ اردو میں اسے ارکاٹی کہتے تھے۔

www.urduchannel.in

بلکہ ایک دوسرے کے پختہ اعتقادات کو برداشت کرنے کا مادہ بھی ہم میں پیدا ہو گیا۔ وکیل — جو پرانے یاروں میں سب سے اچھا یار تھا — اپنی پیرانہ سالی اور بہت سی خوبیوں کی وجہ سے عرشے کے واحد تکیے پر قابض اور واحد کمبل پر دراز تھا۔ محاسب ڈومینوز کا ڈبا پہلے ہی اُٹھا لایا تھا اور پانسوں سے عمارتیں بنا کر کھیل رہا تھا۔ مارلو بالکل پیچھے عقبی مستول سے ٹیک لگائے چارزانو بیٹھا تھا۔ گالے پچکے ہوئے، رنگت زرد، کمر سیدھی، حلیہ مرتاضانہ، اور بازو ڈھیلے چھوڑ کر، ہتھیلیاں پھیلائے، وہ کوئی مورت معلوم ہو رہا تھا۔ ڈائرکٹر، لنگر کی گرفت سے مطمئن ہو کر، پچھواڑے آیا اور آ کر ہمارے درمیان بیٹھ گیا۔ ہم نے الکساہٹ کے ساتھ آپس میں ایک دو باتیں کیں۔ اس کے بعد یال کے عرشے پر سناٹا چھایا رہا۔ کسی وجہ سے ہم نے ڈومینوز کی بازی شروع نہ کی۔ ہمیں محسوس ہو رہا تھا کہ ہم مراقبہ کرنے اور پُرسکون انداز میں تکتے رہنے کے سوا کسی کام کے قابل نہیں۔ دن ساکت اور نفیس تاب ناکی سے عبارت آرام میں ڈھلتا ہوا، پانی دھیما دھیما چمکتا ہوا، آسمان، جس پر کہیں نام کو بھی دھبّا نہ تھا، بے داغ روشنی کی مہرباں بے کرانی، خود ایسیکس کی دلدل سے اٹھنے والی دھند بھی گاچی اور منور کپڑے کے مانند ساحل سے دور واقع جنگلی بلندیوں پر معلق تھی اور شفاف سلوٹوں کے روپ میں پست کناروں کو ڈھانپے ہوئے تھی۔ صرف وہ اندھیرا جو مغرب میں دریا کی بالائی پھیلاؤں پر طاری تھا، لمحہ بہ لمحہ زیادہ مکدر ہوتا جا رہا تھا جیسے سورج کے قریب آتے جانے پر برافروختہ ہو۔

اور آخر کار سورج اپنے خمیدہ اور غیر محسوس زوال میں ڈوب چلا اور اس کا چمکیلا سفید رنگ پھیکی سرخی میں تبدیل ہو گیا، جس میں کرنیں تھیں نہ گرمی، جیسے انسانوں کے انبوہ پر منڈلانے والے مغموم اندھیرے کے لمس سے دم توڑ کر اچانک کُل ہونے والا ہو۔

سطحِ آب پر فی الفور تغیر رونما ہوا اور اس کی پُرسکون کیفیت کم چمکیلی لیکن زیادہ گمبھیر ہو گئی۔ پرانا دریا، کہ مدتوں اپنے کناروں پر آباد قوم کے خیر و خوبی سے کام آیا تھا، دن چھپے، اضطراب نا آشنا، اپنے عریض پھیلاؤ میں سستاتا ہوا، دنیا کے بعید ترین سروں کی طرف لے جانے والی کسی آب راہ کے آرمیدہ وقار کے ساتھ دور تک پھیلا تھا۔ ہم نے اس قابلِ احترام رُود کو کسی مختصر دن کی شوخ فروزش کے حوالے سے نہیں دیکھا جو آتی ہے اور ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جاتی ہے بلکہ پائندہ یادوں کی پُرجلال روشنی میں ملاحظہ کیا اور واقعی اس شخص کے واسطے جس نے قول کے بموجب ادب اور اُنس کے ساتھ "سمندری پیشہ" اختیار کیا ہو، دریائے ٹیمز کی زیریں پھیلاؤں میں ماضی کی عظیم روح کی یاد تازہ کرنے سے زیادہ آسان کام کوئی نہیں۔ اس کا اترتا چڑھتا دھارا اپنی کبھی ختم نہ ہونے والی کارگزاری میں ان لوگوں اور جہازوں کی یادوں سے اٹا اٹ، جنھیں وہ گھر کی راحت یا سمندر کے گھمسانوں کی طرف لے گیا، الٹا پلٹا بہتا رہتا ہے۔ وہ ان سب لوگوں سے واقف ہے جن پر قوم کو فخر ہے، ان کے کام آ چکا ہے؛ سر فرانسس ڈریک سے سر جون فرینکلن تک، جو سب سورما تھے، خطاب یافتہ اور خطاب نایافتہ، سمندر کے عالی

www.urduchannel.in

مرتبت مہم جو سورما۔ اس پر وہ جہاز بھی گزرے جن کے نام زمانے کی رات میں جواہرات کی جگمگاہٹ ہیں: ''گولڈن ہنڈ'' سے لے کر، جو اپنے مدوّر پہلوؤں کو خزانوں سے بھر کر پلٹا تھا، جس پر ملکہ عالیہ نے قدم رنجہ فرمایا تھا اور جس کا نام اس لمبی چوڑی داستان میں پھر نہ سنا گیا؛ ''ایریبس'' اور ''ٹیرر'' تک، جو دوسری فتوحات کے لیے عازم ہوئے تھے اور کبھی لوٹ کر نہ آئے۔ وہ جہاز بھی اس کے دیکھے بھالے ہیں اور لوگ باگ بھی: وہ لوگ ڈیٹ فورڈ، گرینچ اور ایرتھ سے سُوئے بحر روانہ ہوئے تھے۔ مہم جو اور آبادکار؛ شاہی جہاز اور تاجروں کے سفینے، کپتان، امیرالبحر، مشرقی تجارت کے مشتبہ ''چور تاجر'' اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے کمیشن یافتہ ''جرنیل''۔ زر کے متلاشی ہوں یا شہرت کے جویا، سب اسی دریا کی راہ سے تلوار سنبھالے، اور اکثر مشعل اٹھائے، باہر گئے؛ ملک کی طاقت کے پیغام بر، مقدس آگ کی چنگاری کے حامل۔ کون سی عظمت ہے جس نے اس دریا کے جزر کے ساتھ بہہ کر ایک نامعلوم دنیا کے اسرار میں قدم نہ رکھا!— انسانوں کے خواب، دول ہائے مشترکہ کے بیچ سلطنتوں کے جرثومے۔

سورج ڈوبا، دریا پر اندھیرا چھایا اور کنارے کنارے روشنیاں نظر آنے لگیں۔ مد کے وقت زیرِ آب آجانے والے سپاٹ کیچڑ یلے ساحلی حصے میں استادہ چیپ مین کا تین پایوں والا نور منارہ تیزی سے چمک اٹھا۔ جہازوں کی روشنیاں جہاز راہ پر متحرک تھیں۔ آتی جاتی روشنیوں کی بڑی بھاری ہلچل۔ اور دور مغرب میں دریا کی بالائی پھیلاؤنوں پر اس عفریت نما شہر کی جائے وقوع آسمان پر شحم انداز میں منقوش تھی، دھوپ میں ایک ملول تاریکی، ستاروں تلے ایک وحشت ناک پیلی چمک۔

'اور یہ مقام بھی'، مارلو نے دفعتاً کہا، 'دنیا کے تاریک مقامات میں سے ایک تھا۔'

ہم میں صرف اسی نے اب تک ''سمندری پیشہ'' اپنا رکھا تھا۔ اس کے متعلق بدترین بات یہی کہی جا سکتی تھی کہ وہ اپنے طبقے کا نمائندہ نہ تھا۔ ملاح تھا مگر سیاح بھی تھا جب کہ بیشتر ملاح، یوں کہہ لیجیے گھریلو قسم کی زندگی گزارتے ہیں۔ ان کے ذہن خانہ نشین قسم کے ہوتے ہیں اور ان کا گھر، یعنی جہاز، ہر وقت ان کے ساتھ رہتا ہے۔ اور یہی حال ان کے وطن، یعنی سمندر، کا ہے۔ سب جہاز آپس میں بہت مشابہ ہوتے ہیں اور سمندر بھی سدا یکساں رہتا ہے۔ گرد و پیش کی اس غیر تغیر پذیری میں بدیسی ساحل، بدیسی چہرے، زندگی کی بدلتی ہوئی بے کرانی، سب کے سب، اسرار کے احساس میں مستور ہونے کے بجائے خفیف سی پُر حقارت لاعلمی میں مستور ہو کر، دبے پاؤں پاس سے گزر جاتے ہیں: وجہ یہ کہ جہازی کی نظر میں کوئی شے پُر اسرار نہیں؛ خود سمندر ہی پُر اسرار ہو سو ہو، سمندر جو اس کے وجود کا والی وارث اور مقدر کے مانند مغلق ہے۔ رہے باقی معاملات، تو کام سے فراغت پا کر، ساحل پر کوئی بے ارادہ چہل قدمی یا اتفاقی رنگ رلیاں کسی پورے برِ اعظم کا راز اس پر افشا کرنے کے لیے کافی ہیں، اور بالعموم اسے پتا چلتا ہے کہ راز معلوم کرنے کے قابل نہ تھا۔ ملاحوں کی کہانیوں میں کھری سادگی پائی جاتی ہے جن کے تمام معنی گویا جوز کے ٹوٹے ہوئے چھلکے کے اندر پنہاں ہوتے ہیں لیکن مارلو (بشرطے کہ اس فطری جھکاؤ سے صرفِ نظر

www.urduchannel.in

کرلیا جائے جو اس کی طبیعت میں لمبی چوڑی کہانیاں ناندھنے کے لیے پایا جاتا تھا) کسی طرف سے ٹھیٹ ملاح نہ تھا، اور اُس کے واسطے کسی واردات کے معنی۔ گری کی طرح اندر نہیں ہوتے تھے بلکہ کہانی کو اوپر اوپر سے ڈھانپے رہتے تھے۔ کہانی معنی کو صرف اُجاگر کرتی تھی جیسے اپنے اردگرد دُھندلاہٹ پھیلا دینے والی کوئی تابانی، ان کہر یلے ہالوں سے مشابہ ہوگا ہے ماہے چاندنی کی آسیبی جوت کی وجہ سے نظر آنے لگتے ہیں۔

اس کا قول ذرا بھی تعجب خیز معلوم نہ ہوا۔ مارلو سے ایسی ہی بات کی توقع تھی۔ اسے خاموشی سے قبولیت بخشی گئی۔ کسی نے ہنکارا بھرنے کی زحمت بھی نہ کی اور تھوڑی دیر بعد اس نے بہت دھیرے دھیرے کہا:

'میں بہت پرانے وقتوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جب، انیس سو سال پہلے، رومی اول مرتبہ یہاں آئے تھے — کل ہی کی تو بات ہے... اس کے بعد اس دریا سے روشنی نے خروج کیا — تم کہتے ہو سورما؟ ہاں؛ مگر یہ روشنی میدان کے آر پار لپکتی آگ کے مانند ہے؛ بادلوں میں بجلی کے کوندے کی طرح ہے۔ ہم اس کی ٹمٹماہٹ میں جی رہے ہیں۔ اے کاش جتنی دیر یہ پرانی دنیا گردش کرتی رہے اتنی دیر یہ روشنی بھی سلامت رہے! لیکن کل یہاں تاریکی تھی۔ کسی عمدہ — کیا کہتے ہیں بھئی انھیں — تچھ (۲) جہاز کے کپتان کے جذبات کو تصور میں لاؤ جسے اچانک بحر روم سے شمال جانے کا حکم ملا ہو اور خشکی کے راستے جھٹ پٹ گاؤلوں کے ملک سے گزار کر ان جہازوں میں سے کسی کا ناخدا مقرر کر دیا گیا ہو جنھیں رومی فوجی مہینے دو مہینے میں بظاہر سیکڑوں کے حساب سے بنا ڈالتے تھے، بشرطے کہ ہم اسے سچ تسلیم کرلیں جو ہمارے پڑھنے میں آیا ہے اور فوجیوں کا وہ جتھے کا جتھا، کس غضب کے کاریگروں پر مشتمل رہا ہوگا وہ بھی۔ تو تصور کرو کہ وہ یہاں — اس کے لیے دنیا کا پچھواڑا، جیسے کے رنگ کا سمندر، دھویں کے رنگ کا آسمان، جہاز ایسا جو آسانی سے پچک کر دہرا ہو جائے۔ رسد یا احکام یا جو چاہے فرض کرلو لے کر دریا پر بہاؤ کے الٹ چلا جا رہا ہے۔ ریتلے کنارے، دلدلیں، جنگل، جنگلی لوگ — ایسی چیزیں بڑی مشکل سے دستیاب جو کسی تہذیب یافتہ آدمی کے دسترخوان کے لائق ہوں! پینے کے لیے صرف ٹیمز کا پانی۔ یہاں نہ فالرنوسی (۳) شراب نہ ساحل گردی کے مواقع۔ جہاں تہاں کوئی فوجی چوکی ویرانے میں یوں گم جیسے چڑی کے گھنسے میں سوئی۔ جاڑا، کہرا، اندھڑ، بیماری، جلاوطنی، موت — موت ہوا میں، پانی میں، جھاڑیوں میں، چھپی ہوئی، گھات لگائے۔ وہ ضرور یہاں پر مکھیوں کی طرح مرتے رہے ہوں گے۔ ہاں تو اس نے اپنا فرض ادا کیا۔ اس میں شک نہیں بہت اچھی طرح ادا کیا اور ایسا کرتے ہوئے ذہن پر کوئی خاص زور بھی نہیں ڈالا۔ ہاں بعد میں کبھی شاید یہ لاف زنی کی ہو کہ اپنے وقت میں کیا کیا جو سہم اٹھایا تھا۔ وہ ٹھیرے مرد آدمی؛ تاریکی سے دوبدو ہو سکتے

(۲) قدیم یونانیوں اور رومیوں کا جنگی جہاز جس میں اوپر تلے بیچ چلانے والوں کی تین تین صفیں ہوتی تھیں۔
(۳) قدیم زمانے کی نفیس انگوری شراب جو جنوبی اطالیہ کے زرخیز خطے، کیمپانیا، کی پیداوار تھی۔

www.urduchannel.in

تھے۔ اور شاید اس توقع پر اس کا دل بہلا رہا ہو کہ جلد ہی ترقی پا کر راوینا میں لنگر انداز بحری بیڑے میں جگہ مل جائے گی، جس کے لیے شرط یہ تھی کہ روما میں رسوخ والے دوست موجود ہوں اور وہ اس واہیات آب وہوا سے جان سلامت لے جا سکے۔ یا کسی معقول نوجوان تو گا پوش (۴) شہری کا تصور کرو جو — شاید بہت زیادہ قمار بازی کی وجہ سے، سمجھے — کسی کمان افسر یا محصل بلکہ کسی سوداگر ہی کی معیت میں، اپنی بگڑی بنانے کے لیے، یہاں وارد ہوا ہو۔ دلدل میں اترنا، جنگل جنگل کوچ کرنا اور اندرونِ ملک کسی تجارتی چوکی پر پہنچ کر محسوس کرنا کہ اجڈ پن نے، نرے اجڈ پن نے، اسے نرغے میں لے لیا ہے۔ ویرانے کی اس تمام پُر اسرار زندگی نے، جو بن بیلے میں، جنگلوں میں اور ہُوش جانگلیوں کے دل میں کلبلاتی ہے۔ ایسے اسرار کا محرم بننے کی کوئی صورت نہیں۔ اسے ناقابل فہم کے درمیان، جو قابلِ نفرت بھی ہے، زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ یہ ناقابل فہم ایک جاذبیت کا حامل بھی ہے جو اس پر اثر انداز ہوتی رہتی ہے۔ گھناؤنے پن کی جاذبیت — سمجھے بھئی؛ روز افزوں پشیمانیاں، فرار ہو جانے کی آرزو، بے بس کراہت، ہار کے بیٹھ رہنے کا عالم، نفرت، ان سب کا تصور کرو۔'

وہ رُکا۔

'خیال رہے،' اس نے بازو اٹھا کر دوبارہ بولنا شروع کیا۔ ہتھیلی کھلی ہوئی تھی چناں چہ چارزانو بیٹھنے سے اس کا آسن ایسا بن گیا تھا جیسے کوئی گوتم بدھ، کنول کے بغیر، یورپی پوشاک ڈاٹے وعظ کہہ رہا ہو۔ 'خیال رہے، بالکل اسی طرح محسوس ہم سے کوئی نہیں کرے گا۔ ہماری مستعدی ہمیں بچا لیتی ہے۔ وہ لگاؤ جو مستعدی سے ہمیں ہے۔ لیکن وہ بھلے لوگ اصل میں تو کسی شمار و قطار میں تھے نہیں۔ آباد کار انھیں کہہ نہیں سکتے؛ اور میرا گمان ہے کہ ان کا نظم و نسق بھی دابے کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ فاتح تھے اور فاتح ہونے کے لیے ضرورت پڑتی ہے صرف بہیمانہ طاقت کی اور ایسی طاقت کا مالک ہونا فخر کی بات کب ہے کیوں کہ یہ طاقت محض اتفاقی امر ہے جو دوسروں کی کمزوری کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ جو ہاتھ لگ جائے سوٹھیک کے مقولے پر عمل کرتے ہوئے انھوں نے جو ملا ہتھیا لیا۔ یہ محض پُر تشدد ہٹ دھرمی تھی، بڑے پیمانے پر بد سے بدتر صورت اختیار کرتی ہوئی خوں ریزی تھی، اور یہ لوگ اندھا دھند یہ سب کچھ کر رہے تھے کہ ظلمت سے دو دو ہاتھ کرنے والوں کے لیے یہی نہایت مناسب ہے۔ دنیا کی فتح کا، جس کے معنی زیادہ تر یہ ہیں کہ اسے اُن لوگوں سے چھین لیا جائے جن کا رنگ ہمارے رنگ سے مختلف ہے یا ناکیں ہماری ناکوں سے قدرے چپٹی ہیں، اگر بنظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو وہ کوئی پُر لطف چیز نہیں رہتی۔ اس کی تلافی صرف تصور کرتا ہے — فتح کے پسِ پردہ کارفرما تصور؛ کوئی جذباتی ادّعا نہیں بلکہ ایک تصور اور اس تصور پر بے غرضانہ یقین — کوئی ایسی چیز جس کی تم بنا ڈال سکو، جس کے سامنے سر جھکا سکو، جسے بھینٹ دے سکو...'

---

(۴) تو گا: رومیوں کا اونی پہناوا جسے جسم کے گرد لپیٹ لیا جاتا تھا۔

www.urduchannel.in

اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ دریا پر شعلے آرام آرام سے رواں تھے، چھوٹے چھوٹے بڑے شعلے، لال شعلے، جو ایک دوسرے کے پیچھے لپکتے، برابر جا پہنچتے، مل کر ایک ہوتے، مخالف سمتوں میں بڑھتے، پھر آہستگی یا شتابی سے جدا ہوتے جاتے۔ بھیگتی رات میں بے خواب دریا پر عظیم شہر سے آنے والے، عظیم شہر جانے والے گزر رہے تھے۔ ہم تحمل کے ساتھ انتظار کرتے ہوئے اس آمد و رفت کو دیکھتے رہے۔ مد کا زور ٹوٹنے تک اس کے سوا کر بھی کیا سکتے تھے؟ لیکن طویل سکوت کے بعد جب مارلو نے، متذبذب آواز میں، کہا، 'میرا خیال ہے، یارو، تمھیں یاد ہوگا کہ ایک مرتبہ میں تھوڑی دیر کے لیے میٹھے پانیوں کا ملاح بن گیا تھا' تب ہم نے جانا کہ جزر شروع ہونے سے پہلے مارلو کے غیر مختتم تجربوں میں سے کسی ایک کو سننا ہمارے مقدر میں لکھا ہے۔

'میرے ساتھ ذاتی طور پر جو کچھ پیش آیا وہ سنا کر تمھیں زیادہ دق نہیں کرنا چاہتا؛' اس نے بات چھیڑی اور اپنے فقرے سے متعدد کہانی سنانے والوں کی اس کمزوری کو ظاہر کیا کہ انھیں اکثر شعور ہی نہیں ہوتا کہ سامعین سب سے زیادہ کیا سننا پسند کریں گے۔ 'تاہم، یہ سمجھنے کے لیے کہ مجھ پر اس واقعے کا کیا اثر ہوا، تمھیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میں وہاں کس طرح پہنچا، میں نے کیا دیکھا اور دریا کی راہ اوپر کی طرف اس مقام تک کیسے گیا جہاں اس بیچارے بھلے آدمی سے پہلی دفعہ ملاقات ہوئی۔ یہ وہ جگہ تھی جس سے آگے جہاز رانی ممکن نہ تھی اور وہیں میری واردات نقطۂ تکمیل تک پہنچی۔ وہ تجربہ کسی نہ کسی طرح میرے اردگرد کی ہر چیز پر ایک طرح کی روشنی ڈالتا معلوم ہوتا تھا۔ میرے خیالوں تک میں یہ روشنی در آئی تھی۔ وہ تجربہ خاصا مکدر بھی تھا اور قابل رحم بھی، کسی اعتبار سے غیر معمولی نہ تھا اور نہ ہی بہت واضح۔ نہیں، بہت واضح نہ تھا۔ اور اس کے باوجود لگتا تھا کہ ایک طرح کی روشنی بکھیر رہا ہے۔

'میں اس وقت، تمھیں یاد تو ہوگا، کوئی چھ برس تک۔ بحر ہند، بحرالکاہل اور شمالی جنوبی بحر چین سے خوب سیر ہو کر، مشرق کا پورا پورا مزہ چکھ کر، لندن لوٹا ہی تھا اور ڈنڈے بجاتا پھر رہا تھا۔ تم لوگوں کے کام کاج میں حارج ہوتا، تمھارے گھروں پر جا دھمکتا، جیسے تمھیں تہذیب سکھانے کے لیے مجھے عرش بریں سے اتارا گیا ہو۔ کچھ عرصے تو خوب لطف رہا لیکن تھوڑی دیر بعد ستانے سے بھی جی اُوب چلا۔ پھر میں کسی جہاز کی تلاش میں نکلا، جو میری دانست میں دنیا کا مشکل ترین کام ہے، لیکن جہاز میری شکل دیکھنے کے روادار بھی نہ تھے اور میں اس مشغلے سے بھی اکتا گیا۔

'بچپن جب میں چھوٹا سا تھا تو مجھے نقشوں سے عشق تھا۔ گھنٹوں جنوبی امریکہ یا افریقہ یا آسٹریلیا کو تکتا اور سیاحت سے وابستہ جمال و جلال میں کھویا رہتا۔ اس وقت روئے زمین پر بہت سی جگہیں کوری پڑی تھیں اور جب میری نگاہ کسی ایسی جگہ پر پڑتی جو نقشے پر خصوصیت سے پُرکشش نظر آتی (لیکن وہ سبھی پُرکشش نظر آتی ہیں) تو اس پر انگلی رکھ دیتا اور کہتا کہ بڑا ہو لوں تو یہاں جاؤں گا۔ مجھے یاد ہے، ان جگہوں میں قطب شمالی بھی شامل تھا۔ خیر،

www.urduchannel.in

وہاں تو میں ابھی گیا نہیں اور جانے کی کوشش اب کروں گا بھی نہیں — وہ نیرنگِ نظر ہی نہیں رہا۔ باقی مقامات خطِ استوا کے آس پاس اور دونوں نصف کروں میں ہر طرف، ہر طور کے عرض البلد پر بکھرے ہوئے تھے۔ بعض جگہوں کا چکر لگا آیا ہوں اور... خیر، اس بارے میں کوئی بات نہیں ہوگی، لیکن ایک جگہ ابھی باقی تھی۔ گویا سب سے بڑی اور سب سے کوری، جسے دیکھنے کا مجھے بہت اشتیاق تھا۔

'مانا کہ وہ جگہ اب کوری نہ رہی تھی؛ میرے بچپن کے بعد دریاؤں، جھیلوں اور ناموں سے پُر ہو چکی تھی۔ اب اسے کوئی پُر لطف، اسرار بھری، کوری جگہ سمجھنا ممکن نہ تھا — سفید ٹکڑا جس کے سہارے کوئی لڑکا ٹھاٹ سے خواب دیکھتا رہے۔ وہ ظلمت کا مقام بن چکی تھی لیکن وہاں نقشے پر ایک دریا، بہت زبردست دریا، بالخصوص ملاحظہ کیا جا سکتا تھا؛ جیسے کوئی بہت بڑا سانپ کنڈل کھولے، سمندر میں سر ڈالے، اپنے ساکت جسم کو بل دے کر ایک وسیع علاقے پر پھیلائے اور دُم سرزمین کے بطنِ بطون میں گم کیے پڑا ہو۔ اور جب میں نے ایک دکان کی کھڑکی میں یہ نقشہ دیکھا تو اس نے مجھے موہ لیا، جیسے کوئی سانپ چڑیا کو — کسی ننھی منی نادان چڑیا کو — موہ لے۔ پھر مجھے یاد آیا کہ وہاں تو ایک بڑا بھاری کاروباری سلسلہ ہے، ایک کمپنی اس دریا پر تجارت کرتی ہے۔ ایسی کی تیسی! میں نے دل میں سوچا، اتنے لمبے چوڑے دریا پر وہ کسی قسم کی کشتیاں استعمال کیے بغیر تجارت کرنے سے تو رہے۔ دُخانی کشتیاں! ان کشتیوں میں سے کسی کا نگران بننے کی کوشش کیوں نہ کروں؟ میں فلیٹ سٹریٹ پر چلتا گیا مگر اس خیال کو جھٹک کر دور نہ کر سکا۔ سانپ نے مجھ پر جادو کر دیا تھا۔

'تمھیں معلوم ہے کہ اس کاروبار، اس تجارتی کمپنی کا تعلق براعظم یورپ سے تھا؛ لیکن میرے بہت سے رشتے دار براعظم میں آباد ہیں کیوں کہ خرچ کم اٹھتا ہے اور وہاں رہنا، بقول ان کے، اتنا ناگفتنی بھی نہیں جتنا معلوم ہوتا ہے۔

'یہ قبولتے ہوئے ندامت محسوس کرتا ہوں کہ میں نے ان رشتے داروں کی جان کھانی شروع کر دی۔ میرے لیے یہیں سے یہ ایک نئی ڈگر پر چل نکلنے کا آغاز تھا۔ تم جانتے ہی ہو، میں اس طرح کام نکلوانے کا عادی نہیں۔ جب میں کہیں جانے کی ٹھان لیتا تو اپنی راہ آپ چنتا اور اپنے پاؤں چل کر جاتا۔ مجھے خود یقین نہ آتا تھا کہ میں کیا کرنے لگا ہوں؛ لیکن اس وقت — سمجھے بھئی — کسی وجہ سے محسوس ہو رہا تھا کہ میرا وہاں جانا ضروری ہے، خواہ میرا کام شرافت سے بنے یا شرارت سے۔ چناں چہ میں ان کے پیچھے پڑ گیا۔ مردوں نے کہا ''عزیز من،'' اور کچھ کر کے نہ دیا۔ پھر میں نے — یقین کر سکتے ہو بھلا؟ — عورتوں کو آزمایا۔ میں نے، چارلی مارلو نے، ملازمت حاصل کرنے کے لیے عورتوں کا سہارا ڈھونڈا۔ خدایا! بھئی دیکھو نا، جو دھن سوار تھی اس نے مجھے بے بس کر دیا تھا۔ میری ایک چچی تھیں، بڑی پیاری گرم جوش ہستی۔ انھوں نے لکھا، ''بڑا مزہ آئے گا۔ میں تمھاری خاطر ہر کام کرنے کو تیار ہوں، ہر کام۔ یہ تمھیں کمال کی سوجھی۔ میں کمپنی کی انتظامیہ میں ایک بہت بڑے

www.urduchannel.in

آدمی کی بیگم سے اور ایک اور صاحب سے واقف ہوں جن کا فلاں فلاں پر بڑا اثر ہے۔" وغیرہ وغیرہ۔ انھوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اگر میرے دل میں یہی لہر آئی ہے تو وہ مجھے کسی دریائی دخانی کشتی کا کپتان بنوانے کے لیے دوڑ دھوپ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گی۔

"ظاہر ہے مجھے ملازمت مل گئی، اور بہت جلد ملی۔ معلوم ہوتا ہے کمپنی کو اطلاع موصول ہوئی تھی کہ اس کا ایک کپتان دیسی باشندوں کے ساتھ دھینگا مشتی کے دوران مارا جا چکا ہے۔ میرے لیے یہی موقع تھا، اور یہ سنتے ہی میں روانہ ہونے کے لیے اور بھی بے تاب ہو گیا۔ کہیں مہینوں بعد، جب میں نے اس کپتان کی بچی کھچی لاش حاصل کرنے کی کوشش کی تو سننے میں آیا کہ اصل جھگڑا چند مرغیوں کے بارے میں غلط فہمی پیدا ہو جانے سے ہوا تھا۔ جی ہاں، دو کالی مرغیوں کی وجہ سے۔ فریس لیون — ڈنمارک سے تعلق رکھنے والے اس آدمی کا یہی نام تھا — سمجھا کہ سودے میں اس کے ساتھ کچھ بے ایمانی کی گئی ہے۔ چناں چہ وہ کشتی سے اترا اور کنارے پر جا کر گاؤں کے سردار کو چھڑی سے پیٹنے لگا۔ مجھے یہ سن کر اور ساتھ ہی یہ بتائے جانے پر مطلق تعجب نہ ہوا کہ فریس لیون بے حد شریف اور انتہائی خاموش طبیعت کا آدمی تھا۔ ڈھونڈو تو اس جیسا دو ٹنگا اور نہ ملے۔ بے شک وہ ایسا ہی ہوگا؛ لیکن، بچا ہے، اس عالی ظرفانہ مقصد کے لیے کام کرتے کرتے اسے دو برس ہو چکے تھے اور غالباً، آخر کار، اسے محسوس ہوا کہ اپنی عزتِ نفس زوردار طریقے سے منوانی چاہیے۔ چناں چہ ادھر تو وہ بوڑھے حبشی کو بے رحمی سے بجھوڑنے میں مصروف تھا، اُدھر سردار کی رعیت کے ٹھٹ کے ٹھٹ، ہکا بکا ہو کر یہ دیکھتے رہے؛ یہاں تک کہ کسی نے — مجھے بتایا گیا کہ وہ سردار کا بیٹا تھا — بڑے میاں کی ہائے ہائے سن کر، جان پر کھیلتے ہوئے، گورے آدمی پر برچھی کا وار اس خیال سے کیا کہ دیکھیں تو سہی ہوتا کیا ہے، اور ظاہر ہے برچھی بڑی آسانی سے مونڈھوں کے بیچ میں اتر گئی۔ پھر تو وہاں کی تمام آبادی، اس اندیشے کے پیشِ نظر کہ ہر طرح کی آفتیں برپا ہوں گی، بھاگ کے جنگل میں جا چھپی اور دوسری طرف وہ دخانی بھی، جس کی کمان فریس لیون کے ہاتھ میں تھی، بری طرح حواس باختہ ہو کر، میرا خیال ہے انجینئر کی ماتحتی میں، وہاں سے رخصت ہو گیا۔ بعدازاں، معلوم ہوتا ہے، میرے وہاں پہنچ کر فریس لیون کی جگہ سنبھالنے سے پہلے، کسی کو فریس لیون کی لاش کی کوئی خاص فکر لاحق نہ ہوئی تھی؛ تاہم میرا جی نہ مانا کہ لاش کو وہیں پڑا رہنے دوں۔ لیکن آخرش جب مجھے اپنے پیش رو سے دوچار ہونے کا موقع ملا تو اس کی پسلیوں میں سے اُگنے والی گھاس اتنی لمبی ہو چکی تھی کہ ہڈیاں نظر نہ آتی تھیں۔ ہڈیاں جوں کی توں وہاں موجود تھیں۔ اس مافوق الفطرت ہستی کو، ڈھیر ہو جانے کے بعد، کسی نے ہاتھ بھی نہ لگایا تھا۔ گاؤں اُجاڑ پڑا تھا؛ ڈھے جانے والی باڑیوں کے درمیان گلتی جھونپڑیاں، کالے کالے منھ پھاڑے، ٹیڑھی میڑھی کھڑی تھیں۔ گاؤں پر بیچ آفت آ گئی تھی۔ لوگ غائب ہو چکے تھے۔ ایسے ہراس نے جس پر دیوانگی کا گمان ہوتا تھا، مردوں، عورتوں اور بچوں کو جھاڑ بن میں تتر بتر کر دیا تھا اور وہ کبھی لوٹ کر نہ آئے تھے۔ مرغیوں کا کیا بنا، یہ بھی مجھے معلوم نہیں۔ خیال

www.urduchannel.in

کرنا چاہیے کہ وہ بھی کسی نہ کسی طرح ترقی کے مقصدِ وحید کے کام آگئی ہوں گی۔ بہر حال، ابھی نوکری ملنے کی واجبی امید بھی نہ بندھی تھی کہ اس شاندار واقعے کی بدولت میری تقرری عمل میں آگئی۔

'تیار ہونے کی غرض سے میں نے بادلوں کی طرح دوڑ دھوپ کی، اور اڑتالیس گھنٹے بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ رُود بار انگلستان عبور کر رہا تھا تا کہ اپنے آجروں کے سامنے حاضر ہو کر معاہدے پر دستخط کر دوں۔ میں چند ہی گھنٹوں میں اس شہر میں جا پہنچا جسے دیکھ کر مجھے ہمیشہ کسی سفیدی پھرے مزار (۵) کا خیال آتا ہے۔ بلا شبہ اس میں میرے تعصب کو دخل ہے۔ کمپنی کے دفاتر تلاش کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ شہر میں ان کی نکر کی اور کوئی چیز نہ تھی اور جو بھی مجھے وہاں ملا اس نے انھیں کی بات کی۔ وہ لوگ سمندر پار واقع ایک سلطنت کا نظم و نسق چلانے اور تجارت کے ذریعے بے اندازہ دولت کمانے جو چلے تھے۔

'گہری چھاؤں میں ایک تنگ اور سنسان سڑک، اونچے اونچے مکان، ان گنت کھڑکیاں جن پر چلمنیں پڑی ہوئیں، کامل سکوت، پتھروں کے درمیان گھاس اُگتی ہوئی، دائیں بائیں گاڑیوں کے لیے پُر رعب محرابی پھاٹک، بڑے بڑے دوہرے دروازے بھاری بھرکم انداز میں چوپٹ کھلے۔ ان رخنوں میں سے ایک کے راستے میں دبے پاؤں اندر داخل ہوا، ایک دور تک پھیلے ہوئے بے آراستہ زینے پر چڑھا، جو یگستان کی طرح یاس تھا، اور جو پہلا دروازہ ملا اسے کھولا۔ دو عورتیں، ایک موٹی اور دوسری دبلی، بید کے تلے والی کرسیوں پر براجمان، کالی اُون سے بُنائی میں مصروف تھیں۔ دبلی عورت اٹھی اور سیدھی میری طرف آئی — آنکھیں جھکائے بدستور بُنائی میں مشغول — اور عین اس وقت جب میں اس کے آگے سے ہٹنے کا سوچ رہا تھا، جیسے آدمی کسی نیند میں چلنے والے کے سامنے سے ہٹتا ہے، وہ رُکی اور آنکھیں اٹھا کر دیکھا۔ اس کا لباس چھتری میں لگنے والے کپڑے کی طرح سادہ تھا اور وہ کچھ کہے بغیر مڑی اور آگے آگے چلتی ہوئی ایک انتظار خانے میں پہنچی۔ میں نے اپنا نام بتایا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بیچ میں چیڑ کی میز، دیواروں کے ساتھ ساتھ چاروں طرف ٹیپ ٹاپ سے خالی کرسیاں، ایک سرے پر بڑا سا چمکیلا نقشہ، دھنک کے سب رنگوں سے مزین۔ لال رنگ وہاں الغاروں تھا — جسے جب بھی دیکھا جائے اچھا لگتا ہے، کیوں کہ دیکھنے والے کو پتا ہوتا ہے کہ وہاں واقعی کچھ کام ہو رہا ہے؛ کم بخت نیلا بھی ڈھیر سارا تھا، ذرا سا سبز بھی، نارنجی رنگ کے چھینٹے تھے اور مشرقی ساحل پر ایک ارغوانی دھبا، یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ ترقی کی نئی راہیں کھولنے والے خوش باش لوگ کہاں بیٹھ کر لاگر بیئر اُڑاتے ہیں۔ بہر حال، میں ان رنگوں میں سے کسی میں نہیں جا رہا تھا۔ مجھے زرد رنگ والی جگہ جانا تھا۔ ٹھیک بیچوں بیچ۔ اور دریا بھی وہیں تھا — دلفریب، مہلک، جیسے کوئی سانپ۔ آخ! ایک دروازہ کھلا، سفید بالوں والا، معتدانہ مگر رحم دلانہ کیفیت سے معمور ایک چہرہ نمودار ہوا اور ایک

---

(۵) یعنی ریاکاری کا۔ اصل میں یہ اشارہ ہے متی کی انجیل کی اس عبارت کی طرف: اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مُردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہیں۔

www.urduchannel.in

سوکھی انگشتِ شہادت نے مجھے اشارے سے حریم خاص میں طلب کیا۔ وہاں مدھم روشنی تھی اور بیچ میں لکھنے کا بھاری ڈیسک دیکار رکھا تھا۔ اس بناوٹ کے پیچھے سے فراک کوٹ میں ملبوس پیلی فربہی کا خاکہ سا اجاگر ہوا۔ وہ عظیم المرتبت ہستی بنفسِ نفیس! میرا اندازہ ہے کہ اس کا قد ساڑھے پانچ فٹ تھا اور اتنے لاکھوں کروڑوں روپیوں کا جمع خرچ سب اس کی مٹھی میں تھا۔ میرا خیال ہے اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا، مبہم طور پر کچھ بڑبڑایا اور میری فرانسیسی سے مطمئن ہو گیا۔ بوں وویاژ! (۶)

'کوئی پینتالیس سیکنڈ کے اندر میں دوبارہ انتظار خانے میں رحم دل معتمد کے پاس پہنچ گیا جس نے، کہ سراپا ہمدردی اور ویرانی تھا، کسی دستاویز پر مجھ سے دستخط کرائے۔ میرا خیال ہے کہ میں نے، من جملہ اور باتوں کے، یہ وعدہ بھی کیا کہ کوئی تجارتی راز افشا نہ کروں گا۔ خیر، میں انھیں افشا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔

'مجھے ذرا الجھن سی ہونے لگی۔ تمھیں پتا ہے میں ایسی رسومات کا عادی نہیں اور وہاں فضا میں کوئی منحوس سی کیفیت تھی۔ بالکل یہ معلوم ہوتا تھا جیسے مجھے — نہ جانے کس بات میں — کسی ایسی سازش میں ملوث کیا جا رہا ہو جو کسی طور صحیح نہ ہو؛ اور مجھے وہاں سے باہر آ کر خوشی ہوئی۔ بیرونی کمرے میں دونوں خواتین اضطراب کے عالم میں کالی اُون سے بنائی میں مشغول تھیں۔ لوگ آ رہے تھے اور کم عمر والی عورت ان کا تعارف کراتی اِدھر اُدھر گھوم رہی تھی۔ معمر عورت کرسی پر ڈٹی ہوئی تھی۔ اس کے کپڑے کے بنے ہوئے بھدّے چپل پاؤں تاپنے کی انگیٹھی سے لگے رکھے تھے اور گود میں ایک بلی آرام سے لیٹی تھی۔ سر پر سفید کلف لگی علت پہنے، ایک گال پر مستا اور ناک کی پھننگ سے روپہلی کمان کی عینک ٹکی ہوئی۔ عینک کے اوپر سے اس نے مجھ پر اچٹتی سی نظر ڈالی۔ نظر میں جو طرار اور بے اعتنا حلیمی پائی جاتی تھی اس نے مجھے پریشان کر دیا۔ گاؤدی اور بشاش چہروں والے دو نوجوانوں کو اندر کی راہ دکھائی جا رہی تھی اور بڑھیا نے ان پر بھی ویسی ہی لاتعلق دانائی والی تیز نظر ڈالی۔ یوں لگا جیسے اسے ان کے متعلق، اور میرے متعلق بھی، سب کچھ معلوم ہے۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ پُراسرار صلاحیتوں کی مالک، تقدیروں کا فیصلہ کرنے والی ہستی معلوم ہونے لگی۔ وہاں اتنی دور جا کر بھی مجھے اکثر ان دونوں، ظلمات کے دروازے کی نگہبان، عورتوں کا خیال آتا — کالی اُون سے گویا کسی میت کے لیے گرم چادر بننے والیاں، ایک تعارف کرانے میں، نامعلوم سے لگاتار تعارف کرانے میں، مصروف؛ دوسری لاتعلق بوڑھی آنکھوں سے بشاش اور گاؤدی چہروں کا جائزہ لیتی ہوئی۔ کالی اُون سے بنائی کرنے والی بڑی بی، سلام: موری توری تے سالوتانت (۷) جن پر اس نے نظر ڈالی ان میں سے کم ہی — اور وہ بھی بہ ہزار خرابی — اسے کبھی دوبارہ دیکھ پائے۔

---

(۶) سفر مبارک۔

(۷) جو کہ مرنے کے قریب ہیں تجھے سلام کرتے ہیں۔ یہ کلمہ روما کے نمائشی مقابلوں میں حصہ لینے والے تیغ باز جا کر امپراطور کے سامنے کہتے تھے۔

www.urduchannel.in

"ابھی ڈاکٹر کے پاس جانا باقی تھا۔" "محض رسمی کارروائی،" معتمد نے اس طرح یقین دلایا جیسے میرا تمام دکھ درد بہت بڑی حد تک اس کا اپنا دکھ درد ہو۔ چناں چہ ایک نوجوان، جس نے ہیٹ کو بائیں بھوں کی طرف جھکا رکھا تھا، کہیں اوپر سے آیا اور مجھے ساتھ لے چلا۔ میرا خیال ہے وہ کلرک تھا — آخر اس کاروبار میں کلرک بھی تو ہوں گے — اگرچہ وہ مکان شہرِ خموشاں کے کسی مکان کی طرح چپ چاپ تھا۔ کلرک زدہ حال اور بے پروا تھا، جاکٹ کی آستینوں پر سیاہی کے دھبے اور پرانے بوٹ کے پنجے سے مشابہ ٹھوڑی تلے خوب پھولا پھولا اور بڑا سا گلوبند۔ ڈاکٹر کے پاس جانے کا وقت ذرا ابھی ہوا نہیں تھا اس لیے میں نے تجویز کیا کہ کچھ شغل ہو جائے، اور یہ سنتے ہی اس کی طبیعت میں شگفتگی آ گئی۔ جتنی دیر ہم نے بیٹھ کر ورمتھ نوش کی، وہ کمپنی کے کاروبار کے قصیدے پڑھتا رہا۔ اور تھوڑی دیر بعد میں نے اس کے اُدھر باہر نہ جانے پر یوں ہی سا تعجب ظاہر کیا۔ وہ فی الفور بہت پُرسکون اور ہوش مند نظر آنے لگا۔ "میں اتنا احمق نہیں جتنا معلوم ہوتا ہوں، کہا افلاطون نے اپنے چیلوں سے،" اس نے واعظانہ رنگ میں کہا اور بڑے عزم کے ساتھ اپنا گلاس خالی کر دیا اور ہم اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بوڑھے ڈاکٹر نے، بظاہر تمام وقت کسی اور معاملے پر غور کرتے ہوئے، میری نبض دیکھی۔ "ٹھیک ہے، وہاں کے لیے ٹھیک ہے،" وہ بڑبڑایا اور پھر اس نے قدرے اشتیاق سے دریافت کیا کہ کیا میں اسے اپنا سر ناپنے دوں گا۔ ذرا متعجب ہو کر میں نے ہاں کہہ دیا تو اس نے پرکار نما کوئی شے نکالی اور میرے سر کو آگے پیچھے اور ہر طرف سے ناپ لیا اور بڑی احتیاط سے نوٹس لیتا گیا۔ وہ چھوٹا سا آدمی تھا، داڑھی بڑھی ہوئی، چوغہ نما بوسیدہ کوٹ گلے میں، پاؤں میں چپل، اور مجھے بے ضرر احمق معلوم ہوا۔ کہنے لگا: "میں ہمیشہ، سائنس کے پیشِ نظر، وہاں جانے والوں کا کاسۂ سر ناپنے کی اجازت طلب کرتا رہتا ہوں۔" "اور جب وہ واپس آتے ہیں تب بھی؟" میں نے پوچھا۔ "اوہ، میرا ان سے کبھی ملنا نہیں ہوتا؛" اس نے بتایا۔ "اس کے علاوہ تبدیلیاں تو، آپ جانتے ہیں، باطن میں واقع ہوتی ہیں۔" وہ مسکرایا، جیسے اپنی ذات تک محدود کسی لطیفے پر مسکرا رہا ہو۔ "تو آپ وہاں جا رہے ہیں۔ واہ واہ۔ دل چسپ بھی۔" اس نے مجھے بغور دیکھا اور ایک نوٹ اور قلم بند کیا۔ "آپ کے خاندان میں کبھی کوئی پاگل ہوا؟" اس نے روکھے لہجے میں دریافت کیا۔ مجھے بڑا تاؤ آیا۔ "یہ سوال بھی سائنس کے مفادات کی خاطر ہے کیا؟" اس نے میری جھلاہٹ کا خیال کیے بغیر کہا، "افراد کے ذہنی تغیرات کا موقع واردات پر مطالعہ سائنسی نقطۂ نظر سے دلچسپ ثابت ہوگا لیکن ..." میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کیا آپ ذہنی امراض کے معالج ہیں؟" "ہر ڈاکٹر کو ہونا چاہیے — تھوڑا سا؛" اس طرفہ معجون نے گڑبڑائے بغیر جواب دیا۔ "میرا ایک چھوٹا موٹا نظریہ ہے جسے ثابت کرنے کے لیے وہاں جانے والے آپ حضرات کو میرا ہاتھ ضرور بٹانا چاہیے۔ ایسا شاندار زیرِ انتظام علاقہ ہاتھ آنے سے میرے ملک کو جو فوائد حاصل ہوں گے اس میں میرا حصہ یہ ہی۔ رہی دولت تو اسے میں دوسروں کے لیے چھوڑتا ہوں۔ میرے سوالوں کا برا نہ مانیے گا لیکن آپ سے پہلے کوئی انگریز میرے مشاہدے میں نہیں آیا..."

www.urduchannel.in

میں نے جلدی سے اسے یقین دلایا کہ میں نمائندہ انگریز ہرگز نہیں۔ میں نے کہا: "اگر ہوتا تو آپ کے ساتھ اس طرح بات نہ کرتا۔" "آپ نے جو فرمایا وہ کسی قدر گمبھیر اور غالباً مغالطے پر مبنی ہے،" اس نے ہنس کر کہا۔ "دھوپ میں گھومنے پھرنے سے کہیں زیادہ چڑچڑے پن سے بچیے۔ الوداع۔ آپ انگریز لوگ کیا کہتے ہیں، ایں؟ گڈ بائی، اوہو! گڈ بائی، الوداع۔ استوائی علاقوں میں پُرسکون رہنے کو باقی سب باتوں پر اوّلیت حاصل ہے..." اس نے انگشتِ شہادت اٹھا کر تاکید کی... "پُرسکون رہو، پُرسکون رہو۔ الوداع!"

'ایک کام ابھی باقی تھا — اچھی چچی سے رخصت ہونا۔ ان کا انداز فاتحانہ نظر آیا۔ میں نے ایک پیالی چائے پی۔ اس کے بعد بہت مدت تک معقول چائے نصیب نہ ہوئی اور ایک کمرے میں، جو انتہائی تسلی بخش طور پر بالکل ویسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسا کسی عورت کے آرام کمرے کو معلوم ہونا چاہیے، ہم آتش دان کے پاس بیٹھ کر دیر تک آرام سے گفتگو کرتے رہے۔ اس راز و نیاز کے دوران میں یہ بالکل واضح ہو گیا کہ مجھے اعلیٰ عہدے دار کی بیوی کے روبرو، اور خدا جانے کتنے اور لوگوں کے سامنے بھی، کوئی غیر معمولی اور لائق فائق ہستی بنا کر پیش کیا گیا ہے، ایسا آدمی جو روز روز ہاتھ نہیں آتا — کمپنی کا طالع یاور تھا کہ میں مل گیا۔ ارے توبہ! اور میں چلا تھا کسی پھٹیچر سی دریائی وخانی کشتی کی کمان سنبھالنے جس کے ساتھ اڈھی کی سیٹی بھی میرے حصے میں آنی تھی۔ بہر حال، معلوم یہ ہوا کہ میں بھی جلی حروف میں یکے از کارکنان تھا، جیسے روشنی کا کوئی سفیر، کمتر درجے کے رسول سے مشابہ کوئی شے۔ عین ان دنوں اس طرح کی واہی تباہی کو اخبارات اور گفتگو میں کھلی چھٹی ملی ہوئی تھی اور وہ بھلی مانس، جن کی زندگی اسی بکواس کی لیجیو دوڑیو کے درمیان گزرتی تھی، ان باتوں کی رو میں بہہ گئیں۔ وہ "ان لکھو کھانا سمجھوں سے ان کے بیہودہ رسم ورواج چھڑوانے" کے بارے میں بولتی رہیں حتیٰ کہ انھوں نے، یقین جانو، مجھے خاصا بے کل کر دیا۔ میں نے کنایتاً یہ جتانے کی جسارت کی کہ کمپنی کو منافع حاصل کرنے کی غرض سے قائم کیا گیا ہے۔

'انھوں نے شگفتگی سے کہا: "پیارے چارلی، تم بھول رہے ہو کہ مزدور اپنی اُجرت کا حق دار ہے۔" عجیب بات ہے کہ عورتیں سچائی سے اتنی بے خبر ہوتی ہیں۔ وہ اپنی ہی ایک دنیا میں رہتی ہیں اور اس دنیا جیسی چیز نہ تو کبھی ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ وہ دنیا جملہ طور پر بے حد خوش نما ہے اور اگر عورتیں اسے معرضِ وجود میں لے آئیں تو وہ اول دن ہی غروبِ آفتاب سے پہلے ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے۔ کوئی اوٹ پٹانگ حقیقت، جس کے ساتھ ہم مرد روز آفرینش سے چین سے نباہ کرتے آئے ہیں، اٹھ کر ان کی دنیا کو الٹ دے گی۔

'اس کے بعد مجھے گلے لگایا گیا، فلالین کے کپڑے پہننے کی ہدایت کی گئی اور اکثر خط لکھنے کی تاکید ہوئی اور اسی طرح کی اور باتیں — اور پھر میں رخصت ہوا۔ سڑک پر پہنچ کر، نہ جانے کیوں، مجھ پر یہ عجیب احساس غالب آ گیا کہ میں بہروپیا ہوں۔ طرفہ یہ کہ مجھ جیسے آدمی پر — جو چوبیس گھنٹے کے نوٹس پر دنیا کے کسی بھی کونے کی طرف چل پڑتا تھا اور عازمِ سفر ہونے پر اتنی توجہ بھی نہ دیتا تھا جتنی بیشتر لوگ سڑک پار کرنے پر دیتے ہیں — اس عام سے

www.urduchannel.in

معاملے سے دوچار ہونے کے بعد، یہ تو نہیں کہوں گا کہ تذبذب کا لمحہ آیا لیکن چونکا دینے والے تامل کی کیفیت ضرور لمحے بھر کے لیے طاری ہوئی۔ تمھیں سمجھانے کے لیے اس کی بہترین تشریح ان الفاظ میں کرسکتا ہوں کہ پل دو پل کے لیے یہ محسوس ہوا جیسے کسی براعظم کے مرکز کی طرف روانہ ہونے کے بجائے زمین کے مرکز کا رخ کرنے والا ہوں۔

'میں ایک فرانسیسی دُخانی پر سوار ہوا اور ان کی ہر اُس کنونڈی بندرگاہ پر رُکتا ہوا گیا جو اُدھر واقع تھی، اور جہاں تک میں دیکھ سکا رکنے کا واحد مقصد سپاہیوں اور محصول خانے کے افسروں کو اتارنا تھا۔ میں ساحل کو دیکھتا رہا۔ جہاز پر سے کسی ساحل کو سامنے سے سرکتے دیکھتے رہنا کسی چیستان پر غور کرنے کے مترادف ہے۔ ساحل سامنے پھیلا ہوتا ہے — متبسم، چیں بہ جبیں، پرکشش، شاندار، حقیر، بے رونق یا وحشی اور ہمیشہ گونگا، سرگوشی کا انداز اپنائے کہ ''آؤ اور پتا چلاؤ۔'' ہر قسم کے خدوخال سے عاری وہ سپاٹ ساحل یوں لگتا تھا جیسے ابھی زیرِ تشکیل ہو اور اس کی صورت پر ہمیشہ ایک جیسی خشونت برستی رہتی تھی۔ ایک ناپیدا کنار جنگل کا سرا، اتنا گہرا سبز کہ تقریباً کالا دکھائی دے، ساحلی تموج کی سفید جھالر سے آراستہ، نیلے سمندر کے ساتھ ساتھ، جس کی چمک دمک ایک رینگتی ہوئی دھند سے ماند پڑ چکی تھی، دور بہت دور تک، مسطر سے کھنچے ہوئے خط کے مانند، سیدھا پھیلا چلا گیا تھا۔ تڑاقے کی دھوپ میں خشکی بخارات سے چمکتی اور رستی معلوم ہوتی۔ کہیں کہیں، سفید ساحلی تموج کے بیچ، سفیدی مائل بھورے دھبے تنکھا باندھے نظر آتے، جن پر شاید جھنڈا لہراتا ہوتا۔ صدیوں پرانی نوآبادیاں جواب بھی اپنے پس منظر کی ان چھوئی وسعت پر سوئی کی نوک سے زیادہ بڑی نہ تھیں۔ ہم گراں سیری سے چلتے، رکتے، سپاہی اتارتے گئے؛ آگے بڑھے؛ ایک ایسی جگہ محصول خانے کے کلرکوں کو چنگی وصول کرنے کے لیے اتارا جو راندۂ خدا بیابان نظر آرہی تھی، جس میں ٹین کا ایک سائبان اور جھنڈے کی بلی گم تھی؛ مزید سپاہی اتارے، غالباً محصول خانے کے کلرکوں کی حفاظت کے لیے۔ چند، میں نے سنا، ساحلی تموج میں ڈوب گئے۔ لیکن ڈوبے ہوں یا نہ ڈوبے ہوں، کسی کو بظاہر کوئی خاص پروا نہ تھی۔ انھیں بس وہاں اتار پھینکا گیا اور ہم آگے بڑھ گئے۔ ہر روز ساحل ایک سا نظر آتا جیسے ہم اپنی جگہ سے ہلے تک نہ ہوں؛ لیکن ہمارا مختلف مقامات سے — تجارتی مقامات سے — گزر ہوا جن کے نیم کلاں، پوپو خورد جیسے نام تھے؛ یوں لگتا تھا کہ اسٹیج پر کوئی منحوس پشت پردہ نصب ہے، اس کے آگے پوچ قسم کا کوئی مضحک خاکہ کھیلا جارہا ہے اور یہ نام اس خاکے کا حصہ ہیں۔ بطور مسافر میرا خالی بیٹھنا، باقی تمام لوگوں سے الگ تھلگ رہنا کہ ان سے میل جول بڑھانے کا کوئی موقع ہی نہ تھا، چبھتا اور سست سمندر، ساحل کا یکساں تکدر، یہ سب باتیں، یوں معلوم ہوتا، مجھے کسی سوگوار اور بے معنی واہمے کے جال میں جکڑ کر چیزوں کی اصلیت سے دور رکھ رہی ہیں۔ ساحل سے ٹکراتی موجوں کی کبھی کبھار کانوں میں پڑنے والی آواز سراپا انبساط تھی، جیسے کسی بھائی بند کی گفتگو۔ کوئی فطری شے جس کی اپنی وجہ تھی، اپنے معنی تھے۔ کبھی کبھی ساحل سے آنے والی کوئی کشتی حقیقت سے

www.urduchannel.in

لحاتی رابطہ پیدا کر دیتی۔ اسے کالے لوگ کھے کر لاتے۔ ان کی آنکھوں کے ڈھیلوں کی سفیدی دور سے چمکتی نظر آتی۔ وہ شور مچاتے، گاتے؛ ان کے جسموں سے پسینہ بہتا؛ چہرے بے ڈول مکھوٹوں جیسے — ان بندوں کے؛ لیکن ان میں ہڈیاں تھیں، پٹھے تھے، وحشیانہ طراری فراری تھی، متحرک رکھنے والی شدید توانائی تھی، اتنی ہی فطری اور سچی جتنا ان کے ساحل کا تموج۔ وہاں موجود ہونے کے لیے انھیں کسی معذرت کی ضرورت نہ تھی۔ انھیں دیکھ کر بہت تسکین پہنچتی۔ کچھ دیر کے لیے میں محسوس کرتا کہ کھرے حقائق کی دنیا سے ابھی میرا تعلق برقرار ہے؛ لیکن یہ احساس دیرپا ثابت نہ ہوتا۔ اسے ڈرا دھمکا کر دور کر دینے والی کوئی نہ کوئی بات ہو کر رہتی۔ مجھے یاد ہے، ایک مرتبہ ہمیں ایک جنگی جہاز ملا جو ساحل سے ہٹ کر لنگر انداز تھا۔ ساحل پر کہیں کوئی سائبان تک نہ تھا اور جہاز سے جھاڑ بن پر گولے برسائے جا رہے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فرانسیسی وہیں کہیں اپنی کسی جنگ میں مشغول تھے۔ جہاز کا فوجی پرچم چیتھڑے کی طرح ڈھیلا لٹک رہا تھا؛ لمبی لمبی چھ انچ کے قطر والی توپوں کے دہانے زیریں ڈھانچے سے سر بسر نکلے ہوئے تھے اور چکنا، گدلا تموج، پتلے پتلے مستولوں کو ہلاتا ہوا، جہاز کو الکساہٹ سے جھونٹے دے رہا تھا۔ زمین، آسمان اور سمندر کی سنسان بے کرانی میں وہ، ناقابل فہم، وہاں کھڑا ایک براعظم پر توپیں داغ رہا تھا۔ پھک کر کے اس کی چھ انچ قطر والی کوئی توپ چلتی؛ چھوٹا سا شعلہ لپکتا اور مٹتا، ذرا سا سفید دھواں اٹھ کر غائب ہو جاتا، ایک ننھا منا گولا ناتواں سی چیخ مارتا اور کچھ نہ ہوتا۔ کچھ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کارروائی پر دیوانگی کا اثر سا تھا، اس منظر کو دیکھ کر سوگوار مسخرگی کا احساس ہوتا تھا؛ اور یہ احساس دور نہ ہو سکا گو جہاز پر کسی نے مجھے یقین دلایا کہ وہاں دیسی باشندوں کا — اس نے انھیں دشمن کہا! — نظر سے اوجھل کوئی فوجی پڑاؤ واقع تھا۔

'ہم نے جنگی جہاز کو اس کی ڈاک پہنچائی (میرے سننے میں آیا کہ اس تنہا جہاز پر تین تین آدمی روز بخار سے مر رہے تھے) اور آگے بڑھ گئے۔ چند اور مضحکہ خیز ناموں والے مقامات پر رُکے جہاں کا ساکت اور دھرتیلا ماحول کسی تپ کرتنور بنے زمیں دوز گورستان جیسا تھا، اور اس ماحول میں موت اور تجارت کا مسرور ناچ جاری تھا۔ اس بے شکل ساحل کے ساتھ چلتے گئے جسے خطرناک ساحلی تموج نے اس طرح گھیر رکھا ہے جیسے خود فطرت نے دخل اندازوں کو دور رکھنے کی کوشش کی ہو۔ ایسے دریاؤں میں، موت کے جیتے جاگتے دھاروں میں، گئے بھی اور وہاں سے پلٹے بھی جن کے کنارے گل سڑ کر چھلکے میں تبدیل ہو رہے تھے؛ جن کا پانی، گاڑھے گارے کا روپ دھار کر تمر کے ٹیڑھے میڑھے درختوں میں در آیا تھا، درخت جو بے بس نومیدی کی انتہا کو چھو کر ہم پر پیچ و تاب کھاتے معلوم ہوتے تھے۔ ہم کسی جگہ اتنی دیر نہیں ٹھیرے کہ کوئی مخصوص تاثر لے سکتے لیکن مبہم اور بوجھل حیرانی کا عمومی احساس مجھ پر غالب آتا گیا۔ یہ ایسی اجیرن جاترا کے مانند تھا جس کے دوران ڈراؤنے خوابوں کے اتے پتے مل رہے ہوں۔

'تیس دن سے اوپر ہو چکے تھے تب کہیں بڑے دریا کے دہانے کے درشن ہوئے۔ ہم نے حکومت کے

www.urduchannel.in

صدر مقام سے ہٹ کر لنگر ڈالا۔ مگر مجھے جس کام پر لگنا تھا اسے سنبھالنے کے لیے کوئی دو سو میل اور آگے جانا ضروری تھا۔ جتنی جلد ممکن ہوا میں ایک جگہ کو، جو اوپر کی طرف تیس میل دور تھی، روانہ ہو گیا۔

'میں ایک چھوٹے سمندری دخانی پر سوار ہوا۔ اس کا کپتان سویڈن کا تھا اور سمندری جان کر مجھے برج پر چلنے کی دعوت دی۔ نوجوان آدمی تھا، دبلا پتلا، گورا چٹا، بال سیدھے اور بچھے بچھے، چال گھسٹواں۔ جب ہم اس چھوٹی سڑیل گودی سے چلے تو اس نے حقارت بھرے انداز میں ساحل کی طرف سر جھٹک کر پوچھا: ''وہاں رہتے رہے؟'' میں نے کہا: ''ہاں۔'' ''یہ سرکاری لوگ بانگ بھی خوب ٹولا ہیں، ہیں کہ نہیں؟'' اس نے گفتگو جاری رکھی اور بڑی صحت اور کافی تلخی سے انگریزی بولتا رہا۔ ''ہنسی آتی ہے کہ بعض لوگ چند فرانک مہینے کی خاطر کیا کیا کر گزرتے ہیں۔ حیران ہوں کہ اس قماش کی مخلوق کا اندرونِ ملک پہنچنے کے بعد کیا حشر ہوتا ہے۔'' میں نے بتایا مجھے توقع ہے کہ یہ دیکھنے کا جلد ہی موقع مل جائے گا۔

''اچھ۔۔چھ۔۔ا''، اس کے منھ سے نکلا۔ وہ گھسٹتی چال چلتا جہاز کی پرلی طرف گیا اور چوکسی کے ساتھ آنکھ گاڑے آگے دیکھتا رہا۔ ''اتنے یقین سے بات مت کرو۔'' اس نے بات آگے بڑھائی۔ ''ابھی میں ایک آدمی کو لے گیا جس نے راستے میں خود کو پھانسی دے لی تھی۔ وہ بھی سویڈن کا تھا۔'' ''پھانسی دے لی تھی! خدا کا نام لو! وہ کس لیے؟'' میں چیخ پڑا۔ وہ چوکسی سے برابر آگے دیکھتا رہا۔ ''کون جانے؟ دھوپ کی تاب نہ لا سکا ہوگا، یا شاید ملک کی۔''

'آخر کار ہم دریا کے اصل پاٹ میں جا نکلے۔ ایک پتھریلی چٹان نمودار ہوئی۔ کنارے پر کھدی ہوئی مٹی کے ٹیلے، چند مکان ایک ٹیکری پر، لوہے کی چھتوں والے بعض دوسرے مکان کھدائیوں کے ویران کے درمیان یا ڈھلان پر لٹکے نظر آئے۔ اس آبادتاراجی کے منظر پر دریا کے دریڑوں کا مسلسل شور منڈلاتا ہوا۔ بہت سے آدمی، زیادہ تر کالے اور ننگ دھڑنگ، چیونٹیوں کی طرح چل پھر رہے تھے۔ ایک گودی دریا میں آگے کو نکلی ہوئی تھی۔ کبھی کبھار بصارت سوز دھوپ کے اچانک نئے سرے سے بلبلا اٹھنے پر چکاچوند پیدا ہوتی اور یہ سب چیزیں خیرگی میں ڈوب جاتیں۔ ''وہ رہا تمھاری کمپنی کا اڈا،'' سویڈن کے باشندے نے پتھریلے ڈھلان پر بارکوں جیسی تین چوبی عمارتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں تمھارا سامان بھجوا دوں گا۔ چار صندوق کہے تھے نا تم نے؟ ٹھیک۔ خدا حافظ۔''

'جاتے جاتے رستے میں ایک بوائلر نظر آیا جو گھاس میں لوتھ پوتھ پڑا تھا۔ پھر ایک پگڈنڈی مل گئی جو پہاڑی کی چوٹی کی طرف جا رہی تھی۔ رستے میں آ جانے والے بولڈروں سے بچنے کے لیے پگڈنڈی نے خم کھایا۔ مڑنے کی ایک وجہ مال گاڑی کا ایک کھلا، ٹینا ڈبا بھی تھا جو وہاں پہیے اوپر کیے الٹا پڑا تھا۔ ایک پہیا الگ ہو چکا تھا۔ ڈبا کسی جانور کے دھڑ کی طرح مردہ معلوم ہو رہا تھا۔ مجھے فرسودہ ہوتی مشینوں کے مزید حصے اور زنگ خوردہ کیلوں کا ایک پٹا

www.urduchannel.in

ملا۔ بائیں جانب درختوں کے ایک جھنڈ سے سایہ دار جگہ وجود میں آ گئی تھی۔ وہاں کالی کالی چیزیں ناتوانی سے ہلتی جلتی معلوم ہو رہی تھیں۔ میں نے آنکھیں جھپکیں۔ پگڈنڈی والا ڈھلان خاصا کھڑا تھا۔ دائیں طرف نرسنگھا پھنکا اور میں نے کالے آدمیوں کو بھاگتے دیکھا۔ بھاری اور ٹھس دھماکے سے زمین ہلی، چٹان سے دھوئیں کا بگا بلند ہوا اور بس۔ چٹان کے رخ پر کوئی تبدیلی ظہور میں نہ آئی۔ وہ ریلوے لائن تعمیر کر رہے تھے۔ چٹان نہ تو راستے میں حائل تھی نہ کوئی اور بات تھی مگر اس بے مقصد سرنگ کاری کے سوا کوئی کام نہ ہو رہا تھا۔

'پیچھے خفیف سی جھنکار سنائی دی تو مجھے مڑ کر دیکھنا پڑا۔ چھ کالے آدمی، پرابا ندھے، بڑا زور لگا کر، پگڈنڈی پر چڑھ رہے تھے۔ جسم کو سیدھا تانے ہولے ہولے چلتے ہوئے، مٹی سے بھری چھوٹی چھوٹی ٹوکریاں سروں پر اور جھنکار ان کے قدموں سے تال ملاتی ہوئی۔ کولھوں پر کالے چیتھڑے بندھے، جن کے چھوٹے سے سرے پیچھے دُموں کی طرح دائیں بائیں ہلتے ہوئے۔ میں ان کی ہر پسلی گن سکتا تھا اور اعضا کے جوڑ ایسے تھے جیسے رسی میں دی ہوئی گانٹھیں؛ ہر ایک کی گردن میں لوہے کا طوق اور سب ایک ہی زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے جس میں پڑنے والے جھول ان کے درمیان، ہم آہنگی سے جھن جھن کرتے ہوئے، ہل رہے تھے۔ چٹان پر ایک اور دھماکے کی آواز سے مجھے یکا یک اس جنگی جہاز کا خیال آیا جسے میں نے براعظم پر گولا باری کرتے دیکھا تھا۔ یہ دھماکا بھی اسی طرح کا منحوس شور تھا؛ مگر تخیل کو لاکھ کھینچ تان کر بھی ان آدمیوں کو دشمن قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ وہ مجرم کہلاتے تھے اور، پھٹتے ہوئے گولوں کی طرح، غضب ناک قانون بھی سمندر سے آنے والا لاامحل اسرار بن کر، ان پر نازل ہوا تھا۔ ان کے نحیف سینے زور زور سے ہانپ رہے تھے اور بے طرح پھیلے ہوئے نتھنے تھرتھرا رہے تھے اور آنکھیں پتھرائے انداز سے اوپر پہاڑی کو تک رہی تھیں۔ وہ مجھ سے آدھے فٹ کے فاصلے سے گزرے اور اس مکمل اور مرگ آسا بے اعتنائی کے ساتھ، جو دکھی وحشیوں کا خاصہ ہوتی ہے، میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اس ننگ دھڑنگ معاملے کے پیچھے پیچھے، نئی کارفرما طاقتوں کا گھڑا ہوا ایک ہدایت یافتہ کالا، رائفل کو بیچ سے پکڑے، بے دلی سے ٹہلتا آ رہا تھا۔ وردی والی جاکٹ گلے میں، جس کا ایک بٹن کھلا ہوا۔ گورے کو پگڈنڈی پر کھڑا دیکھا تو جھٹ سے رائفل کندھے پر رکھ لی۔ یہ عین مصلحت اندیشی تھی۔ گورے آدمی دور سے اس قدر ہم شکل نظر آتے ہیں کہ اسے پتا نہ چل سکتا تھا کہ میں کون ہوں۔ وہ جلد ہی مطمئن ہو گیا، باچھیں کھل گئیں اور سفید اور لٹھنی مسکراہٹ کے ساتھ، اور اپنے قیدیوں پر نظر ڈال کر، اس نے گویا مجھے اپنی ارفع امانت داری میں شریک کر لیا۔ آخر میں بھی تو ان عالی اور منصفانہ کارروائیوں کے مقصدِ عظیم کا حصہ تھا۔

'اوپر جانے کے بجائے میں مڑا اور بائیں طرف اتر گیا۔ سوچا یہ تھا کہ اس پابہ زنجیر گروہ کے نظر سے اوجھل ہو جانے کے بعد پہاڑی پر چڑھوں گا۔ تمھیں پتا ہے میں کوئی خاص نرم دل آدمی نہیں؛ میں نے چوٹ بھی لگائی ہے ،وار خالی بھی دیے ہیں۔ جس طرح کی زندگی میں نے اندھا دھند اپنا لی تھی اس کے تقاضوں کے مطابق مجھے کبھی

www.urduchannel.in

کبھی مدافعت بھی کرنی پڑی اور حملہ بھی — جو مدافعت ہی کا ایک انداز ہے — اور میں نے کبھی یہ حساب نہیں رکھا کہ اپنے کیے کا ٹھیک ٹھیک کیا بھگتان دینا ہوگا۔ میں نے تشدد کے شیطان، طمع کے شیطان اور ہوس کی آگ میں جلتے شیطان کو دیکھا ہے؛ لیکن، تمام ستاروں کی قسم، وہ سب ہیچ تھے، شہوتی، لال آنکھوں والے شیاطین تھے جو آدمیوں کو نچاتے اور ہانکتے رہتے تھے — سنتے ہو، آدمیوں کو۔ لیکن اس پہاڑی کے دامن میں کھڑے کھڑے مجھے پہلے سے معلوم ہوگیا کہ اس سرزمین کی خیرہ کن دھوپ میں ایک ایسے پلپلے، ادعائی اور مریل آنکھوں والے شیطان سے ملنا ہوگا جو غارت گرانہ اور سنگ دلانہ بے رحمی سے عبارت ہے۔ وہ کس قدر مکار بھی ثابت ہوسکتا ہے، یہ مجھے بس چند ماہ بعد اور ایک ہزار میل آگے جا کر پتا چلنا تھا۔ لمحے بھر کے لیے میں، گویا کسی افتاد کے زیرِ اثر، بک دک کھڑا رہ گیا۔ بالآخر میں نے پہاڑی سے ان درختوں کی طرف ترچھا ترچھا اترنا شروع کیا جو میں نے دیکھے تھے۔

'میں ایک بہت لمبے چوڑے غیر قدرتی گڑھے سے بچ کر چلا جسے کوئی ڈھلان پر کھودتا رہا تھا۔ اسے کس لیے کھودا گیا، یہ سمجھنا میرے لیے ناممکن تھا۔ وہ نہ تو کوئی بالو کھتا تھا نہ کان۔ بس گڑھا تھا۔ شاید اس کا تعلق مجرموں کو کسی نہ کسی کام سے لگائے رکھنے کی انسان دوست آرزو سے ہو۔ مجھے نہیں معلوم۔ پھر میں ایک بہت تنگ نالے میں گرتے گرتے بچا جو پہاڑی کے ڈھلان پر پڑی خراش سے شاید ہی کچھ زیادہ تھا۔ پتا چلا کہ نکاسی آب کی غرض سے جو ڈھیروں پائپ نوآبادی کے لیے درآمد کیے گئے تھے وہ لڑھک کر اس نالے میں جا گرے ہیں۔ کوئی پائپ ایسا نہ تھا جو ٹوٹ نہ چکا ہو۔ یہ بالکل بے تک توڑ پھوڑ تھی۔ میں آخر درختوں کے سائے میں پہنچ ہی گیا۔ ارادہ تھا کہ ذرا کی ذرا چھاؤں میں ٹہلوں گا؛ لیکن چھاؤں میں پہنچتے ہی معاً یہ معلوم ہوا کہ کسی جہنم کے تیرہ و تار حلقے میں قدم رکھ دیا ہے۔ دریا کے دریڑے نزدیک تھے اور ایک مسلسل، یکساں، بے تحاشا، ہڑبڑاتے شور نے جھنڈ کے ماتمی سکوت کو، جہاں نہ تو ہوا کی آہٹ تھی نہ کوئی پتا ہل رہا تھا، ایک پُراسرار آواز سے معمور کر دیا تھا — جیسے خلا میں چھوڑے ہوئے کرۂ ارض کا زناٹا یک بیک سنائی دینے لگا ہو۔

'درختوں کے درمیان سیاہ شکلیں، تنوں سے ٹیک لگائے، زمین سے چمٹی ہوئی، آدھی نمایاں، آدھی دھندلی روشنی میں مٹی مٹی، تکلیف، کس مپرسی کے اور مایوسی کے تمام آسنوں میں سمٹی ہوئی، لیٹی ہوئی، بیٹھی ہوئی تھیں۔ چٹان پر ایک اور سرنگ اڑی جس کے بعد میرے قدموں تلے زمین بہت آہستہ سے لرزی۔ کام جاری تھا۔ کام! اور یہ وہ مقام تھا جہاں چند ایک کارکن مرنے کے لیے گوشہ گیر ہوئے تھے۔

'بالکل واضح تھا کہ وہ سسک سسک کے مر رہے ہیں۔ وہ دشمن نہیں تھے، مجرم نہیں تھے، اب کوئی زمینی شے نہ رہے تھے — سبزی مائل اندھیرے میں بیماری اور فاقہ زدگی کے بے ترتیبی سے پڑے ہوئے کالے سایوں کے سوا کچھ نہ تھے۔ انھیں ساحل کے ہر کونے کھدرے سے قانون کے تمام تقاضے پوری کرنے والی لکھت پڑھت کے

www.urduchannel.in

بعد ایک معین مدت کے لیے یہاں لایا گیا تھا اور جب وہ ناموافق گرد و پیش میں گم ہو کر، اوپری غذا کھا کر، بیمار پڑے، کالے ہو گئے تو انھیں رینگ کر چلے جانے اور ستانے کی اجازت دے دی گئی۔ یہ جاں بلب شکلیں ہوا کی طرح آزاد تھیں اور قریب قریب اتنی ہی مہین بھی۔ مجھے پتا چلنے لگا کہ درختوں تلے کہاں کہاں آنکھیں چمک رہی ہیں۔ پھر نیچے نظر ڈالی تو اپنے ہاتھ کے پاس ایک چہرہ دیکھا۔ کالی ہڈیاں درخت سے کندھا لگائے چت لیٹی تھیں، اور پپوٹے آہستہ آہستہ ہٹے اور دھنسی ہوئی بڑی بڑی خالی آنکھوں نے اوپر میری طرف دیکھا، دیدے جن کی گہرائیوں میں اندھی سفید ٹمٹماہٹ تھی جو دھیرے دھیرے گل ہو گئی۔ آدمی جوان معلوم ہوتا تھا — لڑکا سا لگتا تھا — لیکن تم جانتے ہو ان کی عمر کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہوتا ہے۔ میں اور تو کچھ کر نہ سکا، میری جیب میں سویڈن والے کرم فرما کے جہاز کے بسکٹ پڑے تھے، ان میں سے ایک میں نے اسے دیا۔ انگلیوں نے دھیرے سے سٹ کر بسکٹ پکڑ لیا۔ کوئی دوسری حرکت ہوئی نہ نظر دوبارہ میری طرف اٹھی۔ اس نے سفید ورسٹڈ کی کتر گلے میں باندھ رکھی تھی۔ کیوں؟ کتر اسے کہاں سے ملی؟ کیا وہ کوئی چیز اس تھی — زیور، تعویذ گنڈا — کسی طرح کی منت؟ اس سے کسی تصور کا کوئی تعلق تھا بھی؟ اس کے کالے گلے میں پڑی، سمندر پار سے آنے والی سفید سوت کی یہ دھجی چونکا دیتی تھی۔

'اسی درخت کے قریب حادثے زاویوں کے دو اور گٹھر اکڑوں بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک گھٹنوں پر ٹھوڑی دھرے، ناقابلِ برداشت اور ڈراؤنے انداز میں، خلا میں گھور رہا تھا۔ اس کا ساتھی آسیب ماتھا ٹیکے بیٹھا تھا جیسے کسی بھاری ماندگی نے آ دبوچا ہو؛ اور باقی آدمی، گویا کسی قحط یا قتلِ عام کی تصویر میں، ہر جانب مڑی تڑی پچھاڑ کی ہر وضع میں بکھرے ہوئے تھے۔ جب میں دہشت کا مارا وہاں کھڑا تھا تو ان میں سے ایک شخص گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل اٹھا اور چار ہاتھ پاؤں پر چلتا ہوا پانی پینے دریا کی طرف گیا۔ اس نے پانی ہاتھ میں لے کر لبڑا، پھر دھوپ میں آلتی پالتی مار کر سیدھا بیٹھ گیا اور کچھ دیر بعد اپنے گھونگریالے سر کو سینے کی ہڈی پر ڈھلک جانے دیا۔

'میں چھاؤں میں اور دیر ٹھیرنا نہ چاہتا تھا، اور جلدی سے اڈے کی طرف چل دیا۔ عمارت کے قریب پہنچ کر ایک گورا ملا جس کی وضع قطع کی نفاست اس قدر غیر متوقع تھی کہ لمحے بھر کے لیے مجھے اس پر کسی طرح کے مکاشفے کا گمان ہوا۔ میں نے کلف لگا کھڑا کالر، سفید کف، ہلکا الپاکا کا جاکٹ، سفید براق پتلون، ستھری نکٹائی اور وارنش سے چمکائے بوٹ دیکھے۔ ہیٹ ندارد۔ اور ایک بڑے سفید ہاتھ میں تھامے سبز حاشیے والے آفتاب گیر کے نیچے تیل لگے، بنے سنورے بال، مانگ نکلی ہوئی۔ وہ حیرت ناک تھا؛ اور کان پر قلم رکھے ہوئے تھا۔

'میں نے اس کرامات سے ہاتھ ملایا اور پتا چلا کہ وہ کمپنی کا محاسبِ اعلیٰ ہے اور تمام حساب کتاب اس اڈے پر رکھا جاتا ہے۔ کہنے لگا کہ وہ "ذرا تازہ ہوا کھانے" پل بھر کے لیے باہر آیا ہے۔ اس کی یہ بات، جس میں ڈیسک کے سامنے بیٹھے بیٹھے بسر ہونے والی زندگی کی طرف اشارہ تھا، حیرت انگیز طور پر نرالی معلوم ہوئی۔ میں تم

www.urduchannel.in

سے اس شخص کا ہرگز ذکر نہ کرتا اگر اس کی زبانی پہلی مرتبہ اُس آدمی کا نام نہ سنا ہوتا جو اُن دنوں کی یادوں سے لاینفک انداز میں وابستہ ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ میں نے اس شخص کا احترام کیا۔ ہاں! اس کے کالروں، بہت چوڑے کفوں اور بنے سنورے بالوں کا احترام کیا۔ اس کی وضع قطع تو بے شک کسی حجام کے یہاں رکھی ڈمی سے ملتی جلتی تھی لیکن اس سرزمین کے عظیم اخلاقی انحطاط میں اس نے اپنی وضع قطع برقرار رکھی تھی۔ اسی کا نام استقامت ہے۔ اس کے کلف لگے کالر اور قمیصوں کے ستھرے سامنے کارنامے تھے جن سے پختگی کردار ظاہر ہوتی تھی۔ اسے وہاں رہتے ہوئے کوئی تین سال ہو گئے تھے اور میں بعد میں یہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا کہ ایسا لباس زیب تن کرنے کی اس نے کیا تدبیر کی تھی۔ اس کے چہرے پر برائے نام سرخی پھیلی اور وہ سادگی سے بولا، ''اڈّے پر جو دیسی عورتیں ہیں ان میں سے ایک کو یہ سکھا تا رہا ہوں۔ مشکل بہت اٹھانی پڑی۔ اسے یہ کام ناگوار معلوم ہوتا تھا۔'' یوں اس شخص نے واقعی کچھ کر دکھایا تھا۔ اور اسے اپنے بہی کھاتوں سے دلی لگاؤ تھا جن میں کہیں ذرا سی بھی غلطی نہ تھی۔

'اڈّے پر باقی جو کچھ تھا — دماغ، چیزیں، عمارتیں — کسی کی کل سیدھی نہ تھی۔ ڈھول میں اٹے، پھٹے پاؤں والے حبشیوں کی ٹکڑیاں آتی جاتی رہتیں۔ ظلمات کی گہرائیوں کو بھجوائے جانے والے بنے بنائے مال، گھٹیا سوتی کپڑوں، پوتھوں اور پیتل کے تاروں کا تانتا بندھا ہوا تھا اور ان کے بدلے ادھر سے ہاتھی دانت کی قیمتی ٹپاٹپ جاری رہتی۔

'مجھے اڈّے پر دس دن — جو طوالت میں ابد کے برابر تھے — قیام کرنا پڑا۔ میں احاطے میں ایک جھونپڑی میں ٹھیرا ہوا تھا لیکن وہاں کی ہڑبونگ سے بچنے کے لیے کبھی کبھار محاسب کے دفتر چلا جاتا۔ دفتر افقی تختوں سے بنا تھا اور انھیں اتنے بے ڈھنگے پن سے جوڑا گیا تھا کہ محاسب جب اپنے اونچے ڈیسک پر جھکتا تو گردن سے ایڑی تک دھوپ کی تنگ دھاریوں میں رنگ جاتا۔ باہر دیکھنے کے لیے بڑا شٹر کھولنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی تھی۔ وہاں گرمی بھی تھی؛ بڑی بڑی مکھیاں بھیانک انداز میں بھنبھناتیں اور ڈنک مارتیں تو لگتا ان نے خنجر گھونپ دیا۔ میں عموماً فرش پر بیٹھتا اور وہ، بالکل بے داغ وضع قطع کے ساتھ (اور ذرا سی خوشبو بھی لگا کر) اونچے اسٹول پر بمشکل ٹکا ہوا، قلم چلاتا رہتا۔ کبھی کبھی وہ ہاتھ پیر ہلانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا۔ جب ایک پہیوں والے پست پلنگ پر دراز بیمار کو (اندرون ملک سے آنے والا کوئی معذور گماشتہ) دفتر میں لایا گیا تو محاسب نے ہلکی سی جھنجھلاہٹ ظاہر کی۔ کہنے لگا، ''اس بیمار شخص کے کراہنے سے میری توجہ بٹ جاتی ہے۔ اور یک سوئی نہ ہو تو اس آب وہوا میں لکھت پڑھت کی غلطیوں سے بچنا بہت دشوار ہے۔''

'ایک دفعہ سر اٹھائے بغیر کہنے لگا، ''اندرون ملک بلاشبہ آپ مسٹر کرنز سے ملیں گے۔'' جب میں نے دریافت کیا کہ مسٹر کرنز کون ہے تو اس نے کہا کہ وہ درجہ اول کا گماشتہ ہے، اور اس اطلاع پر میری مایوسی دیکھ کر قلم رکھتے ہوئے آہستہ آہستہ مزید اتنا بتایا، ''وہ بے حد قابل ذکر شخص ہے۔'' زیادہ پوچھ گچھ کی تو پتا چلا کہ مسٹر کرنز

www.urduchannel.in

فی الحال ایک تجارتی چوکی کا نگران ہے، بہت اہم چوکی کا، جو صحیح معنی میں ہاتھی دانت کے گھر میں واقع ہے۔ ''وہاں، ملک کے بالکل اخیر میں۔ جتنا ہاتھی دانت باقی سب لوگ ارسال کرتے ہیں اتنا وہ اکیلا بھجوا دیتا ہے...' اس نے دوبارہ لکھنا شروع کردیا۔ مریض کی طبیعت اتنی خراب تھی کہ وہ کراہ بھی نہ سکتا تھا۔ عظیم امن جس میں مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔

'یک لخت آوازوں کی بلند ہوتی ہوئی بڑبڑاہٹ اور قدموں کی زبردست دھب دھب سننے میں آئی۔ کوئی قافلہ آ پہنچا تھا۔ تختوں کی پرلی طرف اُجڈ آوازوں کی شدید یک جھک بلند ہوئی۔ تمام حمال ایک ساتھ بول رہے تھے اور اس شور وغل میں میر گماشتہ کی غم زدہ آواز سنائی دی جو اس دن بیسویں مرتبہ بسورتے ہوئے "میری توبہ" کہہ رہا تھا... محاسب آہستہ سے اٹھا۔ "کس غضب کی چیخم دھاڑ ہے،" اس نے کہا۔ وہ بیمار کو دیکھنے کمرے کی دوسری طرف گیا اور واپس آ کر مجھ سے بولا، "وہ نہیں سن رہا۔" "کیا! مرگیا؟" میں نے ہڑبڑا کر پوچھا۔ "نہیں، ابھی نہیں،" اس نے بڑی دل جمعی سے جواب دیا۔ پھر سر ہلا کر اڈے کے ہلڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، "جب آدمی کو صحیح صحیح اندراجات کرنے ہوں تو ان وحشیوں سے نفرت ہوجاتی ہے — نفرت کے مارے جی چاہتا ہے انھیں جان سے مار ڈالو۔" وہ لمحہ بھر سوچ میں ڈوبا رہا۔ "جب آپ مسٹر کرٹز سے ملیں،" اس نے گفتگو جاری رکھی، "تو میری طرف سے انھیں بتایئے گا کہ یہاں" — اس نے ڈیسک پر نظر ڈالی — "ہر چیز بالکل تسلی بخش ہے۔ میں انھیں خط نہیں لکھنا چاہتا۔ یہ ہمارے ہرکارے ایسے ہیں کہ کچھ پتا نہیں کہ خط — مرکزی اڈے پر — کس کے ہاتھ لگ جائے۔" اس نے پل بھر کو اپنی نرم، اُبلی اُبلی آنکھوں سے مجھے گھورا۔ "ہاں، کرٹز بڑی ترقی کرے گا، بڑی ترقی،" اس نے پھر بولنا شروع کیا۔ "جلد ہی انتظامیہ میں کوئی عہدہ سنبھال لے گا۔ یورپ میں جو کونسل ہے، سمجھے — وہ جو اس کے اوپر ہیں، ان کا منشا یہی ہے۔"

'وہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہوگیا۔ باہر شور ختم ہوچکا تھا اور کچھ دیر بعد، باہر جاتے ہوئے، میں دروازے پر رُکا۔ مکھیوں کی مسلسل بھن بھن میں وہ گماشتہ، جسے یورپ جانا تھا، بخار میں پھکا ہوا بے ہوش پڑا تھا۔ دوسرا آدمی، بہی کھاتوں پر جھکا ہوا، بالکل درست لین دین کا درست اندراج کرنے میں مشغول تھا؛ اور دہلیز سے پچاس فٹ نیچے میں ان درختوں کی ساکت چوٹیاں دیکھ سکتا تھا جو اس کنج مرگ میں استادہ تھے۔

'اگلے دن آخرش میں اس اڈے سے، ساٹھ آدمیوں کے قافلے کے ہمراہ، دو سو میل کی پیدل مار پر روانہ ہوگیا۔

'اس سفر کے متعلق تمھیں زیادہ بتانے کا کچھ حاصل نہیں۔ ہر طرف پگڈنڈیاں ہی پگڈنڈیاں۔ زمین پر پگڈنڈیوں کا پا کوبیدہ جال اس ویرانے میں، لمبی لمبی گھاس میں، جلی ہوئی گھاس میں، جھاڑ جھنکاڑ میں، سرد گھاٹیوں کے اتار چڑھاؤ پر، گرمی سے تپتی ہوئی پتھریلی پہاڑیوں کے اتار چڑھاؤ پر، پھیلا ہوا؛ اور تنہائی سی تنہائی، آدم نہ آدم

www.urduchannel.in

زاد، کہیں جھونپڑی کا نام تک نہیں۔ وہاں رہنے والے مدتوں پہلے رفو چکر ہو گئے تھے۔ بھئی اگر پُراسرار حبشیوں کا جتھے کا جتھا، طرح طرح کے خوف ناک ہتھیاروں سے لیس ہو کر، اچانک ڈیل اور گریوز اینڈ کے درمیان والی سڑک پر آنے جانے لگے اور بھاری بھاری بوجھ اٹھوانے کے لیے دائیں بائیں گنواروں کو پکڑنا شروع کر دے تو میرا خیال ہے کہ آس پاس کے فارموں اور دیہاتی مکانوں کو ویران ہوتے ذرا دیر بھی نہ لگے گی۔ یہاں خیر سے مکان بھی غائب ہو چکے تھے۔ تاہم کئی ویران قریوں سے میرا گزر ہوا۔ گھاس کی بنی دیواروں کے کھنڈروں میں کوئی بات ایسی ہے جو قابلِ رحم حد تک طفلانہ معلوم ہوتی ہے۔ ہر روز میرے پیچھے ساٹھ آدمیوں کے ننگے پیروں کی دھمک اور گھسٹ، جن میں سے ہر ایک نے تیس تیس سیر وزن اٹھا رکھا تھا۔ پڑاؤ ڈالنا، کھانا پکانا، سونا، پڑاؤ لپیٹنا، کوچ کرنا۔ کبھی کبھار مال ڈھوتے ڈھوتے مرجانے والا کوئی حمال پگڈنڈی کے پاس لمبی گھاس میں پڑا ملتا، پہلو میں اس کی لمبی لاٹھی اور پانی کی خالی تونبی دھری ہوتی۔ اوپر اور چاروں طرف عظیم سناٹا۔ شاید کسی پُرسکون رات کو دور بجنے والے ڈھولوں کی تھرتھراہٹ، ابھرتی ڈوبتی ہوئی، دور دور تک پھیلتی مدھم تھرتھراہٹ: ایک طلسمی آواز، دل فریب، وحشیانہ — اور شاید اتنے ہی عمیق معانی کی حامل جتنی عیسائی ملکوں میں گھنٹیوں کی آواز۔ ایک بار ایک گورا، بٹن کھلی وردی میں، لمبے لمبے لاغر زنجباریوں کے مسلح بدرقے سمیت، پگڈنڈی پر خیمہ زن ملا؛ بہت مہمان نواز اور بشاش — بلکہ کہنا چاہیے مدہوش بھی۔ کہنے لگا کہ وہ سڑک کی دیکھ بھال پر مامور ہے۔ میں یہ کہنے سے قاصر ہوں کہ مجھے وہاں کوئی سڑک یا دیکھ بھال نظر آئی بشرطے کہ ادھیڑ عمر کے ایک حبشی کی لاش کو، جس کے ماتھے پر گولی کا سوراخ تھا، جو مجھے بالکل اتفاق سے تین میل آگے پڑی ملی، ایک مستقل بہتری تصور نہ کیا جائے۔

ایک گورا بھی میرا ہم سفر تھا۔ آدمی تو برا نہ تھا البتہ کچھ زیادہ ہی فربہ تھا اور اسے پہاڑیوں کے پھیلتے ڈھلانوں پر، جہاں میلوں تک سائے اور پانی کا نام نہ ہوتا تھا، بے ہوش ہو جانے کی عادت تھی؛ ایسی عادت پر اشتعال آئے ہی آئے۔ تم جانتے ہی ہو، کسی آدمی کے سر پر، جب وہ ہوش میں آنے کو ہو، اپنے کوٹ سے چھتری کی طرح سایہ ڈالنا پڑے تو کتنی جھنجھلاہٹ محسوس ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ میں اس سے پوچھے بغیر نہ رہ سکا کہ اس کا وہاں آنے کا مقصد آخر تھا کیا۔ "ظاہر ہے، مال کمانا۔ تم کیا سمجھے ہو؟" اس نے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔ پھر وہ بخار میں مبتلا ہو گیا اور اسے بہنگی میں بندھے جھولن کھٹولے میں ڈال کر لے جانا پڑا۔ چوں کہ اس کا وزن تقریباً تین من تھا، حمالوں کے ساتھ میری چخ چخ ختم ہونے میں نہ آتی تھی۔ وہ اڑ بیٹھتے، بھاگ جاتے، رات کو اپنے بوجھ سمیت کھسک لیتے — اچھی خاصی بغاوت ہو گئی۔ چناں چہ ایک شام میں نے اشاروں کے ساتھ انگریزی میں تقریر کی، جن میں سے کوئی اشارہ بھی میرے سامنے موجود ان ساٹھ جوڑی آنکھوں پر رائگاں نہ گیا، اور اگلی صبح میں نے جھولن کھٹولے کو ٹھیک ٹھاک آگے چلتا کر دیا۔ گھنٹے بھر بعد وہ سارا بندوبست — آدمی، جھولن کھٹولا، کراہیں،

www.urduchannel.in

کمبل، تباہیاں ہی تباہیاں — مجھے ایک جہازی میں ٹوٹا پھوٹا پڑا ملا۔ بھاری بانس سے گورے کی ناک بے چاری چھل گئی تھی۔ وہ میرے ہاتھوں کسی کو قتل کرانے کے لیے بہت بے چین تھا لیکن وہاں آس پاس کسی حمال کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ مجھے بوڑھا ڈاکٹر یاد آیا — "افراد کے ذہنی تغیرات کا موقع واردات پر مطالعہ سائنسی نقطۂ نظر سے دلچسپ ثابت ہوگا۔" میں نے محسوس کیا کہ میں سائنسی طور پر دلچسپ ہوتا جا رہا ہوں۔ بہر حال، ان باتوں میں کچھ نہیں رکھا۔ پندرھویں دن بڑا دریا مجھے دوبارہ نظر آیا اور میں نے، لنگڑا لنگڑا کر چلتے ہوئے، مرکزی اڈے میں قدم دھرا جو، جھاڑیوں اور جنگل سے گھرا ہوا، میرے پانی کے کنارے واقع تھا۔ ایک طرف بدبودار کیچڑ کا محمد حاشیہ تھا اور باقی تین طرف سٹھوں کی اینڈی بینڈی باڑ کھینچی ہوئی تھی۔ ایک خالی چھوٹی ہوئی جگہ دروازے کا کام دے رہی تھی اور اس مقام کو ایک نظر دیکھتے ہی سمجھ میں آ جاتا تھا کہ وہاں پلپلے شیطان کی حکمرانی ہے۔ گورے آدمی ہاتھوں میں لٹھ لیے عمارتوں سے سست روی سے باہر نکلے، ٹہلتے ٹہلتے آئے، مجھ پر نگاہ ڈالی اور پھر کہیں ٹل ٹلا کر آنکھ سے اوجھل ہو گئے۔ ان میں ایک بے چین طبیعت کا مالک تھا، قوی ہیکل، کالی کالی مونچھوں والا؛ اور جوں ہی میں نے بتایا کہ میں کون ہوں تو اس نے بڑے فرانے سے بولتے ہوئے، متعدد ادھر اُدھر کی باتوں کے ساتھ، اطلاع دی کہ میرا دخانی دریا میں ڈوب چکا ہے۔ میرے ہوش اڑ گئے۔ کیا، کیسے، کیوں؟ اوہ، سب "بالکل ٹھیک ٹھاک۔" "منیجر صاحب آپ" وہاں موجود تھے۔ سب پوری طرح درست۔ "ہر آدمی نے کمال کر دیا۔ غضب کا رویہ تھا ہر کسی کا! کمال کر دیا!" پھر اس نے ہڑبڑا کر کہا: "آپ کو فوراً جنرل منیجر سے ملنا چاہیے۔ وہ انتظار کر رہے ہیں۔"

جہاز کی اس شکستگی کی حقیقی اہمیت میری سمجھ میں فوراً نہ آئی۔ خیال آتا ہے کہ اب میری سمجھ میں آ گئی ہے لیکن اس کا یقین نہیں — قطعاً یقین نہیں۔ بلاشبہ وہ واقعہ — جب میں اس کے بارے میں سوچتا ہوں — اتنا زیادہ احمقانہ تھا کہ از خود کسی طرح پیش آ ہی نہ سکتا تھا۔ پھر بھی... لیکن اس وقت تو وہ محض کسی ستیاناسی وبال کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔ دخانی ڈوب چکا تھا۔ انھوں نے دو دن پہلے ناگہاں عجلت سے کسی رضاکار کپتان کی ماتحتی اور منیجر کی جہاز پر موجودگی میں بہاؤ کے خلاف سفر شروع کیا اور روانہ ہوئے تین گھنٹے بھی نہ گزرے تھے کہ پتھروں سے ٹکرا کر پیندے کے پرخچے اڑا دیے اور وہ جنوبی کنارے کے پاس ڈوب گیا۔ میں نے خود سے سوال کیا کہ اب، ایسی صورت میں کہ جہاز تباہ ہو چکا ہے، مجھے وہاں کیا کرنا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے جہاز کو دریا سے نکالنے کے سلسلے میں ابھی مجھے خاصا کام کرنا تھا۔ مجھے اگلے ہی دن مصروف ہونا پڑا۔ جہاز کے اجزا کو اڈے تک لانے اور پھر مرمت کرنے میں چند مہینے لگے۔

منیجر سے میری پہلی دوبدو ملاقات عجیب ثابت ہوئی۔ میں اس دن بیس میل پیدل چل چکا تھا مگر اس نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ رنگت، ناک نقشہ، آواز اور اطوار اتنے عام کہ اس جیسے لاکھوں اور مل جائیں۔ وہی نیلی نیلی آنکھیں، شاید غیر معمولی طور پر سرد؛ اور بلاشبہ وہ اس طرح نظر ڈال سکتا تھا جیسے کسی پر کٹیلا اور کاری کلھاڑا

www.urduchannel.in

چلا رہا ہو۔ لیکن ان موقعوں پر بھی اس کی باقی ماندہ شخصیت ایسے کسی قصد سے لاتعلق نظر آتی تھی۔ علاوہ ازیں صرف اس کے ہونٹوں پر ایک ناقابل وضاحت اور دبی دبی کیفیت پائی جاتی — کوئی در پردہ شے — مسکراہٹ — نہیں۔ مجھے وہ کیفیت یاد ہے لیکن اس کی شرح نہیں کر سکتا۔ وہ جو مسکراہٹ تھی، وہ غیر شعوری تھی، اگرچہ جب وہ بات پوری کر چکتا تو پل بھر کے لیے گہری ہو جاتی۔ بات ختم ہوتے ہی نمودار ہوتی جیسے الفاظ پر مہر ثبت کی جا رہی ہو، تاکہ عام ترین جملے بھی قطعی ناقابل فہم معلوم ہونے لگیں۔ وہ عام تاجر تھا جو جوانی کے زمانے سے ان علاقوں میں کام پر لگا ہوا تھا — اور کچھ نہیں۔ اس کے احکام کی تعمیل کی جاتی لیکن دلوں میں محبت اور خوف تو کجا اس کے لیے عزت کا جذبہ تک بیدار نہ ہوتا۔ وہ بے گلی لگا دیتا تھا۔ یہی بات تھی! بے گلی۔ پکی پکی بدگمانی نہیں، بس بے گلی — اور کچھ نہیں۔ تم تصور نہیں کر سکتے کہ ایسی... ایسی... استعداد کتنی موثر ثابت ہو سکتی ہے۔ انتظام کرنے، کوئی نیا قدم اٹھانے بلکہ سنگھڑا پے تک کی کوئی خداداد صلاحیت اس میں نہ تھی۔ یہ امر اڈے کی شرم ناک حالت سے عیاں تھا۔ اس کے پاس علم تھا نہ ذہانت۔ یہ عہدہ اسے مل گیا تھا۔ کیوں؟ شاید اس لیے کہ وہ کبھی بیمار نہ پڑتا تھا... تین تین سال کی تین مدتیں وہاں گزار چکا تھا... کیوں کہ قوائے جسمانی کی عام تہس نہس کے درمیان فتح مند صحت بذات خود ایک طرح کا اقتدار ہے۔ جب وہ چھٹی پر وطن جاتا تو بڑے پیمانے پر — طمطراق کے ساتھ — گل چھرے اڑاتا، جیسے کوئی ساحل رسیدہ ملاح — تھوڑا سا مختلف — وہ بھی صرف ظاہری طور پر۔ اتنا اندازہ اس کی سرسری گفتگو سے لگایا جا سکتا تھا۔ کوئی اختراع کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی، وہ بندھے ٹکے معمول کو جاری رکھ سکتا تھا؛ بس۔ مگر وہ عظیم تھا۔ اس چھوٹی سی بات کی وجہ سے عظیم کہ یہ بتانا ممکن نہ تھا کہ وہ شے کیا ہو سکتی ہے جو اس جیسے آدمی کو سادھے ہوئے ہے۔ اس نے یہ راز کبھی فاش نہ ہونے دیا۔ شاید اس کے اندر کچھ بھی نہ تھا۔ اس طرح کا وسوسہ دل میں آنے سے آدمی ٹھٹک کر رہ جاتا — کیوں کہ وہاں پر جانچ پرکھ کے کوئی ظاہری پیمانے نہ تھے۔ ایک دفعہ جب مختلف استوائی بیماریوں نے اڈے پر تقریباً ہر گماشتے کو چت کر دیا تو اسے یہ کہتے سنا گیا کہ ''یہاں جو آئیں ان کے انتڑیاں نہیں ہونی چاہئیں۔'' اس قول کو اپنی اسی مسکراہٹ سے مہر بند کیا، جیسے وہ مسکراہٹ کوئی دروازہ ہو اور ایسی ظلمت کی طرف کھلتا ہو جو اس کی تحویل میں تھی۔ گمان ہوتا کہ کچھ نظر آ گیا ہے لیکن مہر لگی رہتی۔ جب وہ کھانے کے وقت گوروں کے ''پہلے میں'' کے مستقل جھگڑوں سے تنگ آ گیا تو حکم دیا کہ بہت بڑی گول میز تیار کی جائے اور اس میز کے لیے الگ سے مکان بنانا پڑا۔ وہ اڈے کا طعام خانہ ٹھہرا۔ جس جگہ منیجر بیٹھ جاتا اسے صدر مقام سمجھا جاتا۔ باقی لوگوں کا کوئی مقام نہ تھا۔ محسوس ہوتا کہ اس بارے میں اسے جو یقین واثق ہے اس میں کسی اول بدل کی گنجائش نہیں۔ وہ با اخلاق تھا نہ بد اخلاق۔ خاموش طبع تھا۔ ساحلی علاقے کا ایک نوجوان حبشی، جسے ترمال خوب کھانے کو ملتا تھا، اس کا ''چھوکرا'' تھا۔ وہ منیجر کے آنکھوں دیکھتے گوروں کے ساتھ اشتعال دلانے والی بدتمیزی سے پیش آتا۔ منیجر اسے کچھ نہ کہتا۔

www.urduchannel.in

'فیجر نے مجھے دیکھتے ہی بولنا شروع کر دیا۔ میں نے آتے آتے بڑی دیر کر دی۔ وہ انتظار نہ کر سکا۔ اسے میرے بغیر سفر پر روانہ ہونا پڑا۔ دریا کے اوپر وارد واقع اڈوں کے عملے کی بدلی کرنی تھی۔ پہلے ہی اتنی دیر پر دیر ہو چکی تھی کہ اسے پتا نہ تھا کہ کون مرکھپ چکا ہے اور کون جیتا ہے اور ان کا کام کیسا چل رہا ہے — اور اسی طرح کی باتوں پر باتیں کرتا رہا۔ اس نے میری وضاحت پر کان نہ دھرا اور مہر لگانے کے کام آنے والی موی بتی سے کھیلتے ہوئے کئی بار دہرایا کہ حالت "انتہائی سنگین ہے، انتہائی سنگین۔" افواہیں تھیں کہ ایک بہت اہم اڈے کی سلامتی کے لالے پڑے ہوئے ہیں اور اڈے کا سربراہ، مسٹر کرنز، بیمار ہے۔ فیجر نے امید ظاہر کی کہ یہ اطلاع صحیح نہ تھی۔ مجھ پر اکتاہٹ اور چڑچڑاہٹ غالب آنے لگی۔ مسٹر کرنز کو دو پھانسی، میں نے سوچا، اور یہ کہہ کر فیجر کی بات کاٹ دی کہ مسٹر کرنز کا ذکر ساحل پر سن چکا ہوں۔ "اوہو! تو وہاں اس کا چرچا رہتا ہے؟" وہ بڑبڑا کر اپنے آپ سے کہنے لگا۔ پھر اس نے گفتگو دوبارہ شروع کی، مجھے یقین دلایا کہ مسٹر کرنز غیر معمولی شخص اور اس کا بہترین گماشتہ ہے اور کمپنی کے لیے عظیم ترین اہمیت کا حامل ہے، لہٰذا اس کی تشویش کی وجہ میری سمجھ میں آ جانی چاہیے۔ کہنے لگا کہ وہ "بے حد، بے حد بے کل" ہے۔ اس میں تو کلام نہیں کہ وہ کرسی پر بیٹھا بہت کسمسا رہا تھا۔ بولا "آہ، مسٹر کرنز" مہری بتی توڑ ڈالی اور اس حادثے کی وجہ سے حواس باختہ نظر آنے لگا۔ اگلی بات وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ "کتنا عرصہ لگے گا کہ..." میں نے دوبارہ اس کی بات کاٹ دی۔ پتا ہے، ایک تو میں بھوکا، دوسرے اس نے مجھے کھڑا رکھا۔ اس لیے میں آگ بگولا ہوا جا رہا تھا۔ "میں کیسے بتا سکتا ہوں!" میں نے کہا۔ "ابھی تو میں نے تباہ شدہ جہاز دیکھا تک نہیں — بلاشبہ چند مہینے لگیں گے۔" یہ ساری بات چیت مجھے سراسر فضول معلوم ہو رہی تھی۔ "چند ماہ" وہ بولا۔ "خیر، یوں کہہ لو کہ ہم تین ماہ بعد سفر کا آغاز کر سکیں گے۔ ہاں، اس کام کے لیے اتنا وقت کافی ہے۔" اس کے بارے میں جو رائے میں نے قائم کی تھی دل ہی دل میں وہ بڑبڑاتا ہوا میں اس کے جھونپڑے سے باہر جھپٹا (وہ ایک مٹیا جھونپڑے میں، جس کے ساتھ ایک طرح کا برآمدہ سا تھا، تن تنہا رہتا تھا)، بک بک کرنے والا الو ماخرا کہیں کا۔ بعد میں جب مجھ پر یہ چونکا دینے والا انکشاف ہوا کہ اس نے کس کمال صحت سے "کام" کے لیے درکار وقت کا اندازہ لگایا تھا تو میں نے اپنی رائے واپس لے لی۔

'میں اگلے دن، گویا اس اڈے سے منہ موڑ کر، کام میں جت گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ ان حقائق پر، جو زندگی کو عذاب نہیں بننے دیتے، اپنی گرفت قائم رکھنے کا اور کوئی طریقہ میرے سامنے نہیں۔ پھر بھی، کبھی کبھار دائیں بائیں دیکھنا ہی پڑتا ہے؛ اور تب میں نے اس اڈے کو، ان آدمیوں کو دیکھا جو احاطے میں پھیلی دھوپ میں بغیر کسی مقصد کے ٹہلتے رہتے تھے۔ میں نے بعض اوقات اپنے آپ سے پوچھا کہ آخر یہ سب کچھ کیا ہے؟ وہ لوگ ہاتھ میں لمبے لمبے اُول جلول لٹھ لیے اِدھر اُدھر گھومتے رہتے تھے جیسے بہت سے بے اعتقاد زائر ایک گلی سڑی باڑ میں افسوں زدہ ہوں۔ "ہاتھی دانت" کا لفظ ہوا میں گونجتا رہتا، زیر لب اور آہ بھر کر ادا کیا جاتا۔ آدمی سوچتا کہ شاید

www.urduchannel.in

وہ ہاتھی دانت کی عبادت کر رہے ہیں۔ ان تمام باتوں میں اِدھر سے اُدھر تک ابلہانہ چھینا جھپٹی کی سڑن اُڑ اُڑ کر پھیل رہی تھی، جیسے کسی لاش سے آنے والی ہلکی ہلکی بو۔ قسم خدا کی! اس سے زیادہ غیر حقیقی کوئی بات میں نے زندگی بھر نہیں دیکھی۔ اور باہر وہ ویرانہ، جو روے زمین پر جھاڑ پیڑ کاٹ کر صاف کی گئی اس ذرہ بھر جگہ کو گھیرے ہوے تھا، مجھے کوئی عظیم اور نا قابلِ شکست شے معلوم ہوا، جیسے شر یا حق، جو صبر کے ساتھ اس عجیب وغریب دراندازی کے خاتمے کی منتظر ہو۔

'اوہ، وہ مہینے! خیر، چلو چھوڑو۔ طرح طرح کے واقعات پیش آتے رہے۔ ایک شام کالیکو، چھینٹ، پوتھوں اور جانے کن کن چیزوں سے بھرا ہوا گھاس پھوس کا بنا ایک چھپر یوں آناً فاناً دھڑ دھڑ جلنے لگا کہ دیکھنے والا یہی سمجھتا کہ شاید اس سارے آڑ کباڑ کو جلانے کے لیے زمین نے انتقامی آگ اگلی ہے۔ میں اپنے اُدھڑے ہوے دخانی کے پاس بیٹھا آرام سے پائپ پی رہا تھا اور میں نے انھیں آگ کی روشنی میں، بازو اوپر اٹھا اٹھا کر، بکر کود کرتے دیکھا؛ اتنے میں وہ مونچھوں والا مسٹنڈا، ہاتھ میں ٹین کی بالٹی لیے، دریا کی طرف سرپٹ دوڑتا آیا، مجھے یقین دلایا کہ ہر کسی کا رویہ "کمال کا ہے، کمال کا،" آدھ سیر سے کچھ ہی زیادہ پانی بھرا اور پھر واپس بھاگا چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی بالٹی کے پیندے میں چھید تھا۔

'میں ٹہلتا ٹہلتا وہاں پہنچا۔ جلدی تو کوئی تھی نہیں۔ دیکھو نا، وہ چھپر اس طرح جل گیا جیسے ماچس کی ڈبیا ہو۔ آگ لگتے ہی پتا چل گیا تھا کہ بچاؤ کی کوئی امید نہیں۔ شعلے بہت اوپر تک گئے، انھوں نے سب کو پیچھے دھکیل کر ہر طرف چاندنا کر دیا — اور پھر نیچے آ رہے۔ چھپر لال لال دہکتے انگاروں کا ڈھیر بن بھی چکا تھا۔ پاس ہی ایک حبشی کی ٹھکائی ہو رہی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ آگ کسی نہ کسی طرح اسی کی وجہ سے لگی تھی؛ جو بھی سہی، وہ نہایت بھیانک انداز میں چیخ چلا رہا تھا۔ بعد ازاں میں نے کئی دن تک اسے ذرا سی چھاؤں میں بیٹھے دیکھا جہاں وہ بہت بیمار اور خود کو روبصحت کرنے کے لیے کوشاں نظر آتا تھا۔ آخرش وہ اٹھا اور وہاں سے رخصت ہو گیا — اور ویرانے نے کسی آہٹ کے بغیر اسے دوبارہ اپنی آغوش میں لے لیا۔ جب میں اندھیرے سے نکل کر اس دہک کے قریب پہنچا تو خود کو دو آدمیوں کے پیچھے پایا جو محوِ گفتگو تھے۔ میں نے کرٹز کا نام ادا ہوتے سنا، اور پھر یہ الفاظ: "اس افسوس ناک حادثے سے فائدہ اٹھاؤ۔" ان میں سے ایک منیجر تھا۔ میں نے اسے شام بخیر کہا۔ "ایسا کوئی واقعہ کبھی دیکھا، ہیں؟ یقین میں آنے والی بات نہیں ہے یہ،" اس نے کہا اور چلتا ہوا۔ دوسرا آدمی کھڑا رہا۔ وہ درجہ اول کا گماشتہ تھا، نوجوان، شریف طبع، ذرا کم آمیز، چھوٹی سی دو شاخہ داڑھی اور مڑی ہوئی ناک۔ وہ دوسرے گماشتوں کے ساتھ رکھائی سے پیش آتا تھا اور ان کی طرف سے یہ بات سننے میں آئی تھی کہ وہ منیجر کے لیے مخبری کرتا ہے۔ میرا یہ ہے کہ اس سے قبل میں نے اس شخص سے کبھی بمشکل ہی بات کی تھی۔ ہم باتیں کرنے لگے اور ٹہلتے ہوے تھوڑی دیر میں سنسناتی تباہی سے دور نکل گئے۔ پھر اس نے مجھے اپنے کمرے میں چلنے کی دعوت دی جو اڈے کی صدر عمارت

www.urduchannel.in

میں واقع تھا۔ اس نے دیا سلائی جلائی اور مجھے پتا چلا کہ اس جواں سال اشراف کے پاس نہ صرف ایک عدد سیم اندود سگاردان ہے بلکہ صرف ذاتی استعمال کے لیے پوری موم بتی بھی موجود ہے۔ اس وقت سمجھا جاتا تھا کہ موم بتیاں رکھنے کا حق صرف منیجر کو حاصل ہے۔ مٹی کی دیواروں پر دیسی چٹائیاں منڈھی تھیں؛ نیزوں، زغایوں، ڈھالوں اور چاقوؤں کا اک مجموعہ ٹرافیوں کی شکل میں آویزاں تھا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ اس شخص کے ذمے اینٹیں بنانے کا کام تھا لیکن اڈے میں کہیں اینٹ کا کتل تک نظر نہ آتا تھا اور اسے وہاں — انتظار کرتے کرتے — ایک سال سے زیادہ ہو گیا تھا۔ لگتا تھا کہ اینٹیں تیار کرنے کے لیے اسے کسی چیز کی ضرورت تھی، مجھے پتا نہیں کس چیز کی — شاید بھوسے کی۔ بہر کیف، وہ چیز وہاں دستیاب نہ ہو سکتی تھی اور چوں کہ یورپ سے اس کے بھجوائے جانے کا امکان نہ تھا اس لیے میں ٹھیک طرح سمجھ نہ سکا کہ اسے انتظار کس کا تھا۔ غالباً خدا کی طرف سے تخلیق کے کسی خصوصی عمل کا۔ بہر صورت، وہ سب لوگ — جو سولہ یا بیس زائر وہاں پہ تھے — کسی چیز کے منتظر تھے؛ اور ایمان کی کہتا ہوں، جس طرح وہ منتظر تھے اس کے پیش نظر ان کی یہ مصروفیت کوئی بے لطف شے معلوم نہ ہوتی تھی، اگرچہ — جہاں تک میں دیکھ سکا — ان تک آنے والی واحد شے بیماری تھی۔ وہ احتقانہ طریقے سے ایک دوسرے کے خلاف سازشیں اور غیبت کر کے وقت گزارتے تھے۔ اس اڈے پر ساز باز کی فضا طاری تھی مگر، ظاہر ہے، نتیجہ کچھ نہ نکلتا تھا۔ ہر چیز کی طرح — اس سارے کاروبار کے انسان دوستانہ ڈھکوسلے، ان کی بات چیت، ان کی حکومت، ان کی کارگزاری کے ڈھونگ کی طرح — ساز باز کی وہ فضا بھی غیر حقیقی تھی۔ واحد حقیقی جذبہ یہ تمنا تھی کہ کسی ایسی چوکی پر تقرر ہو جائے جہاں ہاتھی دانت مل جاتا ہوتا کہ فی صد کے حساب سے کمیشن کما سکیں۔ صرف یہی وہ سبب تھا جو انھیں سازشیں کرنے، ایک دوسرے سے گھن کھانے اور تہمتیں لگانے پر اکساتا رہتا تھا۔ مگر یہ کہ موٹر طور پر کچھ کرنے کے لیے چٹکی ہی بلا دیں — ارے نہیں۔ آسمان کی قسم! کوئی چیز اس دنیا میں ایسی ضرور ہے جو ایک آدمی کو تو گھوڑا چرا لینے دیتی ہے اور ساتھ ہی اس پر ہرگز راضی نہیں کہ کوئی دوسرا آدمی باگ ڈور کو نظر بھر کر ہی دیکھ لے۔ گھوڑا صاف چرا لینے دیتی ہے۔ بہت خوب۔ اس آدمی نے گھوڑا چرا لیا۔ شاید اس پر سواری بھی کر سکے۔ لیکن باگ ڈور کی طرف دیکھنے کا ایک انداز ایسا ہے جس سے سخی ترین ولی کامل بھی اشتعال میں آ کر لات رسید کرنے پر اتر آئے گا۔

'مجھے اصلاً خبر نہ تھی کہ وہ شخص ملنسار کیوں ہونا چاہتا ہے لیکن جب ہم وہاں کمرے میں باتیں کر رہے تھے تو مجھے یکا یک خیال آیا کہ وہ کسی بات کی ٹوہ لینے کی فکر میں ہے — اصل میں مجھ سے کچھ اگلوانا چاہتا ہے۔ وہ اشاروں کنایوں میں مسلسل یورپ کا اور ان لوگوں کا ذکر کرتا رہا جن کے بارے میں خیال تھا کہ میں انھیں جانتا ہوں — اُس مزار آسا شہر میں میرے واقف کاروں کے حوالے سے ایسی باتیں پوچھتا رہا جن کے جواب سے مطلوبہ معلومات حاصل ہو جائے، وغیرہم۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں، تجسس کے مارے، ابرق کے قرصوں کی

www.urduchannel.in

طرح چمک رہی تھیں، گو وہ تھوڑی تھوڑی نخوت آمیزی جتانے کے لیے بھی کوشاں رہا۔ پہلے میں حیران ہوا لیکن بہت جلد بے حد متجسس ہو گیا کہ دیکھوں تو وہ مجھ سے کیا معلوم کرے گا۔ میرے فہم میں بالکل نہ آتا تھا کہ مجھ میں آخر ایسی کون سی بات ہے جس کے لیے وہ اتنا تردد کر رہا ہے۔ اسے اپنے ہاتھوں آپ مات کھاتے دیکھ کر بڑا مزہ آیا کیوں کہ حقیقت یہ ہے کہ میرے تن بدن کو صرف جاڑا چڑھا ہوا تھا اور دماغ میں اس کم بخت دخانی کے چکر کے سوا کچھ نہ تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ اس نے مجھے بالکل بے شرم حیلہ باز سمجھا۔ آخر اسے تاؤ آ گیا اور طیش آلود چڑچڑاہٹ سے بھری کلبل پر پردہ ڈالنے کے لیے جمائی لینے لگا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر مجھے ایک گتے پر روغنی رنگوں سے بنا ہوا چھوٹا سا خاکہ نظر آ گیا جس میں ایک عورت کپڑوں میں لپٹی لپٹائی دکھائی گئی تھی۔ آنکھوں پر پٹی بندھی تھی اور ہاتھ میں جلتی مشعل اٹھا رکھی تھی۔ پس منظر اندھیرا — قریب قریب کالا — تھا۔ عورت کا انداز خرام شاہانہ اور چہرے پر مشعل کی روشنی پڑنے سے پیدا ہونے والا تاثر خوشنما نہ تھا۔

'تصویر نے مجھے روک لیا اور وہ (طبی آسائشوں کی مد میں ملنے والی) شیمپین کی نصف پائنٹ کی بوتل اٹھائے، جس میں موم بتی لگی ہوئی تھی، شائستگی سے پاس کھڑا رہا۔ میرے سوال کے جواب میں اس نے کہا کہ یہ تصویر مسٹر کرنز نے — اسی اڈے پر، ایک سال سے بھی زیادہ پہلے — اُس وقت بنائی تھی جب وہ اپنی تجارتی چوکی تک جانے کے ذرائع کا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے کہا: 'براہ کرم، مجھے بتائیے کہ یہ مسٹر کرنز ہیں کون؟''

''اندرونی اڈے کے سربراہ،'' اس نے منہ موڑ کر مختصر انداز میں جواب دیا۔ ''بہت ممنون ہوں،'' میں نے ہنستے ہوئے کہا، ''اور آپ مرکزی اڈے کے خشت ساز ہیں۔ یہ تو ہر شخص کو معلوم ہے۔'' وہ کچھ دیر خاموش رہا۔ ''وہ نادرۂ روزگار ہستی ہے،'' آخر وہ بولا۔ ''وہ رحم دلی اور سائنس اور ترقی اور شیطان جانے اور کس کس چیز کا پیامبر ہے۔'' اس نے یکا یک تقریر شروع کر دی۔ ''یورپ نے جو مقصدِ وحید ہمارے ذمے لگایا ہے اس کے سلسلے میں رہنمائی کے لیے، ایک طرح سے، ہمیں اعلیٰ تر فراست، وسیع ہمدردیوں، ارادے کی یکسوئی کی ضرورت ہے۔'' ''یہ کون کہتا ہے؟'' میں نے دریافت کیا۔ ''ان میں سے بہت سے،'' اس نے جواب دیا۔ ''بعض نے یہ لکھا بھی ہے؛ اور یوں یہ صاحب، ایک خاص ہستی، یہاں تشریف لاتے ہیں، جیسا کہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔'' ''مجھے کیوں معلوم ہونا چاہیے؟'' میں نے سچ مچ حیران ہو کر اس کی بات کاٹ دی۔ اس نے کوئی پروانہ کی۔ ''ہاں۔ آج وہ سب سے اچھے اڈے کا سربراہ ہے، اگلے سال نائب منیجر بن جائے گا، دو سال اور گزر لیں تو... لیکن کیا عجب آپ کو معلوم ہی ہو کہ وہ دو سال کے عرصے میں کیا بن چکا ہوگا۔ آپ کا تعلق نئے ٹولے سے ہے۔ حسن عمل پر یقین رکھنے والے ٹولے سے۔ جن لوگوں نے کرنز کو خاص طور پر یہاں بھیجا انھیں نے آپ کی سفارش بھی کی ہے۔ اجی انکار نہ کیجیے۔ میری آنکھیں دھوکا نہیں کھاتیں۔'' مجھ پر حقیقت حال روشن ہو گئی۔ میری پیاری چچی کے بارسوخ شناساؤں کی وجہ سے اس نوجوان پر غیر متوقع اثر مرتب ہو رہا تھا۔ میں قہقہہ مارتے مارتے رہ گیا۔ ''کیا تم کمپنی کی

www.urduchannel.in

رازدارانہ خط وکتابت پڑھتے رہتے ہو؟'' میں نے پوچھا۔ وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ بڑا لطف آیا۔ میں نے سختی سے بات کرتے ہوئے مزید کہا، ''جب مسٹر کرٹز جنرل منیجر ہو جائیں گے تو تمھیں ایسی حرکت کا موقع نہیں ملے گا۔''

'اس نے یکایک پھونک مار کر موم بتی بجھا دی اور ہم باہر آ گئے۔ چاند نکل آیا تھا، کالی کالی صورتیں، ڈھیلے ڈھالے انداز میں چلتی پھرتی، دہک پر پانی انڈیلنے میں مصروف تھیں جس کی وجہ سے سنسناہٹ سنائی دے رہی تھی۔ چاندنی میں بھاپ اٹھ اٹھ کر اوپر جا رہی تھی۔ جس حبشی کو مار پڑی تھی وہ کہیں پہ کراہ رہا تھا۔ ''کتنا شور مچاتا ہے یہ جانگلو!'' مونچھوں والے اتھک آدمی نے ہمارے قریب نمودار ہو کر کہا۔ ''اس کے ساتھ جو ہوا ٹھیک ہوا۔ نافرمانی — سزا — ٹھائیں! رحم نہ ہو، رحم نہ ہو۔ بس یہی ایک طریقہ ہے۔ اس سے آئندہ تمام آتش زدگیوں کا تدارک ہو جائے گا۔ میں ابھی منیجر کو بتا رہا تھا...'' اس کی نظر میرے ساتھی پر پڑ گئی اور فوراً ہی بغلیں جھانکنے لگا۔ ''ابھی سوئے نہیں،'' اس نے ایک طرح کی چاپلوسانہ زندہ دلی سے کہا۔ ''اتنی فطری ہے یہ بات۔ اوہو! خطرہ — ہلبلاہٹ۔'' وہ غائب ہو گیا۔ میں دریا کی طرف چلتا گیا اور دوسرا میرے پیچھے پیچھے آیا۔ میں نے کان میں ایک تضحیک آمیز بڑبڑاہٹ سنی۔ ''نکّے گز کا گھامڑ، بہت تیری!'' زائر، چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں کچھ کچھ کھڑے، ہاتھ نچا نچا کر بات چیت کرتے نظر آ رہے تھے۔ بعض نے اب تک ہاتھ میں لٹھا اٹھا رکھے تھے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ یہ لٹھ وہ ساتھ لے کر سویا کرتے تھے۔ باڑ سے پرے، چاندنی میں جنگل آسیبی انداز میں کھڑا تھا اور اس سرزمین کی خاموشی — اس کا اسرار، اس کی عظمت، اس کی پنہاں زندگی کی حیرت ناک حقیقت — مٹی مٹی ہلچل اور ناگفتہ بہ احاطے کی مدھم آوازوں کو چیرتی ہوئی دل کی گہرائیوں میں اترتی جاتی تھی۔ گھائل کلوا کہیں نزدیک ہی ناتواں انداز میں کراہ رہا تھا، اور پھر اس نے ایسی گہری آہ کھینچی کہ مجھے قدموں کا رخ دوسری طرف موڑنا پڑا۔ میں نے اپنے بازو کے نیچے ایک ہاتھ آتا محسوس کیا۔ ''عزیز محترم،'' اس شخص نے کہا، ''میں نہیں چاہتا کہ میری بات کا غلط مطلب لیا جائے اور خاص طور پر آپ کوئی غلط مطلب لیں، کہ مسٹر کرٹز سے آپ کی ملاقات مجھ سے بہت پہلے ہو جائے گی۔ مجھے ان سے ملنے کی راحت تو پتا نہیں کب نصیب ہوگی۔ میں پسند نہیں کروں گا کہ وہ میری افتادِ طبع کے بارے میں کوئی غلط تصور قائم کر لیں...''

'میں نے اسے، کئی کے بنے ہوئے اس میفسٹوفیلیس (۸) کو، بولنے دیا اور مجھے ایسا لگا کہ اگر اپنی انگشت شہادت گڑو کر دیکھوں تو اس کے آر پار ہو جائے اور شاید، تھوڑی سی بھربھری مٹی کے سوا اس کے اندر میرے ہاتھ کچھ بھی نہ آئے۔ سمجھے نہیں، وہ موجودہ منیجر کے ماتحت شدہ شدہ نائب منیجر بن جانے کے منصوبے باندھ رہا تھا اور میں دیکھ سکتا تھا کہ کرٹز کے آجانے سے وہ دونوں خاصے سٹپٹائے ہوئے ہیں۔ وہ بے تحاشا بولتا رہا اور میں نے اسے بولنے سے باز رکھنے کی کوشش نہ کی۔ میں اپنے دخانی کے شکستہ پنجر سے کندھے ٹیکے کھڑا تھا جسے کسی بڑے

(۸) ابلیس کا ایک نام۔

www.urduchannel.in

دریائی جانور کی لوتھ کی طرح گھسیٹ کر ڈھلواں کنارے پر لایا گیا تھا۔ میرے نتھنوں میں، خدا کی قسم، ازلی کیچڑ کی بدبو اور آنکھوں کے سامنے ازلی جنگل کا زبردست سکوت تھا؛ کالی کھاڑی پر چمکیلے دھبے تھے۔ چاند نے ہر شے پر چاندی کی مہین سی تہہ چڑھا دی تھی — گھنی گھاس پر، کیچڑ پر، گتھواں نباتات کی دیوار پر جو کسی مندر کی دیوار سے بھی اونچی تھی اور بڑے دریا پر، جسے میں ایک اندھیرے شگاف میں سے جگمگ جگمگ کرتے دیکھ سکتا تھا؛ وہ میرے قریب ہی اپنے چوڑے پاٹ پر کسی آہٹ کے بغیر بہے جا رہا تھا۔ یہ سب کچھ عظیم، مترصد، گنگ تھا جب کہ وہ شخص اپنے بارے میں بک بک کیے جا رہا تھا۔ میں حیرت زدہ ہو کر سوچتا رہا کہ ہم دونوں کو تکنے والی بے کرانی کے چہرے کی خاموشی کو التجا سمجھا جائے یا ڈراوا۔ ہم کیا تھے جو یہاں آ بھٹکے تھے؟ کیا ہم اس گونگی شے سے کام لے سکتے تھے یا وہ ہمیں اپنے مصرف میں لانے والی تھی؟ مجھے محسوس ہوا کہ وہ شے، جو بول نہ سکتی تھی اور شاید بہری بھی تھی، کتنی بڑی، کتنی ناہنجار حد تک بڑی تھی۔ اس کے اندر کیا تھا؟ میں اندر سے تھوڑا بہت ہاتھی دانت آتا دیکھتا تھا اور میرے سننے میں آیا تھا کہ مسٹر کرنز وہاں ہے۔ میں اس بارے میں بھی بہت کچھ سن چکا تھا — خدا جانتا ہے؛ اس کے باوجود نہ جانے کیوں ان باتوں کو سن کر کوئی تصویر سامنے نہ آتی تھی۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں جیسے مجھے بتایا گیا ہو کہ وہاں اندرون ملک کوئی فرشتہ یا بد بلا آباد ہے۔ مجھے اس پر اس طرح یقین تھا جیسے شاید تم میں سے کسی کو یہ یقین ہو کہ مریخ سیارے پر آبادی ہے۔ کسی زمانے میں میری ایک اسکاچ باد بان ساز سے واقفیت تھی۔ اسے یقین تھا، اور یقین بھی پکا، کہ مریخ پر لوگ آباد ہیں۔ اگر کوئی پوچھتا کہ کچھ پتا تو چلے ان کی شکل صورت کیسی ہے اور اطوار کیا ہیں تو وہ شرما جاتا اور ''چار ہاتھ پاؤں پر چلنے'' کے بارے میں زیر لب کچھ کہنے لگتا۔ اگر کوئی ذرا مسکرا بھی دیتا تو وہ — اگرچہ ساٹھ برس کا تھا — لڑنے پر اُتر آتا۔ میں اس حد تک تو نہ جا سکتا تھا کہ کرنز کے لیے لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتا مگر اس کی خاطر دروغ گوئی کے خاصے قریب پہنچ گیا۔ تمھیں پتا ہے مجھے جھوٹ سے نفرت ہے، گھن آتی ہے، اس کی تاب نہیں لا سکتا؛ وجہ یہ نہیں کہ میں باقی سب سے کھرا ہوں بلکہ معاملہ صرف اتنا ہے کہ جھوٹ سے مجھے ہول اٹھنے لگتا ہے۔ جھوٹی باتوں میں فنا پذیری کا ایسا ذائقہ ہوتا ہے، موت کی ایسی سڑن پائی جاتی ہے — اور یہی وہ چیز ہے جسے میں دنیا میں نفرت اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہوں — جسے بھول جانا چاہتا ہوں۔ میرے خیال میں مزاج کی بات ہے۔ خیر، اس نوجوان کو یورپ میں اپنے رسوخ کے بارے میں جو جی چاہے فرض کر لینے اور پھر اس پر یقین لے آنے کی اجازت دے کر میں جھوٹ بولنے کے خاصے قریب پہنچ گیا۔ آپ بھی پل بھر میں ویسا ہی ڈھونگ بن گیا جیسا کہ باقی سحر زدہ زائرین تھے۔ یہ محض اس لیے کہ میرا خیال تھا کہ اس حرکت سے شاید کسی طرح کرنز کا بھلا ہو سکے جسے میں نے اس وقت تک دیکھا نہ تھا — سمجھے۔ میرے لیے وہ محض ایک لفظ تھا۔ نام کی مدد سے اس آدمی کو جتنا تم سمجھ سکتے ہو میں بھی اس سے زیادہ کیا سمجھ پاتا۔ کیا وہ تمھاری سمجھ میں آ رہا ہے؟ کہانی تمھاری سمجھ میں آ رہی ہے؟ تم کوئی بات سمجھ رہے ہو؟ مجھے تو یوں دکھائی دیتا ہے کہ تمھیں کوئی خواب سنانے کی

www.urduchannel.in

کوشش کر رہا ہوں — ناکام کوشش کر رہا ہوں کیوں کہ خواب کا کوئی بیان اس خوابی احساس کو، کشاکش آمیز بغاوت کی کسی لرزش میں یکجان ہوتی ہوئی بے سروپائی اور حیرت اور سراسیمگی کو، کسی ناقابلِ یقین کیفیت کے چنگل میں ہونے کے تصور کو، جو خوابوں کا اصلی جوہر ہے، دوسروں تک نہیں پہنچا سکتا۔'

وہ ذرا دیر خاموش رہا۔

'نہیں، یہ ناممکن ہے؛ اپنی زندگی کے کسی خاص عہد میں زیست کرنے کے احساس کو — اس چیز کو جو زندگی کی سچائی اور معنویت کو، اس کے لطیف اور سرایت کناں جوہر کو، جنم دیتی ہے — دوسروں تک پہنچانا ناممکن ہے۔ ناممکنات میں سے ہے۔ ہم زندگی کرتے ہیں، جیسے ہم خواب دیکھتے ہیں۔ تن تنہا۔'

وہ دوبارہ رُکا جیسے غور کر رہا ہو، پھر مزید کہا:

'ظاہر ہے جتنا کچھ اس وقت میری سمجھ میں آیا تھا تم لوگ اس سے زیادہ ہی سمجھ رہے ہو۔ تم مجھے دیکھ رہے ہو، جسے تم جانتے ہو۔'

وہاں ایسا گھپ اندھیرا چھا چکا تھا کہ ہم سننے والے ایک دوسرے کو بمشکل دیکھ سکتے تھے۔ مارلو، ایک طرف بیٹھا ہوا، پہلے ہی خاصی دیر سے ہمارے لیے ایک آواز سے زیادہ نہ تھا۔ کسی نے ایک لفظ تک نہ کہا۔ دوسرے شاید سوئے پڑے ہوں مگر میں بیدار تھا۔ میں اس لفظ، اس جملے کی تاک لگائے سنتا رہا، سنتا رہا جس سے اس خفیف بے چینی کا اتا پتا مل سکے جو اس روداد نے، جو دریا کی بوجھل رینی ہوا میں بظاہر انسانی ہونٹوں کے بغیر تشکیل پا رہی تھی، مجھ پر طاری کر دی تھی۔

مارلو نے دوبارہ گفتگو کا آغاز کیا:

'ہاں، وہ بولے چلا گیا۔ میں نے اسے ٹوکا نہیں اور ان طاقتوں کے حوالے سے جو میری پشت پناہی کر رہی تھیں، وہی سوچنے دیا جو اس کا جی چاہا۔ میں نے یہی کیا! اور میری پشت پر کوئی بھی نہ تھا! اس واہیات، پرانے، نُچے کھچے دخانی کے سوا، جس سے میں نے ٹیک لگا رکھی تھی، کچھ بھی نہ تھا، اور وہ تھا کہ بڑی روانی سے "ہر آدمی کے ترقی کرنے کی ضرورت" کے بارے میں بولے جا رہا تھا۔ "اور جب کوئی شخص یہاں آتا ہے تو آپ سوچیے، چاند دیکھنے کی غرض سے تو آتا نہیں۔" مسٹر کرنز آفاقی نابغہ سہی لیکن کسی نابلے کو بھی "موزوں آلہ ہائے کار — ذہین افراد —" کے ساتھ کام کرنا آسان معلوم ہوگا۔ وہ اینٹیں نہیں بناتا تھا — بھئی، راہ میں ایسی مادّی رکاوٹ حائل تھی جس پر قابو پانا محال تھا — جیسا کہ مجھے بخوبی علم تھا؛ اور منیجر کے لیے معتمد کے فرائض وہ صرف اس لیے انجام دیتا تھا کہ "کوئی سمجھدار آدمی اپنے سے بڑوں کے اعتماد کو ناحق ٹھکرایا نہیں کرتا۔" یہ بات میری سمجھ میں آئی؟ آ گئی۔ مجھے اور کیا چاہیے؟ مجھے اصل میں، عرش کی قسم، رپٹوں کی ضرورت تھی۔ رپٹ۔ تاکہ کام جاری رہے۔ دخانی کے سوراخ بند ہو سکیں۔ مجھے رپٹ درکار تھے۔ ساحل پر پیٹیوں کی پیٹیاں ان سے بھری پڑی تھیں۔ پیٹیاں —

www.urduchannel.in

ڈھیروں — پھٹی ہوئی — چاک چاک — اس پہاڑی کے پہلو پر بنے ہوئے اڈے کے احاطے میں ہر دوسرے قدم پر کسی نہ کسی گرے پڑے ریپٹ کو ٹھوکر مار کر پرے کرنا پڑتا تھا۔ ریپٹ لڑھک لڑھک کر موت کے جھنڈ میں جا گرے تھے۔ جھکنے کی زحمت اٹھا کر ریپٹوں سے جیبیں بھری جا سکتی تھیں — اور جہاں ضرورت تھی وہاں ایک بھی ریپٹ نہ تھا۔ ہمارے پاس ایسی دھاتی چادریں تھیں جن سے کام چل جاتا لیکن انھیں جوڑنے کے لیے کوئی چیز نہ تھی اور ہر ہفتے ہرکارہ، ایک تنہا حبشی، ہاتھ میں لاٹھی لیے، کندھے پر ڈاک کا تھیلا ڈالے، ہمارے اڈے سے ساحل کی طرف روانہ ہوتا تھا اور ہفتے میں کئی بار کوئی نہ کوئی ساحلی کارواں تجارتی سامان لے کر ہمارے پاس آتا — چمچم کرتا بھیانک کالیکو جسے صرف دیکھنے سے لرزہ طاری ہو جاتا تھا، کوئی دو پیسے سیر والے کانچ کے دانے، بندکیوں والے واہی تباہی سوتی رومال — اور ریپٹ ندارد۔ تین حمال وہ سارا سامان اٹھا کر لا سکتے تھے جو دخانی کو تیرنے جوگا بنانے کے لیے ضروری تھا۔

'اب وہ رازدارانہ گفتگو پر اتر آیا تھا، مگر میرا خیال ہے کہ آخر کار میرے غیر ہمدردانہ رویے سے ضرور کھیج گیا ہو گا کیوں کہ اس نے مجھے یہ جتانا ضروری سمجھا کہ وہ نہ تو خدا سے ڈرتا ہے نہ شیطان سے، کسی اٹمک ڈھمک کا تو ذکر ہی کیا۔ میں نے کہا کہ یہ تو میں خوب سمجھ سکتا ہوں لیکن مجھے جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہے ریپٹ، ریپٹوں کی ایک معین تعداد کی — اور ریپٹوں ہی کی دراصل مسٹر کرٹز کو ضرورت تھی اگر اسے ساری بات کا علم ہوتا۔ اب ہر ہفتے خط ساحل بھجوائے جاتے تھے... ''عزیز محترم،'' وہ زور سے بول اٹھا، ''میں تو وہی لکھتا ہوں جو لکھوایا جاتا ہے۔'' میں نے ریپٹوں کا تقاضا کیا۔ کام نکالنے کا، ذہین آدمی کے پاس، ایک طریقہ ہوتا ہے۔ اس شخص نے اپنا انداز بدل لیا؛ بہت بے رخی ظاہر کرتے ہوئے اچانک ایک دریائی گھوڑے کا ذکر چھیڑ دیا؛ اس پر حیرانی ظاہر کی کہ دخانی پر سونے سے (میں دن رات اپنے شکستہ دخانی سے چمٹا رہتا تھا) میری نیند میں ہرج نہیں پڑتا۔ وہاں پہ ایک بوڑھا دریائی گھوڑا تھا جسے رات کو کنارے پر آ کر اڈے کی زمینوں پر گھومنے پھرنے کی مذموم عادت تھی۔ زائرین گروہ بنا کر نکلتے تھے اور جو رائفل بھی ہاتھ آ جاتی تھی اس پر خالی کر دیتے تھے۔ بعض تو رات رات بھر اس کی تاک میں بیٹھے رہے تھے۔ یہ تمام سرگرمی، خیر سے، بے کار گئی تھی۔ ''وہ جانور جادو کے زور سے زندہ ہے،'' اس نے کہا۔ ''لیکن اس دیس میں یہ بات صرف بہائم کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ کوئی آدمی یہاں — آپ میری بات سمجھے — کوئی آدمی جادو کے زور سے زندہ نہیں رہ سکتا۔'' وہ پل بھر، اپنی نازک مڑی ہوئی ناک ذرا چڑھائے، چاندنی میں کھڑا رہا اور اس کی ابرقی آنکھیں جھپکے بغیر چمکتی رہیں؛ پھر روکھے انداز میں کھڑک سے شب بخیر کہہ کر چلتا بنا۔ مجھے نظر آ رہا تھا کہ وہ پریشان ہے اور خاصا چکرا گیا ہے اور اس وجہ سے میں نے خود کو جتنا پُرامید محسوس کیا اتنا کئی دن سے نہ کیا تھا۔ اس شخص کے بعد اپنے بااثر یار، یعنی ٹوٹے پھوٹے، مڑے تڑے، تباہ حال، بھٹیچر دخانی کی طرف متوجہ ہونا بڑی تسکین کا باعث تھا۔ میں چار ہاتھ پاؤں ٹیکتا اس پر چڑھا۔ میرے قدموں تلے اس سے ایسی کھنک برآمد ہوئی جیسے ہنٹلے اینڈ پامر

www.urduchannel.in

والے بسکٹوں کے ٹین کے خالی ڈبے کو ٹھوکر مار کر کسی بدرو میں لڑھکایا جا رہا ہو؛ وہ بناوٹ کے اعتبار سے ان ڈبوں جتنا ٹھوس نہ تھا، اور دیکھنے میں بھی کچھ کم رُوہی لگتا تھا، مگر میں اس پر اتنی محنت شاقہ کر چکا تھا کہ مجھے اس سے پیار ہو گیا تھا۔ کوئی با اثر دوست بھی اس سے بہتر طور پر میرے کام نہ آتا۔ اس جہاز نے مجھے ذرا سر اٹھانے کا — یہ پتا چلانے کا موقع دیا تھا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ نہیں، مجھے کام کاج پسند نہیں۔ بس چلے تو آرام سے پڑے پڑے بس ان تمام اچھے اچھے کاموں کے بارے میں سوچتا رہوں جنھیں کرنا ممکن ہے۔ مجھے کام کرنا اچھا نہیں لگتا — اچھا کیے لگتا ہے — لیکن کام کرنے میں جو نکتہ ہے — یعنی خود کو پالینے کا موقع — وہ مجھے پسند ہے۔ خود اپنی حقیقت کو — دوسروں کے لیے نہیں اپنے لیے — جان لینا، جسے کوئی اور کبھی جان ہی نہیں سکتا۔ دوسرے صرف اسے دیکھتے ہیں جو زاد کھاوا ہے، اور کبھی نہیں بتا سکتے کہ اصل میں اس سے مراد کیا ہے۔

'یہ دیکھ کر مجھے تعجب نہ ہوا کہ عرشے پر، پچھلی طرف، کوئی آدمی ٹانگیں کیچڑ پر لٹکائے بیٹھا ہے۔ بھئی دیکھو، میں نے وہاں اڈے میں رہنے والے چند مستریوں سے ذرا یارانہ گانٹھ لیا تھا جنھیں دوسرے زائر فطری طور پر — میرا خیال ہے ان کے ناقص اطوار کے پیش نظر — ذلیل گردانتے تھے۔ وہ آدمی فورمین تھا — بوائلر سازی اس کا پیشہ تھا — اچھا کاریگر تھا۔ لمبا، دُبلا، ہڈیلا، زرد رُو، بڑی بڑی حساس آنکھوں والا۔ خدوخال سے پریشانی جھلکتی ہوئی اور سر ایسا گنجا جیسے میری ہتھیلی؛ لیکن لگتا تھا کہ اس کے بال گرنے کے دوران میں ٹھوڑی پر جم گئے ہیں اور اس نئے علاقے میں خوب پھلے پھولے ہیں کیوں کہ اس کی داڑھی کمر تک لٹکی ہوئی تھی۔ رنڈوا، چھ کم سن بچوں کا باپ (جنھیں یہاں آنے کی غرض سے اپنی ایک بہن کے پاس چھوڑ آیا تھا)، اور زندگی میں اسے ایک ہی جنون تھا، کبوتر بازی کا۔ وہ شیدائی بھی تھا اور پارکھ بھی۔ وہ کبوتروں کے قصیدے پڑھتا رہتا۔ کام کے اوقات کے بعد کبھی کبھی اپنی جھونپڑی سے اٹھ کر اپنے بال بچوں اور کبوتروں کا ذکر کرنے آجاتا۔ کام کے وقت، جب اسے دخانی کے پیندے کے نیچے کیچڑ میں رینگنا پڑتا تو داڑھی پر ایک طرح کا چوکور سفید رومال باندھ لیتا تو وہ اسی مقصد کے لیے لایا تھا۔ اس رومال کو کانوں میں پھنسانے کے لیے پھندے بھی تھے۔ شام کے وقت دیکھنے میں آتا کہ وہ کنارے پر اکڑوں بیٹھا اس داڑھی پوش کو کھاڑی میں بڑی احتیاط سے کھنگال اور پھر متانت کے ساتھ کسی جھاڑی پر سوکھنے کے لیے پھیلا رہا ہے۔

'میں نے اس کی کمر ٹھوکی اور زور سے کہا: ''ہمیں ریپٹ مل کر رہیں گے!'' وہ ہاتھ پیر ٹیک کر اٹھتے ہوئے بے اختیار بولا، ''نہیں! ریپٹ!'' جیسے اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا ہو۔ پھر مدھم آواز میں کہنے لگا۔ ''آپ... اوہ؟'' مجھے معلوم نہیں کہ ہم نے پاگلوں جیسی حرکتیں کیوں کیں۔ میں نے ناک پر ایک طرف انگلی رکھی اور پُراسرار انداز میں سر ہلایا۔ ''واہ جی واہ!'' وہ چیخا اور اس نے ایک ٹانگ اٹھائی اور انگلیاں سر سے اوپر لے جا کر چٹکی بجائی۔ میں نے اس طرح کی دیہاتی گت ناچنے کی کوشش کی جس میں اچھل اچھل کر لاتیں چلائی جاتی ہیں۔ ہم اپنی

www.urduchannel.in

عرشے پر بکر کود کرنے لگے۔ بجر سے ہولناک کھڑکھڑاہٹ بلند ہوئی جسے کھاڑی کے پار واقع اچھوتے جنگل نے طویل گرجتی گونج میں تبدیل کر کے سوئے ہوئے اڈے کی طرف لوٹا دیا۔ اس شور سے ضرور چند ایک زائر اپنے اپنے کھٹولوں میں اٹھ بیٹھے ہوں گے۔ ایک سیاہ شکل غیجر کی کنیا کے روشن دروازے کے آگے نمودار ہوئی، غائب ہوگئی اور پھر، ایک دو لمحوں کے بعد، خود دروازہ بھی غائب ہوگیا۔ ہم رُک گئے اور خاموشی، جو ہمارے قدموں کی دھم دھم سے دور ہوگئی تھی، اس سرزمین کے کونوں کھدروں سے واپس امنڈتی چلی آئی۔ تنوں، ٹہنیوں، پتوں، ڈالوں، بیل بوٹوں کے ہاروں کے فراواں اور ژولیدہ دَل بادل جیسی وہ نباتات کی عظیم دیوار، چاندنی میں بے حس و حرکت، ایسی تھی جیسے بے آواز زندگی کی بدمست یلغار، جیسے پودوں کی کوئی بل پہ بل کھاتی، ڈھیروں ڈھیر، چوٹی دار موج جو کھاڑی پر ٹوٹ پڑنے، ہم ننھے منے انسانوں میں سے ہر کسی کے ننھے منے وجود کو مٹا دینے پر تُلی کھڑی ہو۔ اور وہ موج آگے نہ بڑھتی تھی۔ زبردست چھپاکوں اور پھنکاروں کے اچانک برپا ہونے والے شور کا دبا دبا دھڑا کا ہمارے کانوں میں آیا، جیسے کوئی ماہیچلپاس (۹) بڑے دریا بیچ چھپاچھوں میں نہا رہا ہو۔ بوائلر ساز نے معقول لہجے میں کہا: ''آخر ریٹ ہمیں کیوں نہ ملیں؟'' واقعی، کیوں نہ ملیں! ریٹ نہ ملنے کی کوئی وجہ مجھے تو معلوم نہ تھی۔ ''ریٹ تین ہفتے کے اندر اندر یہاں پہنچے سمجھو،'' میں نے اعتماد سے کہا۔

'لیکن ریٹ نہ پہنچ پائے۔ ان کے بجائے دھاوا بولا گیا، عذاب ٹوٹ پڑا، قہر نازل ہوگیا۔ اگلے تین ہفتوں کے دوران میں قسط وار نازل ہوا؛ ہر مرتبہ پیش پیش ایک گدھا، جس پر ایک گورا نئے کپڑے اور کتھئی جوتے پہنے سوار، اس اونچے مقام سے مرعوب زائرین کو دائیں بائیں جھک جھک کر سلام کرتا آتا۔ گدھے کے پیچھے تھکے ہارے روٹھے حبشیوں کا جھگڑالو جتھا ہوتا؛ ڈھیر سارے خیمے، سفری تپائیاں، ٹین کے بکس، سفید بیگ، بھورے گٹھر احاطے میں پٹک دیے جاتے اور، اڈے کی اس بے ترتیبی پر، اسرار بھری فضا ذرا اور گہری ہو جاتی۔ ایسی پانچ ٹکڑیاں وارد ہوئیں جن کے مہمل انداز سے لگتا تھا جیسے وہ لوگ لوازمات اور اشیائے خورونوش کی ان گنت دکانوں اور گوداموں کو لوٹ کر شتم پشتم فرار ہو رہے ہیں اور دیکھنے والے کو یہی گمان ہوتا کہ شاید کہیں ڈاکا ڈالنے کے بعد وہ مالِ غنیمت گھسیٹ کر ویرانے کو چلے ہیں تاکہ وہاں جا کر اسے آپس میں برابر برابر بانٹ لیں۔ ان کا ساز و سامان ایسی چیزوں کا لاینحل گھپلا تھا جو بذاتِ خود تو شریفانہ تھیں لیکن انسانی حماقت کے سبب چوری چکاری سے ہاتھ آجانے والا مال معلوم ہونے لگی تھیں۔

'دھن کے پکے اس ٹولے نے اپنا نام ''ایلڈوراڈو اکتشافی مہم'' تجویز کیا تھا اور مجھے یقین ہے کہ انھوں نے حلف اٹھا رکھا تھا کہ اپنا راز کسی پر ظاہر نہ کریں گے۔ ان کی گفتگو بہرحال بذاتِ بحری قزاقوں کی گفتگو سے مشابہ اور سخت جانی کے بغیر بے باک، ڈھٹائی کے بغیر حریصانہ اور دلیری کے بغیر ظالمانہ تھی۔ پورے ٹولے میں پیش بینی

(۹) کروڑوں سال پہلے معدوم ہو جانے والا بڑا دریائی جانور۔

www.urduchannel.in

یا سنجیدہ مقصد کا کہیں ذرہ برابر وجود نہ تھا اور وہ اس حقیقت سے بے خبر معلوم ہوتے تھے کہ دنیا کا کاروبار چلانے کے لیے ان دونوں باتوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان کی آرزو اتنی تھی کہ اس سرزمین کے بطون سے خزانہ اینٹھ لیں اور اس آرزو کے پس پشت اس سے زیادہ اخلاقی مقصد نہ تھا جتنا تجوری توڑنے والے نقب زنوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ تو مجھے پتا نہیں کہ اس عالی قدر منصوبے کے اخراجات کس نے برداشت کیے تھے البتہ ہمارے منیجر کا چچا اس گروہ کا قائد تھا۔

'دیکھنے میں وہ کسی غریب محلے کا قصائی لگتا تھا اور اس کی آنکھوں سے سوئی سوئی عیاری ٹپکتی تھی۔ بڑے ٹھسّے سے اپنی موٹی توند کو چھوٹی چھوٹی ٹانگوں پر اٹھائے پھرتا رہتا، اور جتنی دیر اس کا ٹولا اڈے میں چاروں طرف دندناتا رہا، اس نے اپنے بھتیجے کے سوا کسی سے بات نہ کی۔ دونوں تمام دن سر سے سر جوڑے کبھی ختم نہ ہونے والی بات چیت کرتے ہوئے اِدھر اُدھر گھومتے رہے۔

'میں نے رپنوں کے بارے میں پریشان ہونا چھوڑ دیا تھا۔ آدمی میں اس قسم کی حماقت کی استعداد اتنی نہیں ہوتی جتنی تم سمجھے بیٹھے ہو۔ میں نے کہا، لعنت! — جو ہونا ہے ہوتا رہے۔ میرے پاس غور و فکر کے لیے بہت وقت تھا اور کبھی کبھار مجھے کرنز کا خیال آ جاتا۔ مجھے اس آدمی سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ نہیں۔ تاہم یہ تجسس تھا کہ آیا وہ، جو کسی قسم کے اخلاقی تصورات سے لیس ہو کر وہاں آیا تھا، آخر کار سب سے اونچے عہدے پر فائز ہو جائے گا یا نہیں اور وہاں پہنچنے کے بعد اپنے کام سے کس طرح نمٹے گا۔'

۲

'ایک شام جب میں اپنے دخانی کے عرشے پر چت لیٹا تھا تو میں نے آوازیں سنیں جو قریب آتی جا رہی تھیں — اور وہی چچا بھتیجے کنارے کنارے ٹہلتے چلے آ رہے تھے۔ میں نے سر دوبارہ بازو پر رکھ لیا اور خود کو ہلکی ہلکی اونگھ میں تقریباً گم کر چکا تھا کہ کسی نے، ایسا لگا، میرے کان میں کہا، ''میں چھوٹے بچے کی طرح بے ضرر سہی لیکن یہ پسند نہیں کرتا کہ مجھ پر حکم چلایا جائے۔ میں منیجر ہوں — ہوں کہ نہیں؟ مجھے حکم ملا کہ اسے وہاں بھیج دوں۔ یہ یقین میں آنے والی بات نہیں...'' مجھے پتا چلا کہ وہ دونوں کنارے پر، عین میرے سر کے نیچے، دخانی کے اگلے حصے سے لگے ہوئے کھڑے ہیں۔ میں نے کوئی حرکت نہ کی؛ مجھے اپنی جگہ سے ہلنے جلنے کا خیال بھی نہ آیا۔ میں

www.urduchannel.in

تندا سا تھا۔ "یہ ہے تو ناگوار،" چچا غرایا۔ دوسرے نے کہا، "اس نے انتظامیہ سے درخواست کی تھی کہ اسے وہاں بھیج دیا جائے۔ مقصود یہ دکھانا تھا کہ وہ کیا کچھ کرسکتا ہے؛ اور مجھے اسی کے مطابق ہدایات دی گئیں۔ ذرا سوچیے تو سہی اس شخص کا کتنا رسوخ ہوگا۔ یہ نادہشت ناک بات؟" دونوں نے اتفاق کیا کہ بات دہشت ناک ہے، پھر کئی عجیب وغریب باتیں کہیں۔ "کبھی بارش برسادے اور کبھی دھوپ نکال دے — ایک آدمی — کونسل — ناک پکڑ کے —" مہمل جملوں کے اجزا جو میری خواب ناکی پر غالب آگئے، چناں چہ جب چچا نے کہا کہ "یہاں کی آب وہوا شاید تمھیں اس مشکل سے چھٹکارا دلادے۔ کیا وہ وہاں اکیلا ہے؟" تو میرے تمام ہوش وحواس تقریباً بجا تھے۔ "ہاں،" منیجر نے جواب دیا۔ "اس نے اپنے مددگار کو میرے نام اس طرح کی چٹھی دے کر واپس بھیج دیا تھا: اس غریب بدمعاش کو ملک سے چلتا کر دو اور اس قسم کے اور آدمی بھیجنے کی زحمت نہ کرو۔ جس طرح کے آدمی تم، اپنی گلوخلاصی کی غرض سے، یہاں بھیج سکتے ہو ان کے بجائے تو میں تنہا رہنا ہی زیادہ پسند کروں گا۔ اس واقعے کو ایک سال سے زیادہ ہوگیا۔ کیا آپ ایسی دیدہ دلیری کا تصور کرسکتے ہیں!" "اس کے بعد کچھ آیا؟" دوسرے نے بھرائی آواز میں دریافت کیا۔ "ہاتھی دانت،" بھتیجے نے چیخ کر کہا۔ "ڈھیروں — بڑھیا قسم کا — ڈھیروں — اس کی طرف سے؛ ازحد تکلیف دہ۔" "اور ہاتھی دانت کے ساتھ؟" بھاری گڑگڑاہٹ نے سوال کیا۔ "بیجک" کا لفظ، گویا، جواب میں داغا گیا۔ پھر خاموشی۔ وہ کرٹز کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔

'اس وقت تک میری آنکھیں پوری طرح کھل چکی تھیں، لیکن میں بالکل آرام سے لیٹا ہوا ساکت پڑا رہا کہ اپنی جگہ بدلنے پر اکسانے والی بات تو کوئی ہوئی نہ تھی۔ "وہ ہاتھی دانت اتنی دور سے یہاں تک پہنچا کیسے؟" معمر آدمی نے، جو بہت بھنایا ہوا معلوم ہوتا تھا، غرا کر کہا۔ دوسرے نے بتایا کہ ہاتھی دانت ایک دوغلے انگریز کلرک کی زیرنگرانی، جو کرٹز کے پاس ہوا کرتا تھا، کینو کشتیوں کے ایک بیڑے پر لد کر آیا تھا اور یہ کہ بظاہر کرٹز کا ارادہ بھی واپس آنے کا تھا؛ اڈا اس وقت تجارتی سامان اور اشیائے خورونوش سے خالی ہوچکا تھا؛ لیکن تین سو میل کے سفر کے بعد اس نے یکایک واپس جانے کی ٹھان لی اور ہاتھی دانت سمیت بہاؤ کے ساتھ سفر جاری رکھنے کا کام دوغلے پر چھوڑ کر، تن تنہا، ایک گدو پر سوار ہو چار کھویوں کے ہمراہ پلٹ گیا۔ وہ دونوں ششدر معلوم ہوتے تھے کہ کوئی آدمی ایسی حرکت بھی کرسکتا ہے۔ وہ اس فعل کا کوئی معقول محرک تلاش کرنے سے قاصر تھے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، مجھے محسوس ہوا جیسے کرٹز کو پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں۔ جھلک واضح تھی: گدو، چار وحشی کھویے اور اکیلا گورا، جس نے اچانک صدر مقام سے، راحت ملنے کے امکان سے — شاید — گھر کے خیالوں سے، منھ موڑ لیا؛ جو ویرانے کی گہرائیوں میں، اپنے سُونے اور اجاڑ اڈے کی طرف لوٹ گیا۔ محرک کا مجھے علم نہ تھا۔ شاید وہ محض بہت ہی بھلا آدمی تھا جسے اپنے کام سے کام تھا۔ کرٹز کا نام، سمجھے بھئی، ایک دفعہ بھی نہ لیا گیا۔ وہ "وہ شخص" تھا۔ دوغلے کی طرف بلا استثنا "وہ لفنگا" کہہ کر اشارہ کیا جاتا جس نے، جہاں تک میری سمجھ میں آیا تھا، ایک مشکل سفر بڑی احتیاط اور

www.urduchannel.in

ہمت سے طے کیا تھا۔ "لفنگے" کی اطلاع کے مطابق "وہ شخص" بہت بیمار رہا تھا اور اسے پوری طرح افاقہ نہ ہوا تھا... نیچے وہ دونوں دوبارہ چند قدم آگے چلے گئے اور تھوڑی دور جا کر ادھر اُدھر ٹہلنے لگے۔ میرے سننے میں آیا: "فوجی چوکی — ڈاکٹر — دو سو میل — آج کل بالکل اکیلا — ناگزیر وجوہ سے تاخیر پر تاخیر — نو مہینے — کوئی خبر نہیں — عجیب عجیب افواہیں — " وہ دوبارہ قریب آئے تو منیجر یہ کہہ ہی رہا تھا: "جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی نہیں؛ اگر ہوا تو سیلانی قسم کا ایک تاجر کہیں نہ ہو — وہاں جان ہے وہ۔ دیسیوں سے ہاتھی دانت اُچکتا رہتا ہے۔" اب وہ کس کا ذکر کر رہے تھے؟ جستہ جستہ مجھے پتا چلا کہ کسی آدمی پر کرٹز کے ضلعے میں موجود ہونے کا گمان ہے جو منیجر کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ "جب تک ان لوگوں میں سے کسی کو عبرت دلانے کی خاطر پھانسی نہ چڑھایا جائے گا ہم ناجائز کاروباری مقابلے سے چھٹکارا نہ پاسکیں گے،" اس نے کہا۔ "بے شک،" دوسرا غرغرایا۔ "دے دو پھانسی! کیوں نہیں۔ اس ملک میں تو ہر بات ممکن ہے — ہر بات۔ میں تو یہ کہتا ہوں: یہاں پر، سمجھے، کوئی آدمی یہاں پر ایسا نہیں جو تمھاری حیثیت کے لیے خطرہ بن سکے۔ اور وہ کیوں؟ اس لیے کہ تم میں یہاں کی آب و ہوا کی برداشت ہے — تم باقی سب لوگوں سے زیادہ مدت یہاں گزار سکتے ہو۔ خطرہ ہے تو یورپ میں لیکن وہاں بھی میں نے روانگی سے پیشتر بندوبست کر لیا تھا کہ — " وہ آگے بڑھ گئے اور سرگوشیاں کرنے لگے۔ پھر ان کی آوازیں دوبارہ بلند ہوئیں۔ "یہ جو غیر معمولی طور پر تاخیر پہ تاخیر ہوئی اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ میں نے تو اپنی طرف سے پوری کوشش کی۔" موٹے نے آہ بھری۔ "بہت افسوس ناک۔" "اور اس کی گفتگو کی لغویت جس سے جان عذاب میں تھی،" دوسرا بولتا رہا۔ "جب وہ یہاں تھا تو اس نے مجھے بہت دق کیا: اس شاہراہ پر جو بہتر باتوں کی طرف جاتی ہے ہر اڈے کو نورِ ہدایت کے مانند ہونا چاہیے۔ تجارت کا مرکز وہ ضرور رہے لیکن انسان بنانے، سدھارنے اور تعلیم دینے کا مرکز بھی ہو۔ ذرا سوچیے — گدھا کہیں کا! اور چاہتا ہے منیجر بننا! نہیں، یہ — " یہاں بہت زیادہ طیش کے مارے اس کی آواز گھٹ کے رہ گئی اور میں نے بالکل ذرا سا سر اٹھایا۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ کتنے قریب ہیں — عین میرے نیچے۔ میں ان کی ٹوپیوں پر تھوک سکتا تھا۔ وہ زمین پر نظر جمائے فکر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ منیجر ایک پتلی سی ٹہنی اپنی ٹانگ پر مار رہا تھا۔ اس کے فریبی عزیز نے سر اٹھایا۔ "اس مرتبہ یہاں آنے کے بعد تو تم چاق و چوبند رہے؟" اس نے پوچھا۔ دوسرا چونک گیا۔ "کون؟ میں؟ اوہ! بالکل ٹھیک — جیسے کسی نے منتر پھونک دیا ہو۔ لیکن باقی لوگ — اوہ، میرے خدا! سب کے سب بیمار۔ اور مرتے بھی اتنی جلد ہیں کہ مجھے انھیں یہاں سے کہیں اور چلتا کرنے کی مہلت بھی نہیں ملتی — عقل دنگ ہے!" "ہوں۔ یہی تو ہے،" چچا غرغرایا۔ "ارے برخوردار، اس پر بھروسا رکھو۔ میں کہتا ہوں، اس پر بھروسا رکھو۔" میں نے اسے ٹیاں شناپر (۱۰) سا بازو پھیلا کر اشارہ کرتے دیکھا جس میں جنگل، کھاڑی، کیچڑ، دریا، سب سمٹ آئے — معلوم ہوتا تھا کہ وہ بازو اس

(۱۰) فلپر وں (flippers) سیلوں، پنگوئنوں اور بعض دوسرے آبی جانوروں کا چپٹا چوڑا عضو جو خاص شناوری کے لیے ہے۔

www.urduchannel.in

سرزمین کے دھوپ سے روشن چہرے کے سامنے ذلت آمیز انداز میں دائیں بائیں لہراتا ہوا، گھات میں بیٹھی موت سے، پنہاں شر سے، سرزمین کے قلب کی عمیق ظلمت سے، اشارے اشارے میں کوئی پُر دغا التجا کر رہا ہے۔ یہ حرکت اتنی چونکا دینے والی تھی کہ میں اچھل کھڑا ہوا اور مڑ کر جنگل کی حد کی طرف یوں تکنے لگا جیسے مجھے اعتماد کے اس بھیانک اظہار کو کسی قسم کا جواب ملنے کی توقع ہو۔ تم جانتے ہو بعض مرتبہ کیسے کیسے احمقانہ خیالات دل میں آتے ہیں۔ سنگین سکوت، ان دو صورتوں کے روبرو ہو کر، اپنے ڈراؤنے صبر کے ساتھ، ایک عجیب و غریب دخل اندازی کے ختم ہونے کا منتظر تھا۔

'ان دونوں نے — میرا خیال ہے، سراسر دہشت زدہ ہو کر — ایک ساتھ بلند آواز سے اول فول بکا؛ پھر، جھوٹ موٹ یہ ظاہر کرتے ہوئے جیسے انھیں میری موجودگی کا کوئی علم ہی نہیں، اڈے کی طرف مڑ گئے۔ سورج ڈھل چکا تھا، اور پہلو بہ پہلو، آگے کو جھکے جھکے چلتے ہوئے، وہ یوں معلوم ہو رہے تھے جیسے اپنے دو چھوٹے بڑے واہیات سایوں کو، جو ان کے پیچھے پیچھے لمبی گھاس پر کوئی تنکا جھکائے بغیر گھسٹ رہے تھے، بصد مشکل کھینچ کر اوپر لے جا رہے ہوں۔

'چند دن بعد ایلدورادو مہم نے صابر ویرانے میں قدم رکھا جو ان پر اس طرح بھڑ گیا جیسے سمندر غوطہ خور پر بھڑ جاتا ہے۔ کافی دن بعد خبر ملی کہ تمام گدھے مر گئے ہیں۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کم کار آمد جانوروں کا کیا حشر ہوا۔ انھیں بھی بلاشبہ باقی ہم سب کی طرح وہی کچھ مل گیا ہوگا جس کے وہ مستحق تھے۔ میں نے دریافت نہیں کیا۔ اس وقت کرنز سے، بہت جلد دوچار ہونے کے امکان کی وجہ سے مجھ پر ذرا جوش طاری تھا۔ جب میں کہتا ہوں بہت جلد، تو میرا مطلب ہوتا ہے نسبتاً جلد۔ جب ہم اس کنارے پر وارد ہوئے جس پر کرنز کا اڈا واقع تھا تو ہمیں کھاڑی سے چلے ہوئے کل دو مہینے ہوئے تھے۔

'اس دریا پر بہاؤ کے الٹ سفر کرنا دنیا کی اس سب سے اولیں شروعات کی طرف لوٹ چلنے کے مترادف تھا جب نباتات نے کرۂ ارض پر اُدھم جوت رکھا تھا اور بڑے بڑے درختوں کی بادشاہت تھی۔ سنسان دھارا، عظیم خاموشی، ناقابلِ گزر جنگل۔ ہوا گرم، دبیز، بوجھل اور سست۔ دھوپ کی چمک دمک شادمانی سے تہی۔ آب راہ کی طویل انگلیں، چھاؤں سے ڈھکے فاصلوں کے اندھیروں میں، ویران، پھیلی ہوئی۔ رو پہلے ریتلے کناروں پر دریائی گھوڑے اور گھڑیال پہلو بہ پہلو دھوپ سینکتے نظر آتے۔ چوڑے ہوتے دھارے درختوں سے پٹے ٹاپوؤں کے جمگھٹ میں سے بہتے۔ اس دریا پر آدمی اس طرح بھٹک جاتا جیسے وہ کسی صحرا میں ہو اور اصل دھارے کو تلاش کرنے کی کوشش میں تمام دن برجتوں سے سر پھوڑتا رہتا یہاں تک کہ آخر اسے محسوس ہوتا کہ وہ سحر میں مبتلا اور ہر اُس چیز سے ہمیشہ کے لیے کٹ چکا ہے جس سے کبھی — کہیں — بہت دور — شاید کسی اور جنم میں آشنا تھا۔ ایسے لمحے بھی آتے جب ماضی یاد آ جاتا، جس طرح کبھی کبھی ایسے وقت یاد آتا ہے جب آدمی کو اپنی طرف توجہ دینے

www.urduchannel.in

کے لیے پل بھر کی فرصت بھی نہیں ہوتی؛ لیکن ماضی بے چین اور پُرشور خواب کا روپ دھار کر وارد ہوتا اور پودوں اور پانی اور سناٹے کی اس نرالی دنیا کے بے ارمان حقائق کے درمیان حیرت کے ساتھ یاد آنے لگتا۔ اور زندگی کا یہ سکوت امن سے قطعاً مشابہت نہ رکھتا تھا۔ یہ ایک ٹس سے مس نہ ہونے والی طاقت کا سکوت تھا جو کسی ناقابلِ فہم مقصد پر غور کر رہی تھی۔ یہ طاقت تمھیں منتقمانہ انداز سے گھورتی رہتی۔ بعدازاں میں اس کا عادی ہو گیا۔ وہ مجھے نظر آنی بند ہو گئی۔ اتنی فرصت ہی کہاں تھی۔ انکل سے کام لے کر اصل دھارے کا سراغ لگانا پڑتا اور، زیادہ تر تائیدِ غیبی کے سہارے، پوشیدہ کناروں کی نشانیاں پہچاننی پڑتیں؛ ڈوبے ہوئے پتھروں پر میں نظر رکھتا اور جب کسی لعنتی گھنی پرانی زیرِ آب اٹکن سے دھچکے میں بال بال بچ جاتا، جو ایک ہی کھونچ میں اس ٹکیل دخانی کا قصہ پاک کر کے تمام زائرین کو ڈبو دیتی، تو کلیجا منھ کو آنے سے پہلے پھرتی سے دانت بھینچ لینا سیکھ چلا تھا۔ ایسی سوکھی لکڑی کی تاک میں رہنا بھی میرے ذمے تھا جسے ہم رات کو اگلے دن کے سفر کے واسطے کاٹ سکیں۔ جب آدمی کو اس قسم کی باتوں پر، معمولی سطحی واقعات پر، توجہ دینی پڑے تو حقیقت —— سن لو، حقیقت —— غائب ہو جاتی ہے۔ داخلی حقیقت —— خوش قسمتی کہیے خوش قسمتی —— پوشیدہ رہتی ہے۔ لیکن میں نے اس کے باوجود بھی حقیقت کو محسوس کیا؛ مجھے اکثر یہ محسوس ہوا کہ اس کا پُراسرار سکوت مجھے بندروں جیسے کرتب کرتے ہوئے دیکھ رہا ہے، بعینہٖ جیسے وہ تم لوگوں کو دیکھتا رہتا ہے کہ اپنے اپنے تنے ہوئے رسوں پر چڑھے تماشا دکھا رہے ہیں —— اور کتنے میں؟ فی قلابازی ڈھائی شلنگ ——'

'ذرا تمیز سے کام لو، مارلو،' ایک آواز غرائی، اور مجھے پتا چلا کہ میرے علاوہ کم از کم ایک سننے والا اور جاگ رہا ہے۔

'معافی چاہتا ہوں۔ میں دلی اندوہ کو بھول گیا جس کی صورت میں باقی ماندہ قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ اور سچ پوچھو تو قیمت سے فرق ہی کیا پڑتا ہے بشرطے کہ کرتب اچھی طرح دکھایا جائے۔ تم لوگ اپنے اپنے کرتب بہت اچھی طرح دکھاتے ہو اور میں بھی کچھ ایسا برا نہیں تھا، کیوں کہ میں نے اپنے پہلے پھیرے میں اس دخانی کو ڈوبنے نہیں دیا۔ مجھے آج تک اس پر حیرت ہوتی ہے۔ کسی ایسے آدمی کا تصور کرو جسے آنکھوں پر پٹی باندھ کر خراب سڑک پر گاڑی ہانکنی ہو۔ میں کہتا ہوں، اس کام پر میرا خاصا پسینہ بہا تھا اور ہاتھ پیر کانپے تھے۔ بہرحال، کسی جہازی کی نظر میں یہ گناہ ناقابلِ معافی ہے کہ جو چیز بظاہر تمام وقت اس کی زیرِ نگرانی پانی پر رواں ہو، اس کے پیندے پر کہیں رگڑ بھی آنے دی جائے۔ شاید کسی اور کو پتا نہ چلے کہ رگڑ لگی ہے لیکن تم اس دھمک کو بھول نہیں پاتے —— ہیں؟ جیسے ٹھیک دل پر گھونسا پڑا ہو۔ تم اس واقعے کو یاد رکھتے ہو، اسے خواب میں دیکھتے ہو، راتوں کو اٹھ اٹھ کر اس کے متعلق سوچتے رہتے ہو —— سالہا سال بعد بھی —— اور کبھی سر سے پاؤں تک کپکپاتے ہو اور کبھی پسینے میں نہا جاتے ہو۔ مجھے جھوٹوں بھی یہ دعویٰ نہیں کہ وہ دخانی تمام وقت تیرتا رہا۔ کئی مرتبہ وہ اُتھلے پانی میں اس طرح چلا کہ بیس حبشی

www.urduchannel.in

اردگرد چھپا چھپ کرتے اسے دھکیلنے میں مصروف تھے۔ ان میں سے بعض کو ہم نے راستے میں عملے میں بھرتی کیا تھا۔ اپنے طور پر یہ — آدم خور — خوب لوگ تھے۔ ایسے آدمی ثابت ہوئے جن کے ساتھ کام کرنا ممکن تھا، اور میں ان کا شکر گزار ہوں۔ اور یہ بھی ہے کہ انھوں نے میرے سامنے ایک دوسرے کو کھایا نہیں۔ وہ دریائی گھوڑے کے گوشت کی رسد ساتھ لے کے چلے تھے۔ گوشت خراب ہو گیا اور اس کی وجہ سے ویرانے کا اسرار سڑاند بن کر میری ناک میں بس گیا۔ آخ تھو! میں اب بھی اسے سونگھ سکتا ہوں۔ جہاز پر منیجر تھا اور تین چار زائر، اپنے اپنے لٹھ لیے — پوری طرح سے لیس۔ کبھی کبھار ہمارا گزر کنارے کے بالکل پاس واقع، نامعلوم کے دامن سے چمٹے ہوئے، کسی اڈے سے ہوتا تو ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے سے گورے دوڑ کر باہر آتے اور بہت زور شور سے ہاتھ ہلا ہلا کر خوشی اور حیرت کا اظہار اور ہمارا خیر مقدم کرتے۔ یہ گورے بہت عجیب لگتے — جیسے انھیں وہاں کسی نے جادو کے زور سے قید کر رکھا ہو۔ کچھ دیر "ہاتھی دانت" کا لفظ فضا میں گونجتا اور پھر ہم دوبارہ خاموشی میں داخل ہوتے اور پچھلے چپو چرخ کی بھاری دھم دھم کو پھوکی تالیوں جیسی گونج میں تبدیل کرتے، سنسان دریائی پھیلاؤں کے ساتھ ساتھ، دریا کی ساکن بانکوں کے گرد گھومتے، اپنے چکر یلے راستے کی اونچی اونچی دیواروں کے درمیان، بڑھے چلے جاتے۔ درخت ہی درخت، لکھوکھا درخت، گراں ڈیل، مہیب، بہت اونچائی تک پھیلے ہوئے: اور ان کے قدموں تلے، بہاؤ کے الٹ چلنے والا چھوٹا سا میلا چکنا دخانی، کنارے سے چمٹا ہوا، گھسٹ رہا تھا، جیسے کسی بلند برساتی کے فرش پر کوئی الکسایا بھنورا رینگ رہا ہو۔ تمھیں محسوس ہوتا کہ تم بہت چھوٹے ہو، بالکل گم ہو کر رہ گئے ہو، اور اس کے باوجود یہ احساس کلی طور پر مضمحل کر دینے والا نہ تھا۔ اگر چھوٹے سے بھی ہوئے تو کیا، میلا چکنا بھنورا رینگ تو رہا تھا — اور تمھیں اس سے بس اتنا ہی تقاضا تھا۔ زائرین کے خیال میں وہ رینگتا ہوا کہاں جا رہا تھا، یہ مجھے نہیں معلوم۔ شرط بد کر کہتا ہوں، کسی ایسی جگہ کی طرف جہاں سے انھیں کچھ ملنے ملانے کی توقع تھی۔ میری نظر میں وہ — بلاشرکت غیرے — کرٹز کی طرف رینگ رہا تھا۔ لیکن جب بھاپ نلکوں میں دراڑیں پڑنے سے بھاپ کے دباؤ میں فرق آ گیا تو ہم اور بھی آہستہ آہستہ رینگنے لگے۔ دریا کی پھیلاؤ میں ہمارے سامنے کھلتی اور پیچھے سمٹتی جاتی تھیں، جیسے ہماری واپسی کی راہ مسدود کرنے کی غرض سے جنگل بڑے آرام سے قدم بڑھا کر دریا کے آر پار آ کھڑا ہوا ہو۔ ہم ظلمت کے دل کی گہرائیوں میں اترتے چلے گئے۔ وہاں بڑا سکون تھا۔ کبھی کبھی رات کے وقت درختوں کی قنات کی اوٹ سے ڈھولوں کی دھم دھم بہاؤ کے الٹ بڑھتی سنائی دیتی اور پو پھٹنے تک، مدھم مدھم، برقرار رہتی، جیسے ہمارے سروں سے بہت اوپر ہوا میں منڈلا رہی ہو۔ اس سے جنگ مراد تھی یا امن، یا عبادت، یہ بتانے سے ہم قاصر تھے۔ ایک سرد سناٹے کا نزول صبح کی آمد آمد کی خبر دیتا؛ لکڑہارے سوتے رہتے، ان کی آگیں مدھم مدھم جلتی رہتیں؛ جنھی بھی چٹختی تو اس آواز سے آدمی چونک پڑتا۔ ہم قبل تاریخی دنیا میں، ایسی دنیا میں جس نے ایک نامعلوم سیارے کا روپ دھار رکھا تھا، مارے مارے پھر رہے تھے۔ ہم چاہتے تو خود کو اولین انسان فرض کر

www.urduchannel.in

لیتے جو ایک ایسی منحوست زدہ میراث اپنی تحویل میں لینے چلے ہوں جسے گمبھیر کشٹ سہنے اور بہت ہڈیاں پیلنے کے بعد ہی تسخیر کرنا ممکن تھا۔ لیکن دریا کا کوئی موڑ مار امار کر کے کاٹنے کے بعد، بھاری اور ساکت سرنگوں برگ و بار تلے، یکا یک سیٹھے کی دیواروں، گھاس کی چوٹی دار چھتوں کی جھلک نظر آتی، چیخم دھاڑ مچتی، کالے کالے انگ چک پھیریاں لیتے اور تالیاں بجاتے ہاتھوں، دھم دھماتے پیروں، جھومتے لہراتے جسموں، ملگجی آنکھوں کا ٹھٹ دکھائی دیتا۔ دخانی ایک سیاہ اور ناقابل فہم ہیجان کے کنارے سست رفتاری سے لشتم پشتم چلتا رہتا۔ قبل تاریخی آدمی ہمیں کوس رہا تھا، ہم سے التجا کر رہا تھا، خوش آمدید کہہ رہا تھا — کون بتا سکتا تھا؟ اپنے گرد و پیش کی تفہیم سے ہمارا رشتہ ٹوٹ چکا تھا۔ ہم پر چھائیوں کے مانند، برابر سے ہو کر آگے سرکتے جاتے، حیران ہوتے اور دل ہی دل میں ڈرتے رہتے۔ ہماری حالت ایسی تھی جیسے کوئی صحیح الدماغ انسان کسی پاگل خانے میں پُر جوش اُدھم بازی سے دوچار ہو گیا ہو۔ ہم سمجھ نہ سکتے تھے، کہ بہت دور تھے، اور یاد نہ کر سکتے تھے، کہ اولین زمانوں کی رات میں سفر کر رہے تھے، اُن زمانوں کی رات میں جو بیت چکے، جنھوں نے شاید ہی اپنی کوئی نشانی چھوڑی ہو — جن کی کوئی یاد باقی نہیں۔

'دنیا کی کوئی بات دنیا جیسی نہ لگتی تھی۔ ہمیں عادت ہے ایک مسخر عفریت کی شکل کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھنے کی، لیکن وہاں — ایک عفریت آسا اور بے قید چیز وہاں آنکھوں کے سامنے تھی۔ دنیا دنیا جیسی نہ رہی تھی، اور وہ آدمی جو تھے — نہیں، وہ انسانیت کے دائرے سے خارج نہیں تھے۔ خیر، جانتے ہو، یہ شبہ کہ وہ انسانیت کے دائرے سے خارج نہیں — بدترین بات یہی شبہ تھا۔ یہ شبہ آدمی کے دل میں رفتہ رفتہ گھر کرتا۔ وہ لوگ چیخیں مارتے اور چھلانگیں لگاتے اور لٹو کی طرح گھومتے اور بڑے ڈراؤنے ڈراؤنے منھ بناتے۔ لیکن تمھارے دل میں اشتراز پیدا ہوتا تو صرف ان کی انسانیت کے خیال سے — جو تمھاری جیسی ہی انسانیت تھی — اور اس خیال سے کہ اس وحشیانہ اور پُر جوش شور و شغب سے تمھارا دور دراز کا ناتا ہے۔ بھونڈا۔ ہاں، یہ خاصا بھونڈا خیال تھا؛ لیکن تم مرد آدمی ہوتے تو دل ہی دل میں یہ مان لیتے کہ بس موہوم ترین سا شائبہ اس بات کا موجود ہے کہ تمھارے اندر کوئی شے اس شور کے ہولناک کھلے ڈلے پن کا جواب دینا چاہتی ہے، دھندلا سا یہ شبہ کہ اس شور میں ایسے معنی پنہاں ہیں جنھیں تم — جو اولین زمانوں کی رات سے اتنی دور ہو — سمجھ سکتے ہو۔ اور کیوں نہیں؟ انسان کے ذہن سے کچھ بعید نہیں — کیوں کہ ہر چیز اس میں موجود ہے، تمام کا تمام ماضی بھی اور مستقبل بھی۔ تو وہاں آخر تھا کیا؟ خوشی، خوف، افسوس، عقیدت، شجاعت، عیش — کون بتا سکتا ہے؟ — بلکہ سچائی تھی جس پر سے وقت کا لبادہ نوچ پھینکا گیا تھا۔ احمق کو منھ پھاڑ کر گھورنے اور لرزنے دو — جو مرد ہے وہ جانتا ہے اور آنکھیں جھپکے بغیر دیکھ سکتا ہے۔ لیکن اسے بھی اتنا مرد آدمی تو کم از کم ہونا چاہیے جتنے وہ کنارے والے تھے۔ اسے اس سچائی کا سامنا خود اپنے سچے جوہر — خود اپنی جبلی طاقت — کے سہارے کرنا چاہیے۔ اصولوں سے کام نہیں

www.urduchannel.in

چلے گا۔ اکتسابات، ملبوسات، خوش نما چیتھڑے — چیتھڑے جو پہلا زور کا جھٹکا لگتے ہی اتر کر دور جا پڑیں گے۔ نہیں، آدمی کو بالعمد ایمان کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس شیطانی بھڑ تنکے میں مجھ سے کوئی التجا — ہے کوئی التجا؟ بہت بہتر! میں سن رہا ہوں! مان لیتا ہوں، مگر میری بھی ایک آواز ہے، اور چاہے بھلا ہو یا برا، میری اس گفتار کو خاموش نہیں کیا جا سکتا۔ ظاہر ہے، جو بھی احمق ہے وہ نری دہشت اور نفیس جذبات کی بدولت ہمیشہ محفوظ رہتا ہے۔ یہ کون بڑبڑا رہا ہے؟ تمھیں حیرت ہے کہ میں کنارے پر جا کر چیخنے چلانے اور ناچنے کیوں نہ لگا؟ نہیں بھئی — یہ میں نے نہیں کیا۔ تم کہتے ہو، نفیس جذبات؟ نفیس جذبات گئے بھاڑ میں! مجھے فرصت نہیں تھی۔ میں — سنو — ان تڑخے ہوئے بھاپ نلکوں پر پٹیاں باندھنے میں ہاتھ بٹانے کی غرض سے سفیدے کی پوٹی اور کمبل کی لیروں کی لے دے میں الجھا رہتا تھا۔ مجھے جہاز کو صحیح طرح گھمانے پھرانے، راستے کی زیر آب انکنوں سے دائیں بائیں ہو کر بچ نکلنے اور اس نکیل شے کو جوں توں کر کے رواں دواں رکھنے کی فکر لاحق تھی۔ ان باتوں میں سطحی سچائی اتنی تو تھی کہ کسی زیادہ عقل مند آدمی کی جاں خلاصی کے لیے کافی ہو۔ اور ان مصروفیتوں کے دوران میں مجھے اس وحشی پر بھی نظر رکھنی پڑتی تھی جو فائرمین کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ وہ سدھا ہوا نمونہ تھا؛ عمودی بوائلر میں آگ جگا سکتا تھا۔ وہاں میرے ماتحت کام کرتا تھا اور، سچ کہتا ہوں، اسے دیکھ دیکھ کر اتنی ہی روحانی بالیدگی حاصل ہوتی تھی جتنی کسی ایسے کتے پر نظر ڈال کر جو برجس اور پروں والے ہیٹ پر مشتمل اوٹ پٹانگ سوانگ بھرے پچھلی ٹانگوں پر چل رہا ہو۔ چند مہینوں کی تربیت نے اس سچ مچ کے بھلے مانس کو کام کا آدمی بنا دیا تھا۔ جب وہ آنکھیں سکیڑ کر آب پیما اور دُخان پیما کو دیکھتا تو صاف پتا چلتا کہ جان ہتھیلی پر رکھ کے یہ کام انجام دے رہا ہے — اور مرے یار کے دانت بھی سوہن کی مدد سے نکیلے بنے ہوئے تھے اور گھونگریالے بال عجیب و غریب نمونوں میں مُنڈے ہوئے اور دونوں گالوں پر زخموں کے تین تین آرائشی نشان۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ کنارے پر تالیاں بجاتا اور پیر پٹختا نظر آتا مگر ایسا کرنے کے بجائے، وہ عجیب و غریب جادوگری کا بندھوانا، سُدھارنے والے علم سے معمور، جاں فشانی سے کام میں مصروف تھا۔ وہ کام کا آدمی تھا کیوں کہ تربیت حاصل کر چکا تھا؛ اور اسے بس اتنا معلوم تھا کہ اگر اس شفاف چیز میں سے پانی غائب ہو گیا تو بوائلر میں کی خبیث روح پیاس کی شدت کی وجہ سے خفا ہو جائے گی اور ہول ناک انتقام لے کر رہے گی۔ چناں چہ وہ پسینے پسینے ہو کر بوائلر میں لکڑیاں جھونکتا اور شیشے کو بہت بھیانک ہو کر گھورتا رہتا (چیتھڑوں کا بنا ہوا تعویذ بازو پر بندھا اور نچلے ہونٹ میں گھوٹ کر چبائی ہوئی ہڈی کا ایک ٹکڑا پرویا ہوا، جیب گھڑی جتنا بڑا، جس کا چپٹا رخ نیچے کی طرف تھا)۔ اُدھر درختوں سے ڈھکے کنارے دھیرے دھیرے دائیں بائیں سرکتے رہتے، وہ تھوڑی دیر کا شور و غل پیچھے رہ جاتا، خاموشی کے لامتناہی میل آتے — اور ہم آگے، کرنز کی طرف، رینگتے رہتے۔ لیکن زیر آب انکنیں الغاروں تھیں، پانی پُر فریب اور اُتھلا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ بوائلر میں واقعی کوئی چڑچڑا شیطان گھسا ہوا ہے، اور اس طرح نہ اس

www.urduchannel.in

فائر مین کو اتنی فرصت ملی اور نہ مجھے کہ اپنے رونگٹے کھڑے کر دینے والے خیالوں میں جھانک بھی سکیں۔

'اندرونی اڈے سے کوئی پچاس میل ادھر ہمیں سرکنڈوں کی ایک جھونپڑی، ایک جھکی ہوئی اور غمگین ہلکی، جس سے کسی طرح کے جھنڈے کی ناقابل شناخت دھجیاں لہرا رہی تھیں، اور قرینے سے ڈھیر کی ہوئی لکڑیاں ملیں۔ یہ غیر متوقع بات تھی۔ ہم کنارے پر پہنچے، اور وہاں ایندھن کے چٹے پر لکڑی کا ایک چپٹا تختہ رکھا ملا جس پر پنسل سے مٹا مٹا کچھ تحریر تھا۔ بڑی مشکل سے پتا چلا کہ لکھا ہے: ''تمھارے لیے ایندھن۔ جلدی آؤ۔ آتے وقت احتیاط برتنا۔'' کسی کے دستخط بھی تھے مگر پڑھے نہ جا سکے — کرنز کے نہیں تھے — کہیں زیادہ لمبا نام تھا۔ ''جلدی آؤ۔'' کہاں؟ مزید آگے؟ ''آتے وقت احتیاط برتنا۔'' ہم نے تو ایسا نہیں کیا تھا۔ لیکن تنبیہ سے وہ جھونپڑی تو مراد ہونے سے رہی کیوں کہ وہاں پہنچنے کے بعد ہی اس پیغام سے آگاہ ہونا ممکن تھا۔ آگے کچھ گڑبڑ تھی۔ لیکن کیا گڑبڑ تھی — اور کتنی زیادہ؟ سوال تو یہ تھا۔ ہم نے اس نارمل طرز تحریر کی بے عقلی پر سخت نکتہ چینی کی۔ اردگرد کے جنگل سے کچھ سراغ نہ ملتا تھا۔ جنگل کی وجہ سے ہم زیادہ دور تک دیکھ بھی نہ سکتے تھے۔ جھونپڑی کے دروازے میں لال نول کا پھٹا ہوا پردہ لٹکا تھا اور افسردگی سے پھڑ پھڑا کر ہمارے چہروں کو چھو رہا تھا۔ جھونپڑی سے ٹانڈ ابھانڈ اسب اٹھ چکا تھا لیکن ہمیں نظر آ گیا کہ چند دن پہلے تک کوئی گورا وہاں مقیم تھا۔ دو کھونٹوں پر ٹکے تختے کی صورت میں ایک ان گھڑ میز وہاں موجود تھی؛ ایک اندھیرے کونے میں کوڑے کرکٹ کا ڈھیر لگا تھا اور دروازے کے پاس مجھے ایک کتاب نیچے پڑی ملی۔ اس کی جلد ندارد تھی اور کثرت استعمال سے صفحے بے حد میلے اور بودے ہو چلے تھے؛ لیکن کتاب کی پشت کو از سر نو سفید دھاگے سے، جو اب تک صاف ستھرا نظر آ رہا تھا، جاؤ کے ساتھ سیا گیا تھا۔ یہ ایک حیرت ناک دریافت تھی۔ ''جہاز رانی کے چند پہلوؤں پر تحقیق'' اور کسی ٹوزر، ٹوسن — ایسا ہی کوئی نام تھا — نامی شخص نے، جو ملک معظم کی بحریہ میں ماسٹر (۱۱) تھا، تحریر کی تھی۔ نفس مضمون، جس کے ساتھ تصویروں سے واضح کی ہوئی اشکال اور اعداد و شمار کے بیہودہ جدول تھے، خاصا بے لطف معلوم ہوتا تھا، اور وہ نسخہ ساٹھ سال پرانا تھا۔ میں نے اس انوکھی اور قدیم شے کو حتی الامکان ملائمت سے ہاتھ لگایا، مبادا وہ میرے ہاتھوں ہی میں تحلیل ہو جائے۔ اس میں ٹوسن یا ٹوزر کمال متانت سے جہاز کی زنجیروں اور رساچرخیوں کی کھچاؤ سہنے کی طاقت، اور اس قبیل کے معاملات پر تحقیق کر رہا تھا۔ وہ بہت دل لبھانے والی کتاب تو نہ تھی لیکن پہلی نگاہ ڈالتے ہی پتا چل جاتا تھا کہ ارادے کی یک سوئی، کام کا آغاز کرنے کے صحیح طریقے کے لیے ایسے پُرخلوص سروکار کی حامل ہے جس نے ان ناچیز صفحات کو، جو اتنے بہت برسوں پہلے سوچ کر لکھے گئے تھے، کسی ایسی بصیرت سے جگمگا دیا تھا جو پیشہ ورانہ بصیرت سے بالاتر کوئی شے تھی۔ اس سیدھے سادے پرانے وقتوں کے جہازی نے، زنجیروں اور رساچرخیوں کے ذکر سے، مجھے کسی قطعی طور پر حقیقی شے سے دوچار ہونے کا ایسا پُرکیف احساس دلایا کہ میں جنگل اور زائرین سے

(۱۱) جو کسی جنگی جہاز پر میر جہازراں کے فرائض انجام دیتا ہو۔

www.urduchannel.in

غافل ہو گیا۔ ایسی کتاب کا وہاں موجود ہونا ہی خاصا حیرت ناک تھا؛ لیکن اس سے بھی زیادہ اچنبھے میں ڈالنے والی چیز وہ حاشیے تھے جو پنسل سے لکھے گئے تھے اور واضح طور پر متن سے متعلق تھے۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا! وہ خفیہ رسم الخط میں لکھے ہوئے تھے! جی ہاں، وہ رسم الخط خفیہ ہی لگتا تھا۔ سوچو تو سہی، ایک شخص اس نوعیت کی کتاب ڈھو کر اس ہُو کے مقام میں لاتا ہے اور اس کا مطالعہ کرتا ہے ــــ اور اس پر حاشیے لکھتا ہے ــــ اور وہ بھی خفیہ رسم الخط میں! یہ معمّا تھا سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔

'کچھ دیر سے مجھے یونہی سا محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی پریشان کن شور برپا ہے، اور جب میں نے آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ لکڑیوں کا ڈھیر غائب ہے اور منیجر دریا کنارے کھڑا، تمام زائرین سمیت، مجھ پر چیخ رہا ہے۔ میں نے کتاب جیب میں ڈالی۔ یقین کرو کہ اس کا مطالعہ موقوف کرنا ایسا تھا جیسے کسی پرانی اور پکی دوستی کی پناہ سے بادلِ ناخواستہ جدا ہو رہا ہوں۔

'میں نے آگے چلنے کے لیے لنگڑے لولے انجن کو چالو کیا۔ ''ضرور وہی بد بخت تاجر ہوگا ــــ یہ دخل انداز؛'' منیجر نے اس جگہ کی طرف، جسے ہم چھوڑ چلے تھے، مڑ کر کینہ وری سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ضرور انگریز ہوگا،'' میں بولا۔ ''ہوا کرے۔ اگر احتیاط سے کام نہ لے گا تو اس کی شامت آئے ہی آئے؛'' منیجر چیں بہ جبیں ہو کر بڑبڑایا۔ میں نے بناوٹی معصومیت سے رائے ظاہر کی کہ اس دنیا میں کوئی آدمی بھی ایسا نہیں جس کی شامت نہ آئی ہوئی ہو۔

'دریا کا بہاؤ اب زیادہ تیز تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ دخانی پر عالمِ نزع طاری ہے۔ عقبی چرخ چپو تھکے تھکے انداز سے دھپ دھپ کر رہا تھا، اور مجھے اچانک پتا چلا کہ میں بڑی بے چینی سے جہاز کی اگلی دھڑکن پر کان لگائے ہوئے ہوں کیوں کہ درحقیقت مجھے اندیشہ تھا کہ یہ پھٹیچر جہاز بس رُکا کہ رُکا۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی زندگی کے چراغ کو آخری بار ٹمٹماتے دیکھ رہا ہوں۔ مگر ہم پھر بھی رینگتے رہے۔ کبھی کبھار میں یہ اندازہ لگانے کی غرض سے کہ ہم کرٹز کی جانب کس رفتار سے بڑھ رہے ہیں، ذرا آگے کوئی درخت چن لیتا، مگر ہر بار برابر پہنچنے سے پہلے ہی اسے گم کر بیٹھتا۔ اتنی دیر تک ایک ہی چیز پر آنکھیں جمائے رکھنا انسان کی برداشت سے باہر ہے۔ منیجر نے صورتِ حال کے سامنے سرِ تسلیم خم کیے رکھنے کا جو مظاہرہ کیا وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ میں جھنجھلاتا اور خفا ہوتا رہا اور آپ ہی آپ اس بارے میں الجھا کیا کہ کرٹز سے کھل کر بات کی جائے یا نہیں؛ لیکن کسی فیصلے پر پہنچنے سے پہلے مجھے خیال آیا کہ میری گفتگو یا میری خاموشی، درحقیقت میری ہر حرکت، محض لاطائل ثابت ہوگی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کسی کو کتنا پتا ہے یا کس بات کی پروا نہیں؟ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ منیجر کون ہے؟ بعض اوقات آدمی پر کوئی نکتہ اچانک پوری طرح روشن ہو جاتا ہے۔ اس معاملے کے غوامض سطح سے بہت نیچے، میری پہنچ سے اور میری دخل در معقولات کی بساط سے باہر، کہیں تھے۔

'دوسرے دن شام ہونے تک ہم نے رائے قائم کی کہ کرٹز کا اڈا کوئی آٹھ میل دور رہ گیا ہے۔ میں سفر جاری

www.urduchannel.in

رکھنا چاہتا تھا؛ لیکن منیجر پر سنجیدگی طاری تھی اور اس نے مجھے بتایا کہ آگے جا کر راستہ نہایت خطرناک ہے اور سورج بہت زیادہ ڈھل جانے کے پیش نظر قرین مصلحت یہی ہوگا کہ ہم جہاں ہیں صبح تک وہیں قیام کریں۔ مزید برآں، اس نے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ اگر احتیاط سے قریب آنے کی تاکید پر عمل کرنا مقصود ہے تو ہمیں دن کے وقت اڈے پر پہنچنا چاہیے — جھٹپٹے یا اندھیرے میں نہیں۔ بات خاصی معقول تھی۔ ہمارے لیے آٹھ میل کے معنی تھے تین گھنٹے کا سفر، اور مجھے دریا کی پھیلاوٹ کے بالائی سرے پر مشکوک ہلکورے بھی نظر آ رہے تھے۔ تاہم اس تاخیر پر میں ناقابل بیان حد تک چڑ گیا، اور وہ بھی بے حد نامعقول طور پر، کیوں کہ جہاں اتنے مہینے گزر چکے تھے وہاں مزید ایک رات سے کیا فرق پڑتا۔ چوں کہ ہمارے پاس ایندھن کافی تھا، اور احتیاط لازم ٹھیری، اس لیے میں نے بیچ دریا میں لنگر ڈالا۔ دریا کی یہ پھیلاوٹ تنگ اور سیدھی تھی اور دونوں طرف کگر اڑے تھے جیسے کسی پہاڑی جگہ سے گزاری گئی ریل کی پٹری کے دائیں بائیں ہوتے ہیں۔ سورج غروب ہونے سے بہت پہلے دھند لکا سرک سرک کر وہاں پھیلنے لگا۔ دھارا ہمواری اور تیزی سے بہہ رہا تھا مگر کناروں پر گونگا جمود ڈھی دیے بیٹھا تھا۔ لگتا تھا جیسے جیتے جاگتے درخت جنھیں بیلوں اور نیچے اُگنے والی ہر جاندار جھاڑی نے باہم دگر جکڑ دیا تھا، نازک سے نازک شاخ تک، ہلکی سے ہلکی ٹہنی تک، پتھر میں تبدیل ہو گئے ہوں۔ یہ نیند نہ تھی — غیر فطری کیفیت تھی، جیسے از خود رفتگی کا عالم۔ کسی قسم کا خفیف ترین شور بھی سننے میں نہ آتا تھا۔ آدمی حیرت زدہ ہو کر تکتا رہ جاتا اور گمان کرتا کہ وہ بہرا ہو گیا ہے۔ پھر یکا یک رات چھا جاتی اور آدمی کو اندھا بھی کر دیتی۔ پچھلے پہر کوئی تین بجے کسی بڑی مچھلی نے اہال کیا اور زور کا چھپاکا سن کر میں یوں اچھل پڑا جیسے کہیں بندوق چلی ہو۔ سورج نکلا تو، رات سے بھی زیادہ اندھا کر دینے والا، بہت گرم اور چپچپا، سفید کہرا چھایا ہوا تھا۔ وہ نہ تو ہمسے کا نام لیتا تھا نہ اُڑنے کا؛ وہ تو وہاں پر بس، چاروں طرف، کسی ٹھوس چیز کی طرح کھڑا ہوا، موجود تھا۔ آٹھ بجے، یا شاید نو بجے، کہرا اس طرح ہٹا جیسے کوئی شٹر اٹھ جائے۔ ہمیں درختوں کے بلند و بالا جمگھٹ، عظیم الشان ژولیدہ جنگل اور جنگل پر معلق سورج کی چھوٹی دہکتی ہوئی گیند کی جھلک دکھائی دی — ہر شے بالکل ساکت — اور پھر شٹر، انکے بغیر، گویا گرانے چڑھانے کے لیے بنی ہوئی چکنی چپڑی جھریوں میں پھسلتا ہوا، نیچے آ رہا۔ میں نے حکم دیا کہ لنگر کی زنجیر، جسے ہم نے کھینچ کر جہاز پر لانا شروع کر دیا تھا، دوبارہ دریا میں ڈالی جائے۔ زنجیر نے ابھی گھٹی گھٹی کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ گرنا ختم نہ کیا تھا کہ ایک چیخ، بہت زور کی چیخ، اپنے میں گویا بے پایاں ویرانی سموئے، آہستہ آہستہ کثیف فضا میں ابھری۔ ناپید ہوئی۔ ایک شکایت آمیز ہاؤ ہو، وحشیانہ بے سُرے پن سے لے بدلتی ہوئی، ہمارے کانوں میں گونجی۔ اس شور کے بالکل اچانک برپا ہونے سے ٹوپی کے نیچے میرے بال سرسرانے لگے۔ مجھے نہیں معلوم کہ دوسروں نے کیا محسوس کیا۔ وہ طوفانی اور ماتمی ہڑبونگ، اس قدر یک لخت اور بظاہر ہر طرف سے ایک ساتھ بلند ہوئی تھی کہ مجھے لگا جیسے خود کہرے نے چیخ ماری ہے۔ آخر میں یکا یک انتہا کی چیخم دھاڑ سنائی دی جو تقریباً ناقابل برداشت تھی۔ اور پھر وہ

www.urduchannel.in

چیخم دھاڑ دفعتاً رک گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم، جسم اکڑا کر، طرح طرح کی احمقانہ وضع بنائے، کھڑے کے کھڑے رہ گئے اور تقریباً اتنی ہی ہیبت ناک اور انتہا کی خاموشی کو مارے باندھے سنتے رہے۔ ''خدا کی پناہ! کیا مطلب ہے اس—'' میرے پہلو میں کھڑے ایک زائر نے ہکلا کر کہا— چھوٹا سا گول مٹول آدمی تھا وہ؛ زردی مائل سرخ بال اور لال گل مچھے، اور اس نے سائیڈ اسپرنگ بوٹ اور جرابوں میں اُڑسا ہوا گلابی پاجامہ پہن رکھا تھا۔ وہ اور زائر پورے ایک منٹ تک منھ کھولے کھڑے رہے، پھر لپک کر چھوٹے کیبن میں گئے اور ہاتھوں میں گھوڑا چڑھی و نچسٹر رائفلیں اٹھائے، بے تحاشا دوڑتے ہوئے باہر آئے اور سہمی سہمی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ ہمیں لے دے کر یا تو وہ دخانی نظر آرہا تھا جس پر ہم سوار تھے اور جس کے بیرونی خدوخال اس طرح دھندلائے ہوئے تھے جیسے وہ ہوا میں تحلیل ہوتے ہوتے رہ گیا ہو، یا اس کے اردگرد پانی کی شاید دو فٹ چوڑی پٹی دکھائی دے رہی تھی— اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ باقی دنیا، جہاں تک ہمارے کانوں اور آنکھوں کا تعلق تھا، کہیں تھی ہی نہیں۔ سرے سے ناپید، اُڑن چھو، غائب غلا! اپنے پیچھے کوئی سرسراہٹ یا پرچھائیں چھوڑے بغیر لپیٹی جا چکی تھی۔

'میں آگے گیا اور حکم دیا کہ زنجیر کو تھوڑا کھینچ کر رکھا جائے تاکہ ضرورت پڑتے ہی لنگر اٹھایا اور دخانی کو بڑھایا جا سکے۔ ''کیا وہ حملہ کریں گے؟'' ایک رعب زدہ آواز نے سرگوشی کی۔ ''اس کہرے میں تو ہم سب کی ٹکا بوٹی کر دی جائے گی،'' دوسری آواز بڑبڑائی۔ تناؤ کی وجہ سے چہرے پھڑک اور ہاتھ ذرا ذرا لرز رہے تھے، آنکھیں جھپکنا بھول گئی تھیں۔ گوروں اور ہمارے عملے کے کالے آدمیوں کے چہروں کی حالت کا فرق دیکھنے میں بہت عجیب لگ رہا تھا۔ دریا کا وہ حصہ ان کالوں کے لیے بھی اتنا ہی اجنبی تھا جتنا ہمارے لیے، اگرچہ ان کے گھر بار وہاں سے صرف آٹھ سو میل دور تھے۔ گورے، ظاہر ہے، بہت زیادہ بدحواس تھے۔ اس کے علاوہ اس بات کے آثار بھی تھے کہ اس بیہودہ چیخ پکار سے انھیں تکلیف دہ حد تک صدمہ پہنچا ہے۔ کالوں کے چہروں پر چوکنی، فطری طور پر شوق آمیز اور تجسس بھری کیفیت تھی؛ مگر ان کے چہرے، ان ایک دو آدمیوں تک کے چہرے جو لنگر کی زنجیر کھینچتے ہوئے دانت نپوڑ رہے تھے، اصل میں پُرسکون تھے۔ چند ایک کالوں نے مختصر، غراہٹ بھرے جملوں کا تبادلہ کیا، جن سے بظاہر یہ معاملہ ان کی مرضی کے مطابق نمٹ گیا۔ ان کا منکھیا، ایک جوان، چوڑی چھاتی والا حبشی، جس کے نتھنے خوف ناک اور تیل میں ڈوبے بال بڑی کاریگری سے مینڈیوں میں گندھے ہوئے تھے، گہرے نیلے حاشیے والے کپڑوں میں نہایت سادگی سے لپٹا، میرے قریب کھڑا تھا۔ ''اوہو!'' میں نے بھلمنساہٹ کی خاطر اس سے کہا۔ ''اسے پکڑو،'' اس نے خون اتری آنکھیں پھیلاتے اور نکیلے دانتوں کی جھلک دکھاتے ہوئے تڑخ کر کہا۔ ''اسے پکڑو۔ ہمیں دو۔'' ''تمھیں، ہیں؟'' میں نے پوچھا۔ ''تم ان کا کیا کرو گے؟'' ''کھائے گا!'' اس نے پھٹ سے کہا اور جنگلے پر کہنی ٹکا کر، باوقار اور انتہائی مغموم انداز میں، کہرے پر نظر جما دی۔ یہ سن کر مجھے صحیح معنی میں گھن آنی چاہیے تھی لیکن خیال گزرا کہ وہ اور اس کے ساتھی ضرور بہت بھوکے ہوں گے اور یہ کہ ان کی بھوک کم از کم اس

www.urduchannel.in

پچھلے ماہ کے دوران مسلسل بڑھتی جارہی ہوگی۔ انھیں نوکری کرتے چھ مہینے ہوگئے تھے (میرا خیال نہیں کہ ان میں سے کسی کے پاس وقت کا کوئی واضح تصور تھا جیسا کہ لاتعداد ادوار کے گزر چکنے کی وجہ سے ہمارے پاس ہے۔ ان کا تعلق ابھی وقت کے اوائل سے تھا۔ گویا کوئی ایسا تجربہ انھیں ورثے میں نہیں ملا تھا جو کچھ سکھا سکتا) اور ظاہر ہے، جب تک دریا کے پرلے سرے پر کاغذ کے کسی پرزے پر کسی نہ کسی مضحکہ خیز قانون کے مطابق لکھت پڑھت موجود تھی، یہ بات کسی کے ذہن میں نہ آئی ہوگی کہ ان کی گزر بسر کے بارے میں کوئی تردد کیا جائے۔ بے شک وہ اپنے ساتھ دریائی گھوڑے کا کچھ سڑا بسا گوشت لائے تھے لیکن اس کی خاصی مقدار زائرین نے شرم ناک بھڑ تنگا مچا کر دریا میں پھینک دی تھی؛ نہ پھینکتے تو بھی وہ زیادہ عرصے باقی نہ رہتا۔ زائرین کی کارروائی بے لحاظ حد تک ظالمانہ معلوم ہوتی تھی؛ لیکن حقیقت میں جائز حفظ ماتقدم کے ذیل میں آتی تھی۔ سوتے جاگتے، کھاتے پیتے مردار دریائی گھوڑا سونگھتے رہنا اور ساتھ ہی ساتھ زندگی پر اپنی کچی پکی گرفت قائم رکھنا ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ، ان کالوں کو ہر ہفتے پیتل کے تار کے، تقریباً نو انچ لمبے، تین ٹکڑے دیے جاتے؛ اور مفروضہ یہ تھا کہ وہ اس سکے کی مدد سے کنارے پر واقع دیہات سے اشیائے خورونوش خرید لیا کریں گے۔ تم سمجھ ہی سکتے ہو کہ عملاً کیا ہوا ہوگا۔ یا تو کنارے پر دیہات نہ تھے یا پھر دیہاتی بیر کھائے بیٹھے تھے، یا مینیجر — جو ہم سب کی طرح ٹین کے ڈبوں میں بند چیزیں، جن میں کبھی کبھار کسی بڈھے بکرے کا اضافہ ہو جاتا تھا، کھایا کرتا تھا — کسی کم وبیش گنجلک وجہ سے دخانی کو ٹھیرانا نہ چاہتا تھا۔ چناں چہ اگر وہ خود تارہی کو نگل نہ جاتے ہوں یا اس کے آنکڑے بنا کر مچھلیاں نہ پکڑ لیتے ہوں تو میری تو سمجھ میں آتا نہیں کہ اس چھپر پھاڑ تنخواہ سے انھیں کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ اتنا ضرور کہوں گا کہ تنخواہ ایسی باقاعدگی سے دی جاتی تھی جو ایک عظیم اور معزز تجارتی کمپنی کے شایان شان تھی۔ باقی یہ کہ کھانے کی جو واحد چیز میں نے ان کے پاس دیکھی — گو وہ ذرا بھی کھانے جوگی نظر نہ آتی تھی — وہ کسی ادھ پکے گندھے آٹے جیسی، میلے میلے ہلکے ارغوانی رنگ کی شے کی چند بھیلیاں تھیں، جنھیں وہ پتوں میں لپیٹ کر رکھتے اور کبھی کبھی ایک آدھ ٹکڑا توڑ کر کھا لیتے، لیکن وہ ٹکڑا اتنا چھوٹا ہوتا کہ لگتا جیسے قوت بسری کے سنجیدہ مقصد کے بجائے دکھاوے کی خاطر کھایا جارہا ہو۔ اب اس بارے میں سوچتا ہوں تو تعجب ہوتا ہے کہ انھوں نے بھوک کے تمام سوہان جاں شیطانوں کے نام لے کر ہم پر ہاتھ صاف کیوں نہ کیا — وہ تعیں تھے اور ہم پانچ — تاکہ ایک مرتبہ خوب ڈٹ کر پیٹ بھر لیتے۔ وہ قوی ہیکل اور تگڑے انسان تھے، جو اس بارے میں غور وخوض کرنے کی کوئی زیادہ اہلیت نہ رکھتے تھے کہ ان کے کیے کے کیا نتائج برآمد ہوں گے، جن میں حوصلہ اور ابھی تک، کس بل تھا، اگرچہ ان کی کھال کا چمکیلا پن اور پٹھوں کی سختی مفقود ہو چکی تھی۔ اور میں نے دیکھا کہ کوئی چیز آڑے آرہی ہے، انسانی رازوں میں سے کوئی راز جس کے سامنے احتمال کو بھی خاک نہیں سوجھتا۔ میں نے تیزی سے بیدار ہوتی دلچسپی سے کالوں کی طرف دیکھا۔ اس لیے نہیں کہ مجھے یہ خیال آیا کہ شاید کچھ ہی عرصے بعد وہ مجھے کھا جائیں گے؛ ویسے اتنا تمھارے سامنے قبولتا ہوں کہ

www.urduchannel.in

عین اس وقت — گویا ایک نئے رخ سے — مجھ پر انکشاف ہوا کہ زائرین کتنے مردار لگتے تھے اور میں نے امید کی، جی ہاں، سچ مچ امید کی کہ میری شکل صورت اتنی — کیا کہنا چاہیے؟ — اشتہا انگیز نہ تھی: عجیب و غریب خود پسندی کا ہلکا سا اثر جو اس وقت میرے شب و روز میں جاری و ساری خواب نما کیفیت سے خوب میل کھاتا تھا۔ شاید مجھے تھوڑا سا بخار تھا۔ ہمیشہ نبض پر انگلی رکھ کر تو آدمی جینے سے رہا۔ مجھے اکثر "تھوڑا سا بخار" یا دوسری باتوں کا ہلکا ہلکا اثر رہتا تھا۔ ویرانے کی چھیڑ چھاڑ جیسے ویرانہ میرے ساتھ چہلیاں کر رہا ہو، تمہیدی نوک جھوک جو اپنے وقت پر ہونے والی زیادہ سنگین یورش کا پیش خیمہ ہو۔ ہاں: میں نے ان کی امنگوں، نیتوں، صلاحیتوں اور کمزوریوں کے بارے میں متجسس ہو کر انھیں اس طرح دیکھا جیسے تم ہر اُس آدمی پر نظر ڈالو گے جسے کسی مبرم جسمانی احتیاج کی آزمائش کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو۔ ضبط! ایسا کون سا ضبط ممکن تھا؟ کیا توہم، کراہت، صبر، خوف نے انھیں باز رکھا تھا — یا کسی قسم کے قدیم احساس مروت نے؟ کوئی خوف ایسا نہیں جو بھوک کی تاب لا سکے، کوئی صبر ایسا نہیں جو بھوک کو منا سکے، جہاں بھوک ہو وہاں کراہت سرے سے موجود ہی نہیں ہوتی: اور جہاں تک توہم، عقیدوں اور اُن چیزوں کا تعلق ہے جنھیں تم اصول کہتے ہو، تو وہ ایسے ہیں جیسے ہوا کے سامنے بھُس، بلکہ اس سے بھی کم۔ کیا تمھیں علم نہیں کہ طول کھینچنے والی فاقہ زدگی کی خباثت، اشتعال انگیز عذابوں، وسوسوں، غمناک اور ایک ہی سوچ میں گم غضب ناکی کیا معنی رکھتی ہے؟ خیر، مجھے علم ہے۔ بھوک کا ٹھیک طرح مقابلہ کرنے کے لیے انسان کو اپنی تمام جبلی قوت بروئے کار لانی پڑتی ہے۔ اس قسم کی طول طویل بھوک سے تو کسی کی موت کا غم، بے عزتی اور آخرت میں روح کی ابدی خواری کو برداشت کرنا واقعی آسان ہے۔ یہ بات افسوس ناک سہی مگر ہے درست۔ اور ان کالوں کے پاس بھی کسی طرح کے تامل سے کام لینے کی قطعاً کوئی وجہ نہ تھی۔ ضبط! اگر میدانِ جنگ میں پڑی لاشوں کے درمیان دبے پاؤں گھومنے والے بجو سے ضبط کی توقع کی جا سکتی ہے تو میں مانے لیتا ہوں کہ وہ ضبط سے کام لے رہے تھے۔ لیکن جو حقیقت تھی وہ میرے سامنے تھی — خیرہ کن، دیدنی حقیقت، جیسے بیچ سمندر میں جھاگ، جیسے کسی اتھاہ چیستان کی سطح پر کوئی ہلکورا، کوئی اسرار جو — جب میں نے اس پر غور کیا تو — اُس وحشیانہ شور میں موجود مایوسانہ الم ناکی کی عجیب اور سمجھ میں نہ آنے والی لے سے عظیم تر تھا جسے دریا کنارے، کہرے کی اندھی سفیدی کی اوٹ میں، ہم نے پاس سے اٹھتے اور دور جاتے سنا تھا۔

'دو زائر تیز تیز سرگوشیاں کرتے ہوئے جھگڑ رہے تھے کہ شور کون سے کنارے پر مچا تھا۔ "بائیں۔" "نہیں نہیں! کیا بات کرتے ہو؟ ظاہر ہے، دائیں، دائیں!" "یہ بہت سنگین معاملہ ہے،" پیچھے سے منیجر کی آواز آئی۔ "اگر ہمارے پہنچنے سے پہلے مسٹر کرٹز کو کوئی حادثہ پیش آ گیا تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔" میں نے اس کی طرف دیکھا اور مجھے اس کے خلوص پر ذرا بھی شبہ نہ ہوا۔ وہ تھا ہی اس طرح کا شخص جو اپنا بھرم بنائے رکھنا چاہے گا۔ یہی اس کا ضبط تھا۔ لیکن جب اس نے بڑبڑا کر آگے چلنے کے متعلق کچھ کہا تو میں نے جواب دینے کی تکلیف بھی گوارا نہ کی۔

www.urduchannel.in

عین اس وقت — گویا ایک نئے رخ سے — مجھ پر انکشاف ہوا کہ زائرین کتنے مردار لگتے تھے اور میں نے امید کی، جی ہاں، سچ مچ امید کی کہ میری شکل صورت اتنی — کیا کہنا چاہیے؟ — اشتہا انگیز نہ تھی: عجیب وغریب خود پسندی کا ہلکا سا اثر جو اس وقت میرے شب وروز میں جاری وساری خواب نما کیفیت سے خوب میل کھاتا تھا۔ شاید مجھے تھوڑا سا بخار تھا۔ ہمیشہ نبض پر انگلی رکھ کر تو آدمی جینے سے رہا۔ مجھے اکثر "تھوڑا سا بخار" یا دوسری باتوں کا ہلکا ہلکا اثر رہتا تھا۔ ویرانے کی چھیڑ چھاڑ جیسے ویرانہ میرے ساتھ چھیڑچھاڑ کر رہا ہو، تمہیدی نوکا جھوکی جو اپنے وقت پر ہونے والی زیادہ سنگین یورش کا پیش خیمہ ہو۔ ہاں: میں نے ان کی امنگوں، نیتوں، صلاحیتوں اور کمزوریوں کے بارے میں متجسس ہو کر انھیں اس طرح دیکھا جیسے تم ہر اُس آدمی پر نظر ڈالو گے جسے کسی مبرم جسمانی احتیاج کی آزمائش کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو۔ ضبط! ایسا کون سا ضبط ممکن تھا؟ کیا تو ہم، کراہت، صبر، خوف نے انھیں باز رکھا تھا — یا کسی قسم کے قدیم احساسِ مروت نے؟ کوئی خوف ایسا نہیں جو بھوک کی تاب لا سکے، کوئی صبر ایسا نہیں جو بھوک کو مٹا سکے، جہاں بھوک ہو وہاں کراہت سرے سے موجود ہی نہیں ہوتی: اور جہاں تک توہم، عقیدوں اور اُن چیزوں کا تعلق ہے جنھیں تم اصول کہتے ہو، تو وہ ایسے ہیں جیسے ہوا کے سامنے بھُس، بلکہ اس سے بھی کم۔ کیا تمھیں علم نہیں کہ طول کھینچنے والی فاقہ زدگی کی خباثت، اشتعال انگیز عذابوں، وسوسوں، غمناک اور ایک ہی سوچ میں گم غضب ناکی کیا معنی رکھتی ہے؟ خیر، مجھے علم ہے۔ بھوک کا ٹھیک طرح مقابلہ کرنے کے لیے انسان کو اپنی تمام جبلی قوت بروئے کار لانی پڑتی ہے۔ اس قسم کی طول طویل بھوک سے تو کسی کی موت کا غم، بے عزتی اور آخرت میں روح کی ابدی خواری کو برداشت کرنا واقعی آسان ہے۔ یہ بات افسوس ناک سہی مگر ہے درست۔ اور ان کالوں کے پاس بھی کسی طرح کے تامل سے کام لینے کی قطعاً کوئی وجہ نہ تھی۔ ضبط! اگر میدانِ جنگ میں پڑی لاشوں کے درمیان دبے پاؤں گھومنے والے بجو سے ضبط کی توقع کی جا سکتی ہے تو میں مانے لیتا ہوں کہ وہ ضبط سے کام لے رہے تھے۔ لیکن جو حقیقت تھی وہ میرے سامنے تھی — خیرہ کن، دیدنی حقیقت، جیسے بیچ سمندر میں جھاگ، جیسے کسی اتھاہ چیستان کی سطح پر کوئی ہلکورا، کوئی اسرار جو — جب میں نے اس پر غور کیا تو — اُس وحشیانہ شور میں موجود مایوسانہ الم ناکی کی عجیب اور سمجھ میں نہ آنے والی لے سے عظیم تر تھا جسے دریا کنارے، کہرے کی اندھی سفیدی کی اوٹ میں، ہم نے پاس سے اٹھتے اور دور جاتے سنا تھا۔

'دو زائر تیز تیز سرگوشیاں کرتے ہوئے جھگڑ رہے تھے کہ شور کون سے کنارے پر مچا تھا۔ "بائیں۔" "نہیں نہیں! کیا بات کرتے ہو؟ ظاہر ہے، دائیں، دائیں!" "یہ بہت سنگین معاملہ ہے،" پیچھے سے منیجر کی آواز آئی۔ "اگر ہمارے پہنچنے سے پہلے مسٹر کرٹز کو کوئی حادثہ پیش آ گیا تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔" میں نے اس کی طرف دیکھا اور مجھے اس کے خلوص پر ذرا بھی شبہ نہ ہوا۔ وہ تھا ہی اس طرح کا شخص جو اپنا بھرم بنائے رکھنا چاہے گا۔ یہی اس کا ضبط تھا۔ لیکن جب اس نے بڑبڑا کر آگے چلنے کے متعلق کچھ کہا تو میں نے جواب دینے کی تکلیف بھی گوارا نہ کی۔

www.urduchannel.in

گیا ہے۔ میں نے باقاعدہ تقریر جھاڑ دی۔ ارے یارو، پریشان ہونے سے کچھ حاصل نہ ہوتا۔ چاروں طرف نظر رکھنی چاہیے تھی؟ تم قیاس کرلو کہ میں مطلع صاف ہونے کے آثار کے لیے کہرے پر اس طرح نظر جمائے ہوے تھا جیسے بلی چوہے کی تاک میں ہوتی ہے؛ لیکن اس کے سوا کسی مصرف کے لیے ہماری آنکھیں اتنی ہی بیکار تھیں جتنی وہ کچی روئی کے ڈھیر میں میلوں نیچے دبی ہونے کی صورت میں ہوتیں۔ محسوس بھی یہی ہو رہا تھا جیسے ہم کچی روئی کے انبار تلے دبے ہوے ہوں ـــــ دم گھٹتا ہوا، گرم گرم، سانس رکتی ہوئی۔ علاوہ ازیں، میں نے جو کچھ کہا تھا وہ سراسر حقیقت پر مبنی تھا گو بتنگڑ معلوم ہوتا تھا۔ جس واقعے کو بعد میں ہم حملے کے نام سے یاد کرتے رہے وہ دراصل ہمیں پسپا کرنے کی کوشش تھی۔ اس کارروائی کو جارحیت سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا ـــــ وہ تو عام مفہوم میں مدافعانہ تک نہ تھی، تنگ آمد بجنگ آمد جیسی کیفیت کے دباؤ میں آکر سرزد ہوگئی تھی اور اصل میں خالصتاً حفاظتی نوعیت کی تھی۔

'وہ کارروائی، یوں کہنا چاہیے، کہرا ہٹنے کے دو گھنٹے بعد زوروں پر آئی اور اس کا آغاز ایسے مقام سے ہوا جو، سرسری اندازے کے مطابق، کرنز کے اڈے سے تقریباً ڈیڑھ میل ادھر تھا۔ ہم نے لڑھتے پڑھتے اور ٹپے ٹوپے مارتے ہوے ایک موڑ کاٹا ہی تھا کہ مجھے بیچ دریا میں ایک چھوٹا سا ٹاپو، شوخ سبز رنگ کی محض ایک پُرگیاہ ٹیکری نظر پڑی۔ ٹاپو اکیلا ہی دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن جب ہم موڑ سے آگے بڑھے اور دریا دور تک پھیلا نظر آیا تو مجھے پتا چلا کہ وہ ٹاپو ایک لمبے چرکا، یا یوں کہنا چاہیے اتھلی تھگلیوں کی ایک الگ کا جو دریا کے بیچ میں پھیلی ہوئی تھی، اگلا سرا تھا۔ تھگلیاں بدرنگ اور موج آلود تھیں اور سب کی سب پانی کے نیچے بعینہٖ ایسی نظر آرہی تھیں جیسے آدمی کی ریڑھ کی ہڈی پیٹھ کے ٹیٹوں بیچ کھال کے نیچے پھیلی دکھائی دیتی ہے۔ اب، جہاں تک میں دیکھ سکتا تھا میرے لیے اس راس کے دائیں یا بائیں ہو کر گزرنا ممکن تھا۔ ظاہر ہے، میں دونوں راستوں سے ناواقف تھا۔ کنارے خاصے یکساں نظر آرہے تھے، گہرائی بھی ایک سی معلوم ہوتی تھی؛ لیکن مجھے چوں کہ بتایا گیا تھا کہ اڈا مغربی کنارے پر واقع ہے اس لیے میں نے لازمی طور پر مغربی گزرگاہ کا رخ کیا۔

'اس گزرگاہ میں اچھی بھلی طرح پیٹھنے کی دیر تھی کہ مجھے پتا چلا کہ وہ میرے اندازے سے کہیں زیادہ تنگ ہے۔ ہمارے بائیں ہاتھ پر لمبا سلگ بر یتا تھا، اور دائیں طرف، الف کی طرح کھڑا، اونچا ڈھانگ، جھاڑ جھنکاڑ سے اٹا ہوا۔ جھاڑیوں سے پرے درخت گھنی صفیں باندھے کھڑے تھے۔ ٹہنیوں پر ٹہنیاں دھارے پر جھکی تھیں اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کسی کسی درخت کا بڑا سا گدا، سختی سے تنا ہوا، دریا کے اوپر پھیلا نظر آتا تھا۔ اس وقت سہ پہر خاصی گزر چکی تھی، جنگل کے منہ پر اجاڑپن طاری تھا اور سائے کی ایک چوڑی پٹی ابھی سے پانی پر پھیل گئی تھی۔ اسی سائے میں ہم ـــــ جیسا کہ تم تصور کر سکتے ہو، بہت ہولے ہولے ـــــ آگے بڑھے۔ میں جہاز کو اصل راستے سے ہٹا کر کنارے کے بہت نزدیک لے گیا۔ دریا سب سے گہرا کنارے کے پاس تھا، جیسا کہ مجھے

www.urduchannel.in

گہرائی ناپنے کی بلّی سے معلوم ہوا تھا۔

'میرے بھوکے اور در گزر کرنے والے دوستوں میں سے ایک میرے بالکل نیچے جہاز کے کھوے میں کھڑا گہرائی ناپ رہا تھا۔ وہ دخانی ہو بہو کسی عرشے دار پٹیلے جیسا تھا۔ عرشے پر ساگوان کی لکڑی کے بنے ہوئے دو چھوٹے چھوٹے مکان جن میں دروازے اور کھڑکیاں۔ بوائلر اگلے سرے پر اور کل پرزے بالکل پیچھے۔ ان سب پر، تھونیوں کے سہارے ٹکی ہوئی، ہلکی پھلکی چھت۔ دُودکش چھت سے باہر نکلا ہوا، اور دودکش سے آگے ہلکے پھلکے تختوں کا چھوٹا سا کیبن جو پائلٹ خانے کا کام دیتا تھا۔ اس میں ایک کاؤچ، دوسری اسٹول، ایک کونے میں بھری ہوئی مارٹینی ہنری رائفل، ایک منّی سی میز اور سکان۔ اس کا ایک چوڑا دروازہ سامنے کی طرف کھلتا تھا اور دائیں بائیں ایک ایک چوڑی جھلملی تھی۔ ظاہر ہے دروازہ اور جھلملیاں ہر وقت کھلی رہتی تھیں۔ میں دن بھر دروازے کے سامنے، چھت کے اگلے سرے کی کگر پر بیٹھا رہتا۔ رات کو کاؤچ پر سو جاتا یا سونے کی کوشش کرتا۔ کسی ساحلی قبیلے سے تعلق رکھنے والا کسرتی ڈیل کا حبشی، جسے میرے بدنصیب پیشرو نے تربیت دی تھی، سکان گیر تھا۔ کانوں میں پیتل کے بندے سجائے، کمر سے ٹخنوں تک نیلے رنگ کی لنگی پہنے، وہ اپنے آپ کو خدا جانے کیا سمجھتا تھا۔ اس سے زیادہ غیر مستقل مزاج قسم کا احمق آج تک میرے دیکھنے میں نہیں آیا۔ جب تم پاس ہوتے تو وہ اس قدر اکڑ اکڑ سے جہاز دائیں بائیں کرتا کہ کچھ حد نہیں: لیکن ادھر تم اس کی نظر سے اوجھل ہوئے نہیں، اُدھر فی الفور اس کے پاؤں تلے سے زمین نکلی نہیں، اور منٹ بھر میں وہ اس لولے لنگڑے سے دخانی کے سامنے بے بس ہو کر رہ جاتا۔

'میں نیچے گہرائی ناپنے کی بلّی کی طرف دیکھ رہا تھا اور ہر جانچ کے بعد اسے دریا سے تھوڑا سا اور باہر نکلتا دیکھ کر بہت چڑ چڑا ہو چلا تھا کہ میں نے یکا یک اپنے بلّی بان کو کام سے دست بردار ہو کر عرشے پر چت لیٹتے دیکھا اور اس نے بلّی کو جہاز پر گھسیٹنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔ ویسے اس نے بلّی کو ہاتھ سے چھوڑا نہیں اور وہ پانی میں گھسٹتی رہی۔ اس وقت فائر مین، کہ وہ بھی نیچے میری نظر کے سامنے تھا، اچانک اپنی بھٹی کے سامنے بیٹھ گیا اور جلدی سے سر جھکا لیا۔ میں ہکا بکا رہ گیا۔ پھر مجھے نہایت تیزی سے دریا پر نظر ڈالنی پڑی کیوں کہ جہاز کے معمول کے راستے میں ایک زیر آب اَڑچن حائل تھی۔ چھڑیاں، چھوٹی چھوٹی چھڑیاں ـــــ تابڑ توڑ ـــــ ارد گرد اڑ رہی تھیں: میری ناک کے آگے زنانے بھرتی ہوئی، میرے قدموں تلے گرتی ہوئی اور میرے پیچھے پائلٹ خانے سے ٹکراتی ہوئی۔ اس تمام عرصے میں دریا، کنارہ، جنگل بہت پُر سکون رہے۔ بالکل پُر سکون۔ میں صرف پچھلے چرخ پہیے کے بھاری چھپاکوں کی دھپا دھپ اور ان چیزوں کے گرنے کی کھڑ بڑ سن سکتا تھا۔ ہم جوں توں کر کے اڑچن سے بچ نکلے۔ تیر، خدا کی قسم! ہم پر تیر برسائے جا رہے تھے۔ میں کنارے کی طرف کھلنے والی جھلملی گرانے کے لیے اندر لپکا۔ وہ احمق سکان گیر، اروں پر ہاتھ دھرے، گھٹنے اوپر اٹھائے، کسی باگ کھینچے گھوڑے کی طرح پاؤں پٹخ اور دانت کچکچا رہا تھا۔

www.urduchannel.in

لعنت ہو اس پر! ادھر ڈگ مگ ڈگ مگ کرتے ہم کنارے سے دس فٹ دور رہ گئے تھے۔ بھاری جھلملی گرانے کے لیے مجھے بالکل باہر جھکنا پڑا اور میں نے پتوں کے درمیان ایک چہرہ دیکھا جو میرے چہرے کے بالمقابل تھا اور بہت غضب ناک ہو کر مٹھی باندھے مجھے گھور رہا تھا۔ اور پھر اچانک، اس ژولیدہ تاریکی میں مجھے برہنہ سینے، بازو، ٹانگیں، قہر آلود آنکھیں یوں نظر آنے لگیں جیسے میری آنکھوں کے آگے سے کوئی پردہ ہٹ گیا ہو — جھاڑی کانسی کے رنگ کے، جھمکتے ہوئے، متحرک انسانی اعضا سے اٹی پڑی تھی۔ ٹہنیاں بلیں، لہرائیں اور سرسرائیں، ان میں سے تیر اُڑ اُڑ کر آئے اور پھر جھلملی گر گئی۔ ''جہاز سیدھا رکھو!'' میں نے سکان گیر سے کہا۔ وہ سراکڑا کر منہ آگے کی طرف کیے رہا؛ لیکن اس کی آنکھیں مٹکتی رہیں، وہ پاؤں دھیرے دھیرے اٹھاتا اور نیچے دھرتا رہا۔ اس کے منہ سے ذرا سا جھاگ نکل رہا تھا۔ ''نیچے بیٹھو!'' میں نے جھنجھلا کر کہا۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے ہوا چل رہی ہو تو کسی درخت کو حکم دیا جائے کہ ہلو مت۔ میں دوڑا ہوا باہر گیا۔ نیچے آہنی عرشے پر قدموں کی ہڑبونگ مچی ہوئی تھی؛ سراسیمہ ہاؤ ہو۔ کسی نے چیخ کر کہا، ''تم جہاز واپس موڑ سکتے ہو؟'' مجھے آگے سطح آب پر دو شاخہ نما ہلکورا نظر پڑا۔ کیا؟ ایک اور انکن! میرے قدموں تلے باڑھ چلی۔ زائرین نے رائفلیں داغنی شروع کر دی تھیں۔ وہ جھاڑیوں پر سچ مچ گولیوں کا مینہ برسا رہے تھے۔ ڈھیر سارا احرامی دھواں فضا میں بلند ہوا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ میں نے دھویں کو گالی دی۔ اب مجھے نہ ہلکورا دکھائی دے رہا تھا نہ انکن۔ میں دروازے میں کھڑا جھانکتا رہا اور تیروں کی بوچھار جاری تھی۔ تیر شاید زہر آلودہ ہوں مگر بظاہر تو معلوم ہوتا تھا کہ ان سے کوئی بلی بھی نہ مر سکتی ہوگی۔ جھاڑی سے درد بھری چلاہٹ بلند ہونے لگی۔ ہمارے لکڑہاروں نے جنگلی ہیلا مارا۔ رائفل چلنے کے دھماکے نے میرے کان بہرے کر دیے۔ میں نے مڑ کر دیکھا اور جب سکان کی طرف جھپٹا تو اس وقت بھی پائلٹ خانے میں ہر طرف دھواں اور شور بھرا ہوا تھا۔ اس گاؤدی حبشی نے جھلملی کھول کر مارٹینی رائفل داغنے کی خاطر ہر کام چھوڑ دیا تھا۔ وہ چوڑے موکھے میں کھڑا آنکھیں دکھا رہا تھا؛ میں نے چلا کر اسے واپس آنے کو کہا اور اتنے عرصے دخانی کا، جو اچانک پھر گیا تھا، رُخ درست کرتا رہا۔ اگر میں دخانی کو موڑنا بھی چاہتا تو ناکام رہتا کہ وہاں موڑنے کی گنجائش نہ تھی؛ انکن اس واہی تباہی دھویں میں چھپی آگے کہیں بالکل نزدیک تھی، تامل کرنے کا موقع مطلق نہ تھا۔ چناں چہ میں نے دخانی کو کنارے سے بھڑا دیا۔ عین کنارے سے، جہاں مجھے پتا تھا کہ پانی گہرا ہے۔

'اوپر جھکی ہوئی جھاڑیوں کو آہستہ آہستہ کھسوٹتے ہوئے ہم ٹوٹتی ٹہنیوں اور اُڑتی پتیوں کی گھمر ول میں بڑھے چلے گئے۔ نیچے رائفلوں کی شلک رک گئی؛ مجھے پہلے سے پتا تھا کہ میگزین خالی ہوتے ہی رک جائے گی۔ ایک دبکتی ہوئی زن زناہٹ سے بچنے کے لیے میں نے اپنا سر جھٹک کر پیچھے کر لیا۔ زن زناہٹ پائلٹ خانے کے آر پار ہو گئی، ایک جھلملی سے آئی اور دوسری سے باہر۔ اس باؤلے سکان گیر سے، جو خالی رائفل لہرا اور کنارے والوں کو للکار رہا تھا، پرے نظر ڈالی تو مجھے آدمیوں کی مبہم شکلیں نظر آئیں، جھکی جھکی دوڑتی ہوئی، اچھلتی، دبے پاؤں

www.urduchannel.in

سرکتی، واضح، نامکمل، اوجھل ہوتی ہوئی۔ کوئی بڑی سی چیز جھلملی کے سامنے ہوا میں نمودار ہوئی، رائفل دریا میں جا گری، آدمی تیزی سے پیچھے ہٹا اور سر گھما کر میری طرف عجیب، گمبھیر اور مانوس انداز سے دیکھا اور میرے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔ اس کے سر کا پہلو دو مرتبہ سکان سے ٹکرایا اور ایک لمبی چھڑی جیسی چیز کے سرے نے کھڑکھڑا کر گھومتے ہوئے ایک چھوٹا سفری اسٹول الٹ دیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ حبشی کنارے پر کھڑے کسی شخص سے وہ چیز جھٹکا دے کر چھیننے کے بعد اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا تھا۔ ہاکا دھواں چھٹ چکا تھا، ہم انکن سے بچ نکلے تھے اور سامنے دیکھنے پر مجھے نظر آیا کہ کوئی سو گز بعد جہاز کو بلا تکلف کنارے سے دور ہٹا سکوں گا؛ لیکن پاؤں اتنے زیادہ گرم اور بھیگے بھیگے محسوس ہو رہے تھے کہ مجھے نیچے دیکھنا ہی پڑا۔ وہ آدمی کروٹ لے کر چت ہو گیا تھا اور سیدھا میری طرف گھور رہا تھا؛ اس کے دونوں ہاتھ اس چھڑی کو دبوچے ہوئے تھے۔ وہ نیزے کا چھڑ تھا جو، موکھے کے راستے پھینکے یا بھونکے جانے کے بعد، اس کے پہلو میں پسلیوں کے بالکل نیچے لگا تھا؛ نیزے کی انی، ایک ہول ناک گھاؤ لگا کر، اتنے اندر اتر گئی تھی کہ نظر نہ آ رہی تھی۔ میرے جوتے بھر گئے تھے؛ خون کا ایک تھالا، سکان کے نیچے گہرا لال چمکتا ہوا، بہت ساکت تھا؛ اس کی آنکھیں حیرت ناک چمک سے روشن تھیں۔ بندوقوں کی باڑھ پھر چلی۔ اس نے، نیزے کو کسی قیمتی چیز کی طرح پکڑے پکڑے، میری طرف مشوش ہو کر اس طرح دیکھا جیسے اسے یہ ڈر ہو کہ میں اس سے نیزہ چھیننے کی کوشش کروں گا۔ اپنی آنکھوں کو اس کی ٹکٹکی سے چھڑانے اور جہاز چلانے پر متوجہ ہونے کے لیے مجھے بڑا زور لگانا پڑا۔ ایک ہاتھ بڑھا کر میں نے سر سے اوپر بھاپ کی سیٹی کی ڈوری ٹٹولی اور جلد جلد جھٹکے دے کر تیز، بے سری سیٹی بجائی۔ طیش آلود، جنگی ہاؤ ہو کا ہنگامہ فی الفور فرو ہو گیا اور پھر جنگل کی گہرائیوں سے سراسر مایوسی اور سوگوار خوف میں ڈوبی لرزتی ہوئی اور دیر تک سنائی دینے والی ایسی آہ و بکا بلند ہوئی کہ خیال آیا، دنیا سے آخری امید اٹھ جانے کے بعد اسی طرح کی آہ و بکا سننے میں آئے گی۔ جھاڑی میں بڑی ہلچل مچی؛ تیروں کی بوچھار تھم گئی، چند ایک بے ربط فائر متواتر تیزی سے گونجے۔ پھر خاموشی چھا گئی، جس میں پچھلے چرخ پہیے کی سست تال میرے کانوں کو صاف سنائی دی۔ میں نے سکان کو زور سے دائیں طرف موڑا ہی تھا کہ اسی لمحے گلابی پاجامے والا زائر، بہت تتمتایا اور تڑپڑایا، دروازے میں نمودار ہوا۔ ''منیجر صاحب نے مجھے بھیجا ہے کہ ــــ'' اس نے افسرانہ لہجے میں بولنا شروع کیا اور بیچ ہی میں رک گیا۔ ''خدایا!'' وہ زخمی آدمی کو گھورتے ہوئے بولا۔

''ہم دونوں گورے اس کے سر پر کھڑے تھے اور اس کی چمکیلی اور سوالی نظر نے ہمیں اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ میں دعوے سے کہتا ہوں، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی قابل فہم زبان میں ہم سے کچھ پوچھا ہی چاہتا ہے؛ مگر کوئی آواز نکالے، کسی عضو کو جنبش دے، کسی عضلے کو پھڑکائے بغیر ہی مر گیا۔ بس عین آخری لمحے میں، گویا کسی ایسے اشارے کا جواب دیتے ہوئے جسے ہم دیکھ نہ سکتے تھے، کسی ایسی سرگوشی کا جواب دیتے ہوئے جسے ہم سن نہ سکتے تھے، اس نے بہت زور سے تیوری چڑھائی اور اس چڑھی ہوئی تیوری نے اس کے مرن کھوٹے پر ایسی مغموم،

www.urduchannel.in

فکر آلود اور دھمکانے والی کیفیت طاری کر دی جسے تصور میں لانا ممکن نہیں۔ سوالی نظر کی چمک تیزی سے ماند پڑ کر ویران بے نوری میں تبدیل ہو گئی۔ ''تم سکان سنبھال سکو گے؟'' میں نے نہایت بے قرار ہو کر گماشتے سے پوچھا۔ وہ کسی کام کا معلوم نہ ہوتا تھا؛ لیکن میں نے جھٹ پٹ اس کا باز و تھام لیا اور وہ فوراً سمجھ گیا کہ جو ہو سو ہو، میں اس سے سکان گیر کا کام لے کر رہوں گا۔ سچ یہ ہے کہ میں جوتے اور موزے بدلنے کے لیے مریضانہ حد تک بے چین تھا۔ ''مر گیا،'' وہ شخص، بے انتہا مرعوب ہو کر بڑبڑایا۔ ''اس میں تو کوئی شک نہیں،'' میں نے تسموں کے ساتھ پاگلوں کی طرح زور آزمائی کرتے ہوئے، کہا۔ ''اور میں نے کہا، میرے خیال میں اس وقت تک مسٹر کرنز بھی مر چکے ہیں۔''

'وقتی طور پر یہی خیال باقی خیالوں پر حاوی تھا کہ کرنز مر چکا۔ انتہائی مایوسی کا عالم تھا، جیسے مجھے پتا چلا ہو کہ میں جس چیز کے حصول کے لیے کوشاں رہا تھا اس میں نام کو بھی ٹھوس حقیقت نہ تھی۔ اگر میں نے وہ تمام سفر صرف مسٹر کرنز سے بات چیت کرنے کی غرض سے کیا ہوتا تو بھی اور زیادہ متنفر نہ ہو سکتا۔ بات چیت کرنے... میں نے ایک جوتا دریا میں پھینکا اور مجھ پر انکشاف ہوا کہ دراصل میں اسی چیز کی — کرنز کے ساتھ بات چیت کی — آس لگائے بیٹھا تھا۔ مجھے ایک عجیب بات سُجھائی دی کہ میں نے تصور میں کرنز کو کبھی کچھ کرتے ہوئے نہ دیکھا تھا، سمجھے بھئی، بس بولتے چالتے سنا تھا۔ میں نے خود سے یہ نہیں کہا، ''اب میں اسے کبھی دیکھ نہ پاؤں گا،'' یا ''اب میں کبھی اس سے مصافحہ نہ کر سکوں گا۔'' بلکہ یہ کہا، ''اب میں اسے کبھی بولتے نہ سنوں گا۔'' وہ شخص آواز بن کر سامنے آیا تھا۔ یہ نہیں کہ میں نے اس سے کسی قسم کی کارگزاری کو وابستہ نہ کیا ہو۔ تحسین اور حسد کے اظہار کے جتنے بھی لہجے ممکن تھے کیا ان سب کے ذریعے مجھے بتایا نہ جا چکا تھا کہ باقی تمام گماشتوں سے زیادہ ہاتھی دانت اس نے اکٹھا اور تبادلے میں حاصل کیا تھا اور مکاری سے چھینا یا چرایا تھا؟ نکتہ یہ نہیں تھا۔ نکتہ یہ تھا کہ وہ خداداد صلاحیتوں کا مالک تھا اور ان تمام صلاحیتوں میں جو صلاحیت انتہائی امتیازی شان کی حامل تھی، جو یہ احساس دلاتی تھی کہ ہم کسی سچ مچ کی شے سے دوچار ہیں، وہ تھی اس کی گفتگو کرنے کی اہلیت، اس کے الفاظ — قدرت کی طرف سے تحفے میں ملنے والا زورِ اظہار، وہ ششدر کرنے اور جگمگا دینے والا، سب سے ارفع اور سب سے ذلیل، نور کا کبھی چڑھتا کبھی اترتا دھارا یا کسی ناقابل گزر ظلمت کے قلب سے امنڈنے والا پُر فریب بہاؤ۔

'دوسرا جوتا بھی اڑتا ہوا اس دریا کے شیطانی دیوتا کے حضور میں پہنچ گیا۔ میں نے سوچا، ''قسم سے، قصہ ختم ہوا۔ ہم نے آتے آتے بہت دیر کر دی؛ وہ گم ہو چکا ہے — وہ خداداد عطیہ، کسی نیزے یا تیر یا گرز کی بدولت گم ہو چکا ہے۔ اس شخص کو گفتگو کرتے سننا مجھے کبھی نصیب ہی نہ ہوگا'' — اور مجھ پر غم کا جو احساس مسلط تھا، جس کی چونکا دینے والی افزونی معقولیت کی تمام حدوں کو پھلانگ چکی تھی، وہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا میں نے جھاڑیوں میں چھپے حبشیوں کے واویلا کرتے اندوہ میں مشاہدہ کیا تھا۔ اگر مجھ سے میرا کوئی عقیدہ چھن جاتا یا تقدیر بدلنے کا جو

www.urduchannel.in

موقع زندگی میں ملتا اس سے فائدہ نہ اٹھا سکتا تو بھی بے یارو مددگار برباد ہو جانے کا جو احساس کسی طور ہوتا وہ میرے اُس وقت کے احساس سے بڑھا ہوا نہ ہو سکتا۔ کون صاحب کس لیے اس گھناؤنے انداز میں آہیں بھر رہے ہیں، کوئی تو ہے؟ مہمل؟ خیر، مہمل ہی سہی۔ یا خدا! کیا آدمی بھی — بھی ذرا سا تمبا کو دینا مجھے۔' ...

گمبھیر سکوت کا وقفہ آیا، پھر ایک دیا سلائی جلی اور مارلو کا لاغر چہرہ، گاڑھی یکسوئی کا انداز لیے سامنے آیا — تھکا ہارا، پچکا پچکا، لٹکی ہوئی جھریاں اور ڈھلکے ہوئے پپوٹے؛ اور جب اس نے پائپ کے زور زور سے کش لیے تو وہ چہرہ ننھے شعلے کی باقاعدگی سے بڑھتی گھٹتی ٹمٹماہٹ میں کبھی پیچھے ہٹتا، کبھی رات کی تاریکی میں سے ابھرتا معلوم ہوتا۔ دیا سلائی بجھ گئی۔

'مہمل!' اس نے زور سے کہا، 'دوسروں کو کچھ بتانے کی کوشش کا بدترین پہلو یہ ہے... تم سب یہاں موجود ہو، ہر کوئی دو اچھے بھلے پتوں کے ساتھ مضبوطی سے بندھا ہوا، جیسے کسی جہاز کا پنجر جو دو ہرے لنگر ڈالے کھڑا ہو؛ ایک کونے سے آگے قصائی، دوسرے کونے سے آگے سپاہی، کھل کر بھوک لگتی ہے، درجہ حرارت نارمل — سنتے ہو — سال کے اس سرے سے اُس سرے تک نارمل۔ اور تم کہہ رہے ہو، مہمل! مہمل جائے بھاڑ میں! مہمل! ارے یارو، تم اس آدمی سے اور کیا توقع رکھ سکتے ہو جس نے ابھی ابھی سراسر بے اوسانی کے عالم میں جوتوں کا نیا جوڑا اٹھا کے دریا میں پھینک دیا ہو؟ اب بھی اس بارے میں سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ میں نے آنسو کیوں نہ بہائے۔ مجھے، ہر لحاظ سے، اپنی قوت برداشت پر ناز ہے۔ خداداد قابلیتوں کے مالک کرٹز کی گفتگو سننے کے بے بہا استحقاق سے محروم رہ جانے کے خیال سے میرے دل پر گہری چوٹ لگی۔ ظاہر ہے، مجھے غلط فہمی ہو گئی تھی۔ وہ استحقاق میرا منتظر تھا۔ ارے ہاں، بہت باتیں سننے کو ملیں، ضرورت سے بھی زیادہ۔ اور میرا اندازہ درست نکلا۔ ایک آواز۔ وہ آواز ہی آواز تھا۔ آواز کے سوا شاید ہی کچھ ہو۔ اور میں نے اسے — یعنی اس آواز کو — دوسری آوازوں کو سنا — کہ وہ سب لوگ آوازوں سے بس یوں ہی سے کچھ زیادہ تھے۔ اور خود اُن دنوں کی یاد، موہوم سی یاد، ایک عظیم، احمقانہ، زشت، واہیات، وحشیانہ یا محض پوچ اور بالکل بے معنی زق زق کی ختم نہ ہوتی ہوئی تھرتھراہٹ کے مانند میرے اردگرد منڈلاتی رہتی ہے۔ آوازیں، آوازیں — خود وہ لڑکی بھی — اب —'

وہ دیر تک خاموش رہا۔

'آخرکار،' اس نے یکبارگی بولنا شروع کیا، 'میں نے اس کی صلاحیتوں کے واہمے کو جھوٹ بول کر ٹھکانے لگا دیا۔ لڑکی! کیا؟ کیا میں نے کسی لڑکی کا ذکر کیا؟ اوہ، اُس لڑکی کا اس کہانی سے کوئی تعلق نہیں۔ قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ ان کا — میرا روئے سخن عورتوں کی طرف ہے — اس کہانی سے کوئی تعلق نہیں۔ اور ہونا بھی نہ چاہیے۔ آیئے، انھیں اپنی اسی خوش نما دنیا میں ٹھیرے رہنے میں مدد دیں، مبادا ہماری دنیا کا مزید ستیاناس ہو جائے۔ اوہ، یہ ضروری ہے کہ اُس لڑکی کا اس کہانی سے کوئی تعلق نہ ہو۔ کاش تم مسٹر کرٹز کے قبر سے نکلے مردے جیسے جسم کو 'میری

www.urduchannel.in

منگیتر'' کہتے سن سکتے۔ تمہیں فوراً محسوس ہو جاتا کہ وہ کتنے مکمل طور پر اس کہانی سے غیر متعلق ہے۔ اور مسٹر کرنز کی پیشانی کی بلند ہڈی! کہتے ہیں بعض آدمیوں کے بال اُگتے ہی رہتے ہیں، لیکن یہ — ہوں — نمونہ شاندار طور سے گنجا تھا۔ ویرا نے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور، ملاحظہ ہو، وہ گیند کی طرح — ہاتھی دانت کی گیند کی طرح — ہو گیا۔ ویرا نے نے اسے چمکارا اور — لو دیکھو! — وہ چڑ مر ہو کر رہ گیا؛ ویرا نے نے اسے اپنا بنا لیا تھا، چوما چاٹا تھا، گلے لگایا تھا، رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا، گوشت پوست گھلا دیا تھا اور اپنا محرم اسرار بنانے کی کسی شیطانی رسم کی تصور میں نہ آنے والی تقریبات کے ساتھ اس کی روح کو اپنی روح سے نتھی کر لیا تھا۔ وہ ویرا نے کا نازوں کا پالا اور بگڑا ہوا لاڈلا تھا۔ ہاتھی دانت؟ میں کیا کہوں۔ ڈھیروں ہی تھا، چٹوں کے چپٹے لگے ہوئے تھے۔ مٹی گارے کا بنا وہ پرانا جھونپڑا ہاتھی دانت سے پھٹا پڑ رہا تھا۔ خیال آتا تھا کہ ملک بھر میں زمین پر یا زمین کے نیچے ایک بھی ہاتھی دانت نہ بچا ہوگا۔ ''زیادہ تر مجر؛'' منیجر نے حقارت آمیز لہجے میں رائے زنی کی۔ اگر مجھے مجر مان لیا جائے تو پھر اس ہاتھی دانت کو بھی مجر تسلیم کرنے میں ہرج نہیں؛ لیکن کھود کر نکالے ہوئے ہاتھی دانت کو وہ مجر ہی کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حبشی کبھی کبھار ہاتھی دانت کو زمین میں دبا بھی دیتے ہیں۔ لیکن بظاہر وہ اس پوٹ کو اتنا گہرا نہ گاڑ سکے تھے کہ خداداد صلاحیتوں کے مالک کرنز کو شامت اعمال سے بچا سکتے۔ ہم نے دخانی کو ہاتھی دانت سے پاٹ دیا اور بہت سے ہاتھی دانت کا عرشے پر بھی انبار لگانا پڑا۔ اس طرح جب تک مسٹر کرنز کی آنکھوں میں دم رہا وہ ہاتھی دانت کو دیکھ دیکھ کر محظوظ ہوا کیا، کیوں کہ اس کرم فرمائی کو اس نے آخری سانس تک قدر کی نظر سے دیکھا۔ کاش تم اسے یہ کہتے سن سکتے: ''میرا ہاتھی دانت۔'' جی ہاں، میں نے اسے بولتے سنا: ''میری منگیتر، میرا ہاتھی دانت، میرا اڈا، میرا در یا، میرا —'' ہر چیز اس کی تھی۔ اس پر میں دم بخود ہو کر یہ توقع کرنے لگا کہ ویرا نے کو یکا یک ایسا مہیب قہقہہ مارتے سنوں گا کہ ثوابت اپنی جگہوں سے ہل جائیں گے۔ ہر چیز اس کی تھی — لیکن یہ تو معمولی سی بات تھی۔ معلوم تو یہ کرنا چاہیے تھا کہ وہ کس کا تھا، ظلمتوں کی کتنی قوتوں کا اس کی ذات پر دعویٰ تھا۔ اس خیال کے آتے ہی پورے بدن پر چیونٹیاں سی رینگنے لگتی تھیں۔ یہ تصور کرنے کی کوشش ناممکن ہی نہیں، آدمی کے حق میں اچھی بھی نہ تھی۔ وہ اس سرزمین کے شیاطین کے درمیان بہت اونچے مرتبے پر فائز ہو چکا تھا — میرا کہا حرف بہ حرف سچ ہے۔ یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتی۔ سمجھ میں آئے بھی کیسے؟ تمہارے قدموں تلے ٹھوس کھڑنجا ہے، مہربان ہمسایوں میں گھرے ہوئے ہو جو تمہارا حوصلہ بڑھانے یا تم پر ٹوٹ پڑنے کو تیار رہتے ہیں، تم جو پاگل خانوں اور پھانسیوں اور رُسوا کن چہ میگوئیوں کی خداواسطے کی آفتوں میں قصائی اور پولیس کے سپاہی کے درمیان پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہو۔ تم کیا جانو کہ آدمی کے پاؤں جب قید و بند سے آزاد ہوں تو اسے تنہائی کے راستے — مکمل تنہائی جس میں پولیس کے سپاہی کا نام نہیں ہوتا — اور سکوت کے راستے — مکمل سکوت جس میں کسی مہربان پڑوسی کی خبردار کرنے والی آواز سرگوشیوں میں رائے عامہ کا ذکر کرتی سنائی نہیں دیتی — اوّلین ادوار کے

www.urduchannel.in

کون سے خطے میں پہنچا آئیں؟ انھیں ذرا ذرا سی باتوں سے بڑا سارا فرق پڑ جاتا ہے۔ یہ باتیں نہ ہوں تو آدمی خود اپنی خلقی طاقت کا، خود اپنی وفادار رہنے کی صلاحیت کا سہارا ڈھونڈنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ ممکن ہے کہ تم اتنے احمق ہو کہ غلط راہ پر پڑ ہی نہ سکو۔ یا اتنے غبی نکلو کہ تمھیں یہی پتا نہ چلے کہ اندھیرے کی طاقتیں تم پر یلغار کر رہی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی احمق نے آج تک شیطان کے ساتھ اپنی روح کا سودا نہیں کیا۔ یا تو احمق بہت زیادہ احمق ہوتا ہے یا شیطان بہت زیادہ شیطان — مجھے نہیں معلوم کہ کون سی بات صحیح ہے۔ یا شاید تم اس غضب کی محتشم ہستی ہو کہ سماوی نظاروں اور نداؤں کے سوا نہ تمھیں کچھ نظر آتا ہو نہ سنائی دیتا ہو۔ پھر تو یہ دنیا تمھارے لیے محض کھڑے کھڑے تماشا دیکھنے کی جگہ ہے — اور میں جھوٹوں بھی یہ کہنا نہیں چاہتا کہ دنیا کا ایسا ہونا تمھارے حق میں سودمند ہے یا نقصان دہ۔ لیکن ہم میں سے بیشتر نہ تو ایسے ہیں نہ ویسے۔ ہمارے لیے دنیا رہنے سہنے کی جگہ ہے جہاں ہمیں نظاروں، آوازوں، اور — قسم سے! — بدبوؤں تک کو پتا مار کے سہنا پڑتا ہے۔ مردہ دریائی گھوڑے کو، گویا، سونگھتے بھی رہتے ہیں اور اس سے اٹھنے والی سڑاند سے بیمار بھی نہیں ہوتے۔ اور، دیکھتے نہیں؟ ایسے ہی موقعوں پر تو تمھارا کس بل کام آتا ہے، یہ یقین آڑے آتا ہے کہ تم ان اغویات کو دفنانے کے لیے گڑھے کھودنے کی صلاحیت رکھتے ہو اور وہ بھی دھوم دھڑکے کے بغیر — تباہ کیے جانے کی جو طاقت تم میں ہے وہ کام آتی ہے، خود سے تباہ کرنے کی طاقت نہیں بلکہ کسی مبہم، کمر توڑ کام سے تباہ کیے جانے کی طاقت۔ اور یہ خاصا دشوار کام ہے۔ خیال رہے، میں معذرت تو کیا کوئی تشریح کرنے کی کوشش بھی نہیں کر رہا۔ میں تو اپنی طرف سے یہ جاننے کی کوشش میں لگا ہوا ہوں کہ مسٹر کرٹز کے — مسٹر کرٹز کے آسیب کی لم کیا تھی۔ ہُو کے مقام سے آنے والے اس محرم راز پرچھائیں نے بالکل ہی ناپید ہو جانے سے پہلے مجھے اپنے حیرت انگیز اعتماد میں لینے کا شرف بخشا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مجھ سے انگریزی میں بات کر سکتا تھا۔ اصلی کرٹز نے جزوی طور پر انگلستان میں تعلیم پائی تھی۔ اس کی ماں نیم انگریز اور باپ نیم فرانسیسی تھا۔ تمام یورپ نے کرٹز کی تخلیق میں ہاتھ بٹایا تھا؛ اور تھوڑے ہی عرصے بعد مجھے پتا چلا کہ وحشیانہ رسوم کے انسداد کی بین الاقوامی کمیٹی نے نہایت مناسب طور پر مستقبل میں اپنی رہنمائی کی غرض سے، اسے ایک رپورٹ تیار کرنے کا کام سونپا تھا۔ اور اس نے وہ رپورٹ قلم بند بھی کر لی تھی۔ میں نے وہ رپورٹ دیکھی ہے۔ پڑھی ہے۔ رپورٹ فصیح زبان میں تھی، جس سے فصاحت ٹپکی پڑتی تھی مگر، میری رائے میں، بہت زیادہ اعصابی ہیجان کی غماز۔ اتنا وقت اسے میسر آ گیا تھا کہ سترہ صفحے گنجان تحریر کے لکھ ڈالے! لیکن یہ تحریر ضرور — یوں کہنا چاہیے — اس کے اعصاب میں وہ خلل واقع ہونے سے پہلے کی ہوگی جس کے سبب اس نے ناگفتہ بہ رسموں پر ختم ہونے والے چند نیم شبانہ ناچوں کی صدارت فرمائی، اور وہ رسمیں — جہاں تک کہ میں مختلف اوقات میں سنی ہوئی باتوں سے بادلِ ناخواستہ اخذ کر سکا — خود اس کے — سمجھے؟ — خود مسٹر کرٹز کے اعزاز میں ادا کی گئی تھیں۔ لیکن وہ رپورٹ نگارش کا دل پذیر نمونہ تھی۔ تمہیدی پیرا، بہرحال، بعد میں حاصل ہونے والی

www.urduchannel.in

معلومات کی روشنی میں، مجھے اب بدشگونی بھرا معلوم ہوتا ہے۔ آغاز اس دلیل سے کیا گیا تھا کہ ہم گورے لوگ ترقی کی جس حد کو چھو چکے ہیں اسے مدنظر رکھا جائے تو ''لازمی طور پر ان (وحشیوں) کو مافوق الفطرت قسم کی ہستیاں نظر آئیں گے — ہم کسی دیوتا جیسی طاقت کے ساتھ ان کے نزدیک آتے ہیں،'' اور اسی طرح کی اور بہت سی باتیں۔ ''اپنی قوت ارادی سے محض ذرا سا کام لے کر ہم فلاح و بہبود کی ایسی طاقت کو بروئے کار لا سکتے ہیں جو واقعی لامحدود ہو،'' وغیرہ وغیرہ۔ اس مقام سے کرٹز نے بلند پروازی شروع کی، اور مجھے اپنے ساتھ لے اُڑا۔ رپورٹ کے آخر میں بحث کا خلاصہ نہایت شاندار تھا، گو اسے یاد رکھنا، سمجھے بھی، مشکل تھا۔ اسے پڑھ کر مجھے محسوس ہوا کہ کوئی غرابت آمیز بے کراں وسعت ہے اور اس پر ایک ذی وقار فیض رسانی حکمراں ہے۔ میرا تن بدن جوش و خروش سے جھنجھنا اٹھا۔ یہ تھی وہ لامحدود طاقت جو فصاحت — الفاظ — آتش بجاں اصیل الفاظ اپنے میں رکھتے ہیں۔ رپورٹ میں عملی تجاویز کی طرف ایسے اشارے کہیں نہ تھے جو جملوں کی طلسمی رو کو منقطع کر سکتے۔ یہ الگ بات ہے کہ آخری صفحے کے نچلے حصے پر درج ایک طرح کے حاشیے کو، جسے بظاہر خاصے دن بعد کانپتے ہاتھ سے گھسیٹا گیا تھا، ایک طریق کار کی توضیح سمجھ لیا جائے۔ حاشیہ بہت سادہ تھا اور اس پُر اثر التجا کے آخر میں، جس میں ہر بے غرضانہ جذبے سے مدد طلب کی گئی تھی، درخشاں اور ہولناک انداز میں، اس طرح چمک دکھاتا نظر آ رہا تھا جیسے صاف روشن آسمان پر بجلی کا کوندا۔ ''تمام وحشیوں کو نیست و نابود کر دو!'' تعجب اس پر ہے کہ بظاہر وہ اس گراں قدر پس نوشت کو بالکل بھول چکا تھا کیوں کہ بعد میں، جب وہ گویا آپے میں آ گیا، تو اس نے رہ رہ کر مجھ سے درخواست کی کہ ''میرے پمفلٹ'' (وہ اسے یہی نام دیتا تھا) کا آگے چل کر اس کے کیریر پر اچھا اثر پڑنا یقینی ہے، لہٰذا اسے سنبھال کے رکھا جائے۔ مجھے ان تمام امور سے کماحقہ معلومات حاصل ہے، اور علاوہ ازیں، جیسا کہ آگے چل کر ظاہر ہوا، اسے یاد رکھنے کا ذمہ بھی میرے ہی سر پڑا۔ میں اس کے واسطے اتنا کچھ کر چکا ہوں کہ مجھے یہ ناقابل تردید حق حاصل ہے کہ اگر چاہوں تو اسے ترقی کے گھوڑے پر پھینک کر، تمام کوڑے کرکٹ، اور استعارے کی زبان میں، تہذیب و تمدن کی تمام مردار بلیوں کے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹھکانے لگا دوں۔ لیکن، دیکھو بھئی، قصہ یہ ہے کہ ایسا کرنا میرے اختیار میں نہیں۔ وہ بھلایا نہ جائے گا۔ وہ جو کچھ بھی تھا، عام آدمی نہیں تھا۔ اسے قدرت حاصل تھی کہ کچی پکی روحوں کو موہ کر یا دھمکا کر اپنے اعزاز میں کوئی بلا بتر بھوت ناچ ناچنے پر مجبور کر دے؛ اور وہ زائرین کی ٹیاں سی روحوں میں بھی تخم وسوسے گھول سکتا تھا۔ اس کی کم از کم ایک پُر خلوص رفیقہ تھی، اور اس نے دنیا میں ایک ایسی روح کو مسخر کیا تھا جو نہ تو کچی پکی تھی نہ خودکامی میں ملوث تھی۔ نہیں، میں اسے بھلا نہیں سکتا، گو میں اس بات کی تصدیق کرنے پر آمادہ نہیں کہ آدمی ہونے کے ناتے وہ ہر لحاظ سے اتنا ہی قابل قدر تھا جتنی کہ وہ زندگی جو اس کے پاس پہنچنے کے چکر میں ہم سے چھن گئی۔ میں نے اپنے سابق سکان گیر کی کمی بری طرح محسوس کی۔ مجھے تو اس کی کمی اس وقت بھی محسوس ہوئی تھی جب اس کی لاش ابھی پائلٹ

www.urduchannel.in

خانے میں پڑی تھی۔ شاید تمہیں ایک وحشی کے لیے اتنا تاسف عجیب و غریب معلوم ہو، جو کسی کالے صحرا میں ریت کے ذرّے سے زیادہ وقعت نہ رکھتا تھا۔ بھئی، دیکھتے نہیں، اس نے کچھ کیا تو تھا۔ سکان تھام کر جہاز چلایا تھا؛ مہینوں میری پشت پر موجود رہا تھا — سہارا بن کر — آلہ کار بن کر۔ یہ ایک طرح کی شراکت تھی۔ وہ میرے لیے سکان گیری کرتا۔ میں اس کا خیال رکھتا، اس کی خامیوں کے بارے میں فکر مند رہتا، اور اس طرح ہمارے درمیان لطیف رشتہ قائم ہو گیا جس کا احساس مجھے صرف اس وقت ہوا جب وہ اچانک ٹوٹا۔ اور زخم کھا کر جو نظر اس نے مجھ پر ڈالی تھی اس کی مانوس گہرائی آج تک میرے حافظے میں صحیح سلامت ہے — جیسے دور دراز کی کسی رشتے داری کا دعویٰ جس پر ایک عظیم ترین لمحے میں مہر تصدیق ثبت ہوئی ہو۔

'احمق کہیں کا: کاش وہ اس جھلملی کو چھیڑنے کا بچگانہ لیتا۔ صبر کا مادّہ اس میں تھا ہی نہیں، ذرّہ برابر بھی نہیں — بالکل کرنز کی طرح — ہوا کے جھونکوں سے ہلنے جلنے والا درخت۔ سوکھی چپلوں کا جوڑا پہنتے ہی پہلے میں نے پہلو میں گڑے نیزے کو جھٹکا دے کر باہر نکالا، اور یہ کارروائی، مجھے اعتراف ہے، آنکھیں خوب میچ کر کی، پھر اسے گھسیٹ کے باہر لے گیا۔ چھوٹی چوکھٹ پر اس کی ایڑیاں ایک ساتھ اُچھلیں؛ اس کے مونڈھے میری چھاتی سے لگے ہوئے تھے؛ میں نے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہوئے اسے پیچھے سے اپنے سینے سے لپٹا رکھا تھا۔ اوہ، وہ بھاری تھا، بھاری، اس قدر کہ میرے خیال میں دنیا بھر میں کوئی آدمی اتنا بھاری نہ ہوگا۔ پھر مزید لے دے کے بغیر اسے دریا میں دھکیل دیا۔ دھارا اسے یوں کھینچ کر لے گیا جیسے وہ گھاس کا پولا ہو، اور میں نے لاش کو، نظروں سے اوجھل ہونے سے پہلے، دو مرتبہ الٹ پلٹ ہوتے دیکھا۔ اس وقت تمام زائر اور منیجر چھوٹے عرشے پر پائلٹ خانے کے اردگرد مجتمع ہو کر، ہلسائی ڈومنیوں کے جھلڑ کی طرح، آپس میں چائیں چائیں کر رہے تھے اور میرے سنگدلانہ اُتاولے پن پر سخت صدمے سے دوچار ہو کر کھسر پھسر کرنے لگے۔ سمجھ میں نہیں آتا وہ کس لیے چاہتے تھے کہ لاش وہیں پڑی رہے۔ اسے حنوط کر کے رکھنے کا سوچتے ہوں شاید۔ لیکن نچلے عرشے سے ایک اور، اور بہت ہی بھیانک، سرگوشی میرے سننے میں آئی تھی۔ میرے دوست لکڑہاروں کو بھی یکساں طور پر شدید صدمہ پہنچا تھا، اور ان کے پاس برا ماننے کی وجہ بھی زیادہ معقول تھی — گو میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ وجہ تھی بالکل ناقابل قبول۔ اوہ، بالکل! میں نے دل میں ٹھان لیا تھا کہ اگر میرے سابق سکان گیر کو کسی کا نوالہ بننا ہے تو اسے ہڑپ کرنے کا موقع صرف مچھلیوں کو ملے گا۔ وہ زندگی میں بہت گھٹیا سکان گیر ثابت ہوا تھا لیکن مرنے کے بعد ممکن تھا کہ بہت بڑھیا ترغیب ثابت ہوتا اور اس کی وجہ سے ہوش اڑا دینے والا کوئی بلوا ہو جاتا۔ اس کے علاوہ مجھے سکان سنبھالنے کی فکر پڑی ہوئی تھی کیوں کہ گلابی پاجامے والا اس کام کی حد تک خود کو پرلے درجے کا کودن ثابت کر چکا تھا۔

'اس سادہ مُردہ اُٹھائی کے پورا ہوتے ہی میں نے سکان سنبھال لیا۔ ہم نصف رفتار سے، بیچ منجھدھار میں جہاز ڈالے، چلے جا رہے تھے، اور میں آس پاس ہونے والی گفتگو سنتا رہا۔ وہ کرنز سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، اڈے

www.urduchannel.in

سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے؛ کرنز مر چکا تھا اور اڈے کو نذرِ آتش کر دیا گیا تھا— اور اس قسم کی بہتیری باتیں۔ سرخ بالوں والا زائر یہ سوچ کر پھولا نہ سما رہا تھا کہ بے چارے کرنز کا کم از کم خوب اچھی طرح انتظام تو لیا جا چکا ہے۔ ''کیوں جی؟ ہم نے جھاڑی میں ضرور ان کا ستھراؤ کر دیا ہوگا۔ ہیں؟ کیا خیال ہے آپ کا؟ کیوں؟'' واقعی ناچنے لگا، وہ خون کا پیاسا چلبلا دو کوڑی کا فقرا۔ اور جب اس نے زخمی آدمی کو دیکھا تھا تو غش کھاتے کھاتے بچا تھا۔ میں یہ کہے بغیر نہ رہ سکا: ''کچھ بھی سہی، دھواں تو تم نے خوب اُڑایا۔'' جھاڑیوں کی پھننگیں جس طرح سرسرائی اور لہرائی تھیں اس سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تقریباً تمام گولیاں بہت اوپر سے گزر گئی ہیں۔ جب تک بندوق کندھے پر رکھ کے، شست باندھ کے، فائر نہ کیا جائے کسی چیز کو نشانہ بنانا ممکن نہیں؛ مگر یہ بھلے لوگ آنکھیں میچ کے بندوقیں کولھوں پہ ٹکائے فائر کیے جا رہے تھے۔ میں اپنی بات پر اڑا رہا— اور میں حق بجانب تھا— کہ پسپائی کی وجہ بھاپ کی سیٹی کی بے سُری کلکاریاں تھیں۔ اس پر وہ کرنز کو تو بھول گئے اور ناخوش ہو کر احتجاج پہ احتجاج کرتے ہوئے لگے مجھ پر گرجنے برسنے۔

'منیجر سکان کے پاس کھڑا اس بارے میں رازدارانہ سرگوشیاں کر رہا تھا کہ اندھیرا پھیلنے سے پہلے، ہر حال میں، بہاؤ کے رخ چلتے ہوئے خوب دور نکل جانا کتنا لازم ہے۔ اتنے میں دریا کے پہلو میں دور آگے کہیں میں نے درخت کاٹ کر صاف کی ہوئی زمین کا قطعہ اور کسی قسم کی عمارت کے موٹے موٹے خطوط دیکھے۔ ''یہ کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔ منیجر نے حیران ہو کر تالی بجائی۔ ''اڈا!'' وہ پکارا تھا۔ میں نے فوراً، اسی نصف رفتار سے چلتے ہوئے، جہاز کو ترچھا کر کنارے کی طرف موڑ دیا۔

'دوربین سے دیکھا تو مجھے ایک پہاڑی کا ڈھلان نظر آیا، جھاڑ جھنکاڑ سے بالکل صاف، کہیں کہیں اکا دکا درخت کھڑے تھے۔ پہاڑی کی چوٹی پر مدتوں سے بوسیدہ ہوتی ایک عمارت اونچی اونچی گھاس میں نیم مدفون تھی؛ چوٹی دار چھت میں بڑے بڑے بھمبا تے دور سے کالے بھٹ نظر آئے؛ جھاڑ بن اور جنگل بیابان پس منظر کا کام دے رہے تھے۔ کسی قسم کا احاطہ یا باڑ وہاں نہ تھی؛ لیکن معلوم ہوتا تھا کہ کبھی نہ کبھی ہوگی ضرور، کیوں کہ گھر کے قریب نصف درجن پتلے پتلے، بھدے پن سے تراشے ہوئے تھم قطار میں کھڑے تھے، اور ان کے بالائی سرے گول منقوش گیندوں سے مزین تھے۔ جنگلا، یا ان تھموں کے درمیان جو کچھ بھی تھا، غائب ہو چکا تھا۔ ظاہر ہے، ان سب چیزوں کو جنگل نے نرغے میں لے رکھا تھا۔ دریا کے کنارے پر کوئی رکاوٹ نہ تھی، اور پانی کے پاس میں نے ایک گورے کو کھڑے دیکھا جو چھکڑے کے پہیے جتنا بڑا ٹوپ پہنے اپنا پورا بازو ہلا ہلا کے لگاتار اشارے کر رہا تھا۔ جنگل کے اگلے اور پچھلے سرے کا غور سے جائزہ لینے پر مجھے تقریباً یقین ہو گیا کہ وہاں کسی کو حرکت کرتے دیکھ سکتا ہوں۔ انسانی شکلیں دبے پاؤں اِدھر اُدھر گھوم پھر رہی تھیں۔ میں جہاز کو احتیاط سے چلاتا ہوا وہاں سے آگے لے گیا، پھر انجن بند کر دیے اور جہاز کو بہاؤ کے ساتھ کنارے کی طرف سرکنے دیا۔ کنارے پر کھڑا آدمی چلا چلا کر

www.urduchannel.in

اصرار کرنے لگا کہ ہم اتر پڑیں۔ ''ہم پر حملہ ہوا ہے،'' منیجر نے گلا پھاڑ کر کہا۔ ''پتا ہے۔ پتا ہے۔ سب ٹھیک ہے،'' اس آدمی نے، جو بڑا ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا، جواب میں زور سے کہا۔ ''چلے آؤ۔ سب ٹھیک ہے۔ میں خوش ہوں۔''

'اس کے حلیے پر نظر ڈال کر مجھے کوئی دیکھی بھالی چیز یاد آنے لگی — کوئی خندہ آور چیز جو میں نے کہیں پہ دیکھی تھی۔ کنارے جا لگنے کے لیے جہاز کو دائیں بائیں کرتے وقت میں خود سے پوچھتا رہا، ''یہ آدمی کیا لگ رہا ہے؟'' یکا یک میری سمجھ میں آ گیا۔ وہ رنگ برنگا مسخرا معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے کپڑے کسی ایسی چیز سے تیار کیے گئے تھے جو غالباً بھورے رنگ کی ہالینڈ (۱۲) تھی، لیکن سرتاپا پیوندوں سے، چمکیلے، نیلے، پیلے اور لال پیوندوں سے ڈھکے ہوئے — آگے پیوند، پیچھے پیوند، کہنیوں پہ پیوند، گھٹنوں پہ پیوند! جاکٹ کے گرد رنگین پٹی، پتلون کے پیندے پر گلناری حاشیہ! اور دھوپ پڑنے سے وہ بے حد زرق برق اور ساتھ ہی ساتھ حیرت ناک طور پر صاف ستھرا نظر آنے لگا تھا، کیوں کہ پتا چل رہا تھا کہ تمام پیوند کتنی خوبصورتی سے لگائے گئے ہیں۔ بے ریش چہرہ، لڑکوں جیسا، رنگت بہت صاف، ناک نقشہ یونہی سا، ناک چھلی چھلی، چھوٹی چھوٹی کرنجی آنکھیں۔ مسکراہٹیں اور تیوریاں اس کھلے ڈلے چہرے پر یوں ایک دوسرے کا پیچھا کر رہی تھیں جیسے ہواؤں کی زد میں آئے کسی میدان پر دھوپ چھاؤں کی آواجائی۔ ''کپتان، ذرا دیکھ کے!'' وہ چیخا۔ ''ادھر کل رات ایک درخت آ پھنسا ہے۔'' کیا؟ ایک اور انکن؟ مجھے اعتراف ہے کہ میں نے نہایت بیہودہ گالی بکی۔ اس دل کش سفر کا اختتام کرتے ہوئے میں اپنے لنچ منچ جہاز کو کھونچتے کھونچتے بچا۔

'کنارے پر اس مسخرے نے اپنی پہیا پھری ناک میری طرف اٹھائی۔ ''انگریز ہو؟'' اس نے سراپا مسکراہٹ بن کر پوچھا۔ ''تم ہو؟'' میں سکان پر کھڑے کھڑے چلایا۔ مسکراہٹیں غائب ہو گئیں اور اس نے سر ہلایا جیسے میری ناامیدی پر متاسف ہو۔ پھر وہ بشاش نظر آنے لگا۔ ''کوئی مضائقہ نہیں!'' وہ حوصلہ افزا انداز میں چیخا۔ ''ہم وقت پر پہنچ گئے کہ نہیں؟'' میں نے پوچھا۔ ''وہ وہاں پہ ہے،'' اس نے سر جھٹک کر پہاڑی کی چوٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا اور یک بیک افسردہ ہو گیا۔ اس کا چہرہ پت جھڑ کے آسمان کی طرح تھا — ابھی ابر آلود، ابھی روشن۔

'جب منیجر، زائرین کی معیت میں — وہ سب سر سے پیر تک مسلح تھے — کرنز کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا تو اس آدمی نے جہاز پر قدم رکھا۔ ''میں نے کہا، یہ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا۔ یہ دیسی لوگ جھاڑیوں میں چھپے ہوئے ہیں،'' میں نے کہا۔ اس نے مجھے سنجیدگی سے یقین دلایا کہ سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ ''یہ سیدھے سادے لوگ ہیں،'' اس نے مزید کہا: ''خیر، مجھے خوشی ہے کہ آپ آ گئے۔ میرا سارا وقت انھیں پرے رکھنے میں گزر جاتا تھا۔''

(۱۲) ایک چکنا کتانی کپڑا جو کم گھستا ہوتا ہے۔

www.urduchannel.in

''مگر تم تو کہہ رہے تھے کہ سب ٹھیک ٹھاک ہے۔'' میں نے زور سے کہا۔ ''اوہ، وہ نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔'' اس نے کہا؛ اور جب میں اسے گھور کر دیکھتا رہا تو اس نے اپنے کہے کی تصحیح کی۔ ''نقصان پہنچانے کا ارادہ تو خیر نہیں!'' پھر اچپلاہٹ کے ساتھ کہنے لگا؛ ''ایمان سے، تمہارے پائلٹ خانے کو صفائی کی ضرورت ہے۔'' اگلے ہی سانس میں اس نے مشورہ دیا کہ سیٹی بجانے کے لیے بوائلر میں خاصی بھاپ رکھوں مبادا کسی گڑبڑ کا سامنا کرنا پڑ جائے۔ ''ایک زور کی سیٹی تمام رائفلوں سے زیادہ کام آئے گی تمہارے۔ یہ سیدھے سادے لوگ ہیں۔'' اس نے اپنی بات دہرائی اور اس قدر فرفر بولتا رہا کہ میں زچ ہو کر رہ گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ بہت سی خاموشیوں کی تلافی کر رہا ہے اور اس نے، ہنستے ہنستے، سچ مچ اشارتاً جتا دیا کہ بات ہے بھی یہی۔ ''تم مسٹر کرٹز سے باتیں نہیں کرتے؟'' میں نے کہا۔ ''اس سے باتیں کی نہیں جاتیں۔ اس کی باتیں سنی جاتی ہیں؛'' وہ متانت آمیز وجد کے عالم میں کہہ اٹھا۔ ''لیکن اب ــــ'' اس نے ہاتھ ہلایا اور چشم زدن میں مایوسی کی انتہائی گہرائیوں میں ڈوب گیا۔ لمحہ بھر بعد اس کی بشاشت پھر زقند بھر کے لوٹ آئی، اس نے میرے دونوں ہاتھ تھام لیے، مسلسل ہاتھ ملاتا رہا اور ہیز دھیڑ بولے چلا گیا۔ ''بھائی جہازی... عزت... خوشی... مسرت... میں اپنا تعارف... روسی... بڑے پادری کا بیٹا... تامبوف کی سرکار... کیا؟ تمہا کو! ولایتی تمہا کو! نفیس ولایتی تمہا کو! اب یہ ہوئی نا بھائیوں والی بات۔ تمہا کو پیتا ہوں؟ ایسا بھی کوئی جہازی ہے جو تمہا کو نہ پیتا ہو؟''

'پائپ سلگا کر اسے چین آ گیا اور رفتہ رفتہ میں نے کرید کر معلوم کر لیا کہ وہ اسکول سے بھاگا، کسی روسی جہاز پر سمندر کی راہ لی؛ دوبارہ فرار ہوا؛ کچھ عرصے انگریزی جہازوں پر ملازم رہا؛ اب اس کی بڑے پادری سے صلح صفائی ہو گئی تھی۔ اس بات کو اس نے بڑی اہمیت دی۔ ''لیکن جب آدمی جوان ہو تو لازم ہے کہ دنیا دیکھے، تصورات سے آشنا ہو، تجربہ حاصل کرے؛ ذہن میں وسعت پیدا کرنی چاہیے۔'' ''یہاں آ کر!'' میں نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا خبر کہاں کیا مل جائے۔ یہاں میری مسٹر کرٹز سے ملاقات ہو گئی؛'' اس نے نوجوانوں جیسے سنجیدہ اور شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ اس کے بعد میں نے زبان نہیں ہلائی۔ بظاہر اس نے ساحل پر کسی دلندیزی کوٹھی کو تجارتی مال اور سامانِ رسد فراہم کرنے پر راضی کر لیا تھا اور پھر بے فکر ہو کر اندرون ملک کی طرف چل پڑا تھا، اور آگے جا کر کیا ہو گا کیا نہیں، اس کا اسے اتنا ہی علم تھا جتنا کسی شیر خوار بچے کو ہو سکتا ہے۔ وہ اس دریا کے گرد و نواح میں کوئی دو سال سے تن تنہا، ہر کسی سے اور ہر شے سے بے تعلق ہو کر، مارا مارا پھر رہا تھا۔ ''میں اتنا کم عمر نہیں جتنا دکھائی دیتا ہوں۔ پچیس سال کا ہوں؛'' اس نے کہا۔ ''پہلے پہل تو بوڑھا فان شوئٹن مجھ سے کہتا رہا کہ جا شیطان کے پاس، دفع ہو۔'' اس نے خوب مزے لے لے کر قصہ بیان کیا۔ ''لیکن میں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ بولے گیا، بولے گیا، یہاں تک کہ اسے ڈر لگنے لگا کہ یہ تو کتے کا بھیجا کھا کے آیا ہے۔ چناں چہ اس نے تھوڑا سا ستا مال اور چند ایک بندوقیں میرے حوالے کیں اور امید ظاہر کی کہ میری صورت اسے پھر کبھی نظر نہ آئے گی۔ بھلا بندہ ہے

www.urduchannel.in

بوڑھا ولندیزی فان شوئکن۔ میں نے سال ہوا ہاتھی دانت کی چھوٹی سی کھیپ اسے بھجوائی تھی۔ چناں چہ جب واپس جاؤں گا تو وہ مجھے چور کے بچے کے نام سے یاد نہیں کر سکے گا۔ امید ہے ہاتھی دانت اسے مل گیا ہوگا۔ اور باقی مجھے کسی کی پروا نہیں۔ میں نے کچھ لکڑی تم لوگوں کے واسطے ڈھیر کر چھوڑی تھی۔ وہ میرا پرانا ٹھکانا تھا۔ تمھیں نظر آ گیا تھا؟''

'میں نے ٹوسن کی کتاب اس کے حوالے کی۔ اس نے ظاہر تو یہ کیا جیسے میرا بوسہ لینے والا ہے مگر خود پر قابو پالیا۔ ''ایک یہی کتاب میرے پاس بچی تھی اور میرا خیال تھا کہ گم ہو چکی ہے،'' اس نے سرمستی کے عالم میں کتاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تمھیں پتا ہی ہے، تنہا گھومنے پھرنے والا اتنے بہت سے حادثات سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ کبھی کینو کشتیاں اُلٹ گئیں — اور کبھی لوگ بگڑ بیٹھیں تو جھٹ پٹ رفو چکر ہونا پڑتا ہے۔'' وہ صفحے الٹنے پلٹنے لگا۔ ''تم نے روسی میں حاشیے لکھے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''میں سمجھا تھا خفیہ رسم الخط میں ہیں،'' میں نے کہا۔ وہ ہنس پڑا، پھر سنجیدہ ہو گیا۔ ''ان لوگوں کو دور رکھنے میں مجھے بڑی دقت اٹھانی پڑی،'' اس نے کہا۔ ''کیا وہ تمھاری جان کے درپے تھے؟'' میں نے پوچھا۔ ''ارے نہیں!'' وہ بول اٹھا اور بات پی گیا۔ ''انھوں نے ہم پر حملہ کیوں کیا؟'' میں نے جرح جاری رکھی۔ وہ جھجکا، پھر خجل ہو کر کہنے لگا۔ ''کرنز کا یہاں سے جانا انھیں منظور نہیں۔'' ''منظور نہیں؟'' میں نے متجسس ہو کر کہا۔ اس نے دانش اور اسرار بھرے انداز میں سر ہلا کر صاد کیا۔ ''میں کہتا ہوں،'' وہ بلند آواز میں بولا، ''اس شخص نے میرے ذہن کو وسعت عطا کی ہے۔'' اس نے چھوٹی چھوٹی کرنجی آنکھوں سے، جو بالکل گول تھیں، مجھے گھورتے ہوئے اپنی بانہیں کھول کر پھیلا دیں۔'

۳

'میں تحیر میں گم اسے دیکھتا رہا۔ پُر جوش، افسانوی، وہ میرے سامنے، رنگ برنگ کے کپڑے پہنے کھڑا تھا، جیسے مسخروں کے کسی طائفے سے بھاگ آیا ہو۔ اس کا وجود تک بعید از قیاس، ناقابل فہم اور کلی طور پر حیران کن تھا۔ وہ لاینحل مسئلہ تھا۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس نے خود کو برقرار کیسے رکھا، اتنی دور پہنچنے میں کامیاب کیوں کر ہوا، وہاں ٹھیرا رہا تو کس طرح — فوراً غائب کیوں نہ ہو گیا۔ ''میں ذرا اور آگے گیا،'' اس نے کہا۔ ''پھر میں ذرا اور بھی

www.urduchannel.in

آگے چلا گیا، یہاں تک کہ اتنی دور جا نکلا کہ معلوم نہیں اب واپس کیسے جاؤں گا۔ مضائقہ نہیں۔ بہتیرا وقت ہے۔ میں گزارا کر سکتا ہوں۔ تم کرنز کو — میں نے کہا — بلا توقف یہاں سے لے جاؤ۔ بلا توقف۔'' جوانی کے نیرنگ نے اس کے رنگا رنگ چیتھڑوں، اس کے افلاس، اس کی تنہائی اور اس کی لاطائل آوارگی کی اصل بے رونقی کے گرد ہالہ تان دیا تھا۔ مہینوں — برسوں — اس کی زندگی کی قیمت اس رقم کے برابر بھی نہ رہی تھی جو روزمرّہ کے ضروری اخراجات پر اٹھ جاتی ہے۔ اور وہ وہاں دلاوری سے، فکرمند ہوئے بغیر، زندہ کھڑا تھا اور بظاہر محض اپنی کم عمری اور لاأبالی دیدہ دلیری کی بدولت ناقابل شکست معلوم ہو رہا تھا۔ میں ایسا بہکا کہ مجھ پر عرش عرش کراٹھنے سے — رشک میں مبتلا ہونے سے — ملتی جلتی کیفیت طاری ہوگئی۔ نیرنگ اسے اکسائے چلا جاتا تھا، نیرنگ اسے گزند سے محفوظ رکھتا تھا۔ بلاشبہ ویرانے سے اس کا اور کوئی مطالبہ نہ تھا کہ اسے سانس لینے اور ریل پیل کر کے آگے بڑھے جانے کا موقع ملتا رہے۔ اسے غرض تھی تو اتنی کہ جیتا رہے اور زیادہ سے زیادہ تنگ دستی کے عالم میں، بڑے سے بڑا ممکنہ جوکھم اٹھاتا ہوا، بڑھتا چلا جائے۔ اگر مہم پسندی کے قطعی بے لوث، آگم اندیشے سے بے نیاز، مفاد ناشناس جذبے نے کبھی کسی ہستی پر حکومت کی تھی تو اسی پیوند لگے نوجوان پر۔ مجھے اس منکسر اور شفاف لو پر رشک آنے لگا جس کا وہ حامل تھا۔ بظاہر اس نے اپنی ذات سے متعلق ہر خیال کو اس قدر مکمل طور پر بھسم کر ڈالا تھا کہ جب وہ ہم کلام ہوتا تو اس وقت بھی یاد نہ آتا کہ وہ خود — یعنی نظر کے سامنے موجود آدمی — ان واقعات سے دوچار ہو چکا ہے۔ ویسے مجھے اس عقیدت مندی پر رشک نہیں آیا جو اسے کرنز سے تھی۔ اس ضمن میں اس نے ڈوب کر غور نہیں کیا تھا؛ عقیدت کا خیال آتے ہی ایک طرح کی اشتیاق آمیز تقدیر پرستی کے ساتھ اسے قبول کر لیا تھا۔ میں ضرور کہوں گا کہ جن چیزوں سے اب تک اسے سابقہ پڑا تھا ان میں یہ عقیدت مجھے ہر لحاظ سے خطرناک ترین بات معلوم ہوئی۔

'وہ دونوں ناگزیر طور پر ایک دوسرے کے قریب آئے تھے، جیسے دو جہاز جو ہوا بند ہو جانے کی وجہ سے پاس پاس رُک گئے ہوں اور آخرش ان کا کھوے سے کھوا ملنے لگا ہو۔ میرے خیال میں کرنز کو سامع کی تلاش تھی کیوں کہ کسی موقعے پر، جب انھوں نے جنگل میں ڈیرا ڈال رکھا تھا، وہ رات بھر باتیں کرتے رہے تھے، یا زیادہ اغلب یہ ہے کہ کرنز بولتا رہا تھا۔ ''کوئی چیز ایسی نہ تھی جس پر ہم نے بات چیت نہ کی ہو'' اس رات کی یاد آتے ہی اس نے وجد سے جھومتے ہوئے کہا۔ ''میں بھول گیا کہ نیند نام کی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ وہ رات گھنٹے بھر سے زیادہ کی نہ معلوم ہوئی۔ ہر چیز پر بات کی گئی! ہر چیز پر! محبت پر بھی!'' ''اوہو، کرنز نے تم سے محبت پر گفتگو کی؟'' میں نے بہت محظوظ ہو کر کہا۔ ''ویسی کوئی بات نہیں ہوئی جو تم سمجھ رہے ہو،'' وہ تقریباً جوش میں آ کر چلا اٹھا۔ ''سرسری نگاہ ڈالی تھی۔ میری آنکھیں کھل گئی ہیں اس آدمی سے مل کر — آنکھیں کھل گئی ہیں۔''

'اس نے بازو زور سے فضا میں بلند کیے۔ ہم اس وقت عرشے پر تھے اور میرے لکڑہاروں کے جمعدار نے،

www.urduchannel.in

جو پاس ہی ٹانگیں پسارے بیٹھا تھا، اپنی گمبھیر اور دمکتی آنکھیں اس پر جما دیں۔ میں نے چاروں طرف دیکھا اور نہ جانے کیوں مجھے یہ دریا، یہ جنگل، یہ سرزمین حتیٰ کہ اس دہکتے آسمان کی محراب بھی، امید سے اتنی تہی اور اتنی تیرہ و تار، انسانی خیال کے لیے اتنی ناقابل گزر، انسانی ضروری کے حق میں اتنی بے رحم معلوم ہوئی جتنی، یقین جانو، پہلے کبھی معلوم نہ ہوئی تھی، کبھی نہیں۔ ''اور اس کے بعد، ظاہر ہے، تم اس کے ساتھ رہنے لگے؟'' میں نے کہا۔

'بات الٹ نکلی۔ معلوم ہوتا ہے کہ مختلف وجوہ سے ان کا میل جول بہت زیادہ بے ربط ثابت ہوا تھا۔ کرنز کو دو دفعہ بیماری نے آلیا تو وہ، جیسا کہ اس نے فخریہ انداز میں مجھے مطلع کیا، کسی نہ کسی صورت شروع سے آخر تک کرنز کی تیمارداری کرنے میں کامیاب رہا (اس بات کی طرف اس نے یوں اشارہ کیا جیسے کوئی پُرخطر کارنامہ انجام دیا ہو) مگر کرنز بالعموم جنگل میں کہیں بالکل اندر اور بہت دور جا کر تنہا گھومتا رہتا تھا۔ ''اس اڈے پر پہنچ کر مجھے اکثر کئی کئی دن انتظار کرنا پڑتا تب کہیں اس کی شکل نظر آتی،'' اس نے کہا۔ ''لیکن انتظار کی زحمت کا پھل مل جاتا تھا! کبھی کبھی۔'' ''وہ کرتا کیا رہتا تھا؟ جائزہ لیتا پھرتا تھا کہ کہاں کیا ہے یا کچھ اور؟'' میں نے پوچھا۔ ''اوہ، ہاں، ظاہر ہے۔'' کرنز نے بہت سے گاؤں دریافت کیے تھے اور ایک جھیل بھی — اسے ٹھیک معلوم نہ تھا کہ جھیل کس طرف واقع ہے؛ بہت زیادہ پوچھ گچھ کرنا خطرے سے خالی نہ تھا — لیکن ہاتھی دانت کا حصول کرنز کی بیشتر مہمات کا مقصد رہا تھا۔ ''لیکن اُس وقت تک تو اس کے پاس لین دین کرنے کے واسطے تجارتی مال بچا نہیں تھا،'' میں نے اعتراض کیا۔ ''کارتوس خاصی تعداد میں اب بھی موجود ہیں،'' اس نے نظر چراتے ہوئے کہا۔ ''صاف تو یہ ہے کہ وہ دھاوا بول کر علاقے میں لوٹ مار کرتا رہا،'' میں نے کہا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اکیلا تو یقیناً نہ جاتا ہوگا!'' وہ اس جھیل کے نواحی دیہات کے بارے میں کچھ بڑبڑایا۔ ''کرنز نے قبیلے کو اپنے پیچھے ہو لینے پر راضی کر لیا، کیوں؟'' میں نے لقمہ دیا۔ وہ ذرا کسمسایا۔ ''وہ اس کی پوجا کرتے تھے،'' اس نے کہا۔ یہ الفاظ اتنے غیر معمولی لہجے میں ادا کیے گئے کہ میں اس پر تجسس آمیز نظر ڈالے بغیر نہ رہ سکا۔ کرنز کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اس پر طاری اشتیاق اور تذبذب کی ملی جلی کیفیت عجیب لگتی تھی۔ اس کی زندگی میں کرنز ہی کرنز تھا؛ کرنز ہی اس کے خیالات پر قابض تھا، کرنز ہی اس کے جذبات کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تھا۔ ''تم اور توقع ہی کیا کر سکتے ہو؟'' وہ بھنّا پڑا! ''وہ ان کے پاس برق اور رعد سے لیس آیا — جانتے ہو — اور انھوں نے ایسی کوئی چیز کبھی نہ دیکھی تھی — اور بہت قہرناک بن کر۔ وہ بہت قہرناک بن سکتا تھا۔ تم مسٹر کرنز کے بارے میں اس طرح رائے قائم نہیں کر سکتے جیسے وہ کوئی عام آدمی ہو۔ نہیں، نہیں، نہیں! لو — یہ بات سن کر تمھیں ذرا اندازہ ہو جائے گا۔ میں تمھیں بتانے میں ہرج نہیں سمجھتا — ایک دن وہ مجھے بھی گولی مارنے لگا تھا — لیکن میں اس کے بارے میں کوئی فتویٰ نہیں دوں گا۔'' ''تمھیں گولی مارنے لگا تھا!'' میں چیخ پڑا۔ ''وہ کیوں؟'' ''بھئی میرے پاس تھوڑا سا ہاتھی دانت تھا جو مجھے میرے گھر کے پاس والے گاؤں کے سردار نے دیا تھا۔ قصہ یہ ہے کہ میں گاؤں والوں کو بندوق سے

www.urduchannel.in

شکار مار دیا کرتا تھا۔ خیر، کرنز ہاتھی دانت کے درپے ہو گیا اور عقل کی کسی بات پر کان دھرنے کو تیار نہ ہوا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر میں نے ہاتھی دانت نہ دیا اور بعد ازاں علاقے سے دفان نہ ہوا تو وہ مجھے گولی مار دے گا، اس لیے کہ وہ مجھے گولی مار سکتا تھا، اور گولی مارنا اس کا مشغلہ تھا، اور وہ جسے جی چاہے مار ڈالے گا اور دنیا کی کوئی چیز اسے ایسا کرنے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ اور یہ بات تھی بھی صحیح۔ میں نے ہاتھی دانت اس کے حوالے کر دیا۔ مجھے کیا پروا تھی! لیکن وہاں سے دفع نہیں ہوا۔ نہیں، نہیں۔ میں اسے چھوڑ کے نہ جا سکتا تھا۔ بے شک جب تک ہم دونوں دوبارہ کچھ دیر کے لیے دوست نہ بن گئے مجھے احتیاط سے کام لینا پڑا۔ اُس وقت وہ دوسری بار بیمار ہوا۔ میں بعد میں اِدھر اُدھر ہو گیا تا کہ ہمارا آمنا سامنا نہ ہو؛ لیکن میں نے برا نہ مانا۔ وہ زیادہ تر ان دیہات میں رہنے لگا جو جھیل کنارے واقع تھے۔ جب دریا کی طرف لوٹ کے آتا تو کبھی تو مجھ سے تپاک سے ملتا اور کبھی مجھے احتیاط برتنے ہی میں اپنی بہتری نظر آتی۔ اس آدمی نے بہت تکلیف اٹھائی۔ اسے ان سب باتوں سے نفرت بھی تھی، اور کسی نہ کسی وجہ سے یہاں سے بوریا بستر اٹھانے کی نوبت بھی نہ آنے پاتی تھی۔ میں نے پیشکش کی کہ لوٹتے وقت میں بھی ساتھ ہو لوں گا، اور وہ ہامی بھر لیتا اور اس کے بعد وہیں کا وہیں رکا رہتا؛ ایک بار پھر ہاتھی دانت پٹپلنے کی مار پر نکل کھڑا ہوتا؛ ہفتوں غائب رہتا؛ ان لوگوں کے درمیان جا کر خود کو بھول جاتا — سمجھے — خود کو بھول جاتا۔'' میں نے کہا، ''ارے وہ تو پاگل ہے!'' اس نے چراندے ہو کر احتجاج کیا۔ مسٹر کرنز پاگل نہیں ہو سکتا۔ اگر میں نے، صرف دو ہی دن پہلے، اسے گفتگو کرتے سنا ہوتا تو مجھے اشارتاً بھی ایسی کوئی بات کہنے کی جرأت نہ ہوتی... یہ گفتگو جاری تھی کہ میں نے دوربین اٹھالی اور ساحل کی طرف دیکھنے لگا، جنگل کے ایک سرے سے دوسرے سرے اور مکان کے پچھواڑے تک نظر دوڑائی۔ اس آگہی نے مجھے بے کل کر دیا کہ اتنے پُرسکون، اتنے خاموش جھاڑ بن میں بھی لوگ موجود ہیں — جھاڑ بن جو اتنا ہی خاموش اور پُرسکون تھا جتنا پہاڑی پر بنا کھنڈر ہوتا مکان۔ فطرت کے چہرے پر اس حیرت ناک کہانی کا کوئی نشان نظر نہ آ رہا تھا جو مجھے زبانی کم سنائی گئی تھی اور ٹوٹے پھوٹے جملوں اور شھنڈے سانسوں پر ختم ہوتے اشاروں کی مدد سے زیادہ سمجھائی گئی تھی: دل گیر انداز میں ''افوہ! ارے رے!'' کی تکرار اس پر مستزاد تھی جسے کندھے اُچکا اُچکا کر مکمل کیا جاتا تھا۔ جنگل ٹس سے مس نہ ہوا، جیسے کوئی مکھونا ہو — گراں بار، جیسے کسی زنداں کا مقفل دروازہ — اپنے پوشیدہ وقوف، صابرانہ توقع اور اس سکوت کے ساتھ نگراں رہا جس میں کوئی مخل نہ ہو سکتا تھا۔ روی مجھے وضاحت سے بتا رہا تھا کہ مسٹر کرنز ابھی حال میں دریا کی طرف لوٹا تھا، اور اس جھیل والے قبیلے کے تمام جنگجو افراد اپنے ہمراہ لے آیا تھا۔ وہ کئی مہینے غائب رہا تھا — میرا خیال ہے، اپنے آپ کو پٹوا رہا ہو گا — اور غیر متوقع طور پر بظاہر یہ ٹھان کر پلٹا تھا کہ دریا کے اس پار جا کر یا بہاؤ کے رخ بڑھ کر دھاوا بولے گا۔ یہ عیاں تھا کہ مزید ہاتھی دانت بٹورنے کی ہوس ان امنگوں پر حاوی آ گئی تھی جو — کیا کہنا چاہیے مجھے؟ — کم مادّی تھیں۔ بہرحال، اس کی طبیعت اچانک بگڑ گئی۔ ''میرے سننے میں آیا کہ وہ یہاں بے یار و مددگار پڑا ہے، اور

www.urduchannel.in

اس لیے اِدھر چلا آیا — جو ہوتا ہے ہو،" روسی نے کہا۔ "اوہ، اس کی حالت بہت خستہ ہے، بہت خستہ۔" میں نے دوربین کو گھر کی طرف گھمایا۔ وہاں زندگی کے کوئی آثار نہ تھے، مگر وہ برباد چھت تو تھی اور گھاس سے تھوڑی سی ابھری ہوئی مٹی گارے کی لمبی دیوار، تین چھوٹے چوکور موکھے جن میں کوئی دو ایک ناپ کے نہ تھے؛ یہ سب چیزیں گویا اتنے قریب آ گئی تھیں کہ ہاتھ بڑھاؤ تو چھو لو۔ اور پھر میں نے یکا یک پینترا سا بدلا اور اس گم شدہ باڑ کا ایک باقی ماندہ تھم تڑپ کر میری دوربین کے دائرے میں آ گیا۔ تمھیں یاد ہوگا، میں بتا چکا ہوں کہ دور سے یہ دیکھ کر متاثر ہوا تھا کہ تزئین و آرائش کی تھوڑی بہت کوشش کی گئی ہے، جو اس جگہ کی شکستہ حالی کے مدنظر ذرا قابل ذکر معلوم ہوتی تھی۔ اب میں نے اس آرائش کو زیادہ قریب سے دیکھا اور اس کا پہلا اثر تو یہ ہوا کہ میرا سر جھٹکا کھا کر یوں پیچھے کو گیا جیسے کوئی ضرب لگی ہو۔ پھر میں نے دوربین کی مدد سے تھموں کو باری باری بغور ملاحظہ کیا اور اپنی غلطی محسوس کر لی۔ یہ گول گول گھنڈیاں آرائشی نہیں علامتی تھیں؛ واضح طور پر کچھ کہتی معلوم ہوتی تھیں، معما آسا، جاذب نظر اور پریشان کن تھیں — ذہن کے لیے بھی خوراک اور گدھوں کے لیے بھی، بشرطے کہ ان میں سے کوئی آسمان سے نیچے کی طرف دیکھتا ہوتا؛ لیکن بہرصورت ان چیونٹیوں کی خوراک تو تھیں جو تھموں پر چڑھنے کی مشقت اٹھانے کو تیار ہوں۔ اگر بلّیوں پر چڑھے ان سروں کے چہرے مکان کی طرف نہ ہوتے تو وہ اور بھی رعب دار نظر آتے۔ صرف اُسی سر کا منھ میری طرف تھا جو مجھے سب سے پہلے دکھائی دیا تھا۔ تم شاید سمجھ رہے ہو کہ مجھے بڑا صدمہ پہنچا۔ کوئی ایسا صدمہ نہیں پہنچا۔ میرا چونک کر پیچھے ہٹنا اصل میں حیرت زدہ حرکت کے سوا کچھ نہ تھا۔ پتا ہے، مجھے تو یہ توقع تھی کہ وہاں کوئی چوبی گھنڈی نظر آئے گی۔ میں دیدہ و دانستہ اس سر کی طرف پلٹا جسے پہلے دیکھا تھا — اور وہ وہاں موجود تھا، کالا کالا، سوکھا ہوا، پچکا ہوا، پپوٹے بند — سر جو اس بلّی کے سرے پر سویا معلوم ہوتا تھا اور سکڑے ہوئے سوکھے ہونٹوں میں سے دانتوں کی پتلی سفید لکیر دکھا کر مسکرا بھی رہا تھا، اس ابدی نیند میں نظر آنے والے کسی لامتناہی اور ظرافت آمیز خواب پر مسکرائے جا رہا تھا۔

'میں کوئی تجارتی راز فاش نہیں کر رہا۔ درحقیقت بعد میں منیجر نے کہا کہ مسٹر کرٹز نے جو طور طریقے اختیار کیے ان سے ضلع چوپٹ ہو گیا۔ اس بارے میں تو میری کوئی رائے نہیں، لیکن تم لوگوں کو دوٹوک الفاظ میں یہ سمجھا دینا چاہتا ہوں کہ ان سروں کے وہاں موجود ہونے میں منفعت کا کوئی پہلو واقعی نہ تھا۔ ان سے صرف یہ ظاہر ہوتا تھا کہ مسٹر کرٹز اپنی طرح طرح کی ہوس ناکیوں کی تسکین کے وقت ضبط سے کام لینے سے قاصر تھا، اور یہ کہ اس میں کسی چیز کی کمی تھی — چھوٹا سا مادّہ، جو اشد ضرورت پڑتے ہی، اس کی پُرشکوہ فصاحت کی تہہ میں ڈھونڈے نہ ملتا تھا۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنی اس کمی سے واقف تھا یا نہیں۔ میرے خیال میں اس کا علم اسے آخرش ہو گیا تھا — تاہم بالکل آخر میں۔ لیکن ویرانے نے یہ کمی ابتدا ہی میں بھانپ لی تھی اور اس عجیب و غریب دخل اندازی پر کرٹز سے بہت کڑا انتقام لے چکا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ویرانے نے سرگوشی کرتے ہوئے اسے خود اس کے متعلق ایسی

www.urduchannel.in

ایسی باتیں بتائیں جن سے وہ آپ بے خبر تھا، ایسی باتیں جن کا اس عظیم خلوت سے صلاح مشورہ کرنے سے پہلے اسے سان گمان بھی نہ تھا— اور وہ سرگوشی اتنی دل فریب ثابت ہوئی کہ کرنڑ اس کے سامنے بے بس ہو کر رہ گیا۔ وہ کرنڑ کے باطن میں بلند آواز سے گونجتی رہی کیوں کہ وہ بیچ میں سے کھوکھلا تھا... میں نے دوربین نیچے رکھ دی اور وہ سر جو اتنا قریب لگ رہا تھا کہ اس سے بات کی جا سکتی تھی، یکا یک ایسا محسوس ہوا جیسے زقند بھر کر رسائی سے باہر کسی فاصلے پر چلا گیا ہے۔

''مسٹر کرنڑ کے مدح خواں پر تھوڑی سی اوس پڑ گئی۔ اس نے جلدی جلدی بولتے ہوئے غیر واضح آواز میں مجھے یقین دلانا شروع کیا کہ اسے ہمت نہ ہوئی کہ ان— کہہ لو، علامتوں— کو اتار دیتا۔ وہ دیسی باشندوں سے خائف نہ تھا؛ وہ تو مسٹر کرنڑ کے حکم کے بغیر اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکتے تھے۔ اسے غیر معمولی بالادستی حاصل تھی۔ اس جگہ کے چاروں طرف ان باشندوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے اور سردار روز اسے دیکھنے آتے تھے۔ وہ رینگ کر...'' میں ان رسوم کے بارے میں کچھ نہیں جاننا چاہتا جو مسٹر کرنڑ کے حضور میں بار یاب ہوتے وقت ادا کی جاتی ہیں،'' میں چیخ اٹھا۔ نرالا تھا یہ احساس جو مجھ پر غالب آ گیا کہ یہ تفصیلات ان سروں سے زیادہ ناقابل برداشت ثابت ہوں گی جو مسٹر کرنڑ کی کھڑکیوں تلے بلیوں پر سوکھ رہے تھے۔ آخر، وہ تو محض ایک وحشیانہ نظارہ تھا، جب کہ میری یہ حالت ہو چکی تھی جیسے ایک ہی جست میں مجھے غامض ہولناکیوں کے کسی بے نور خطے میں پہنچا دیا گیا ہو، جہاں ہیر پھیر سے پاک، خالص سفاکی بھی صریحاً غنیمت معلوم ہوتی تھی، کہ وہاں سفاکی ہی ایک ایسی شے تھی جسے— ظاہراً— دن دو پہرے موجود ہونے کا حق حاصل تھا۔ نوجوان نے متعجب ہو کر مجھے دیکھا۔ میں سمجھتا ہوں اسے یہ خیال ہی نہیں آیا کہ کرنڑ میرے لیے دیوتا نہ تھا— وہ بھول گیا کہ مجھے ان شان دار خود کلامیوں میں سے ایک بھی سننے کا موقع نہ ملا تھا جن میں، کیا تھا جی؟ محبت، انصاف، زندگی کرنے کے طور طریق— اور نہ جانے کن کن باتوں— کا ذکر آیا تھا۔ اگر نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ لوگ مسٹر کرنڑ کے سامنے رینگتے تھے تو رینگنے میں وہ نوجوان ان تمام وحشیوں میں سب سے بچھ وحشی سے کم نہ تھا۔ اس نے کہا، مجھے حالات کا خاک علم نہیں: وہ سرباغیوں کے ہیں۔ میرے قہقہہ لگانے سے اسے بے انتہا صدمہ پہنچا۔ باغی! اس کے بعد اور کیا تعریف میرے سننے میں آئے گی؟ دشمن، مجرم اور کارکن تو سامنے آ چکے تھے— اور یہ باغی تھے۔ بلیوں پر چڑھے وہ باغیانہ سر مجھے بہت ہی وحیل نظر آ رہے تھے۔ ''تمھیں پتا نہیں کہ اس طرح کی زندگی سے مسٹر کرنڑ کو کتنی کوفت ہوتی ہے،'' کرنڑ کے آخری چیلے نے چیخ کر کہا۔ ''اچھا، اور تمھیں کتنی ہوتی ہے؟'' میں نے کہا۔ ''میں! میں! سیدھا سادہ آدمی ہوں میں تو۔ میرے پاس عظیم خیالات نہیں۔ مجھے کسی سے نہ کچھ لینا ہے نہ دینا۔ بھلا میرا مقابلہ تم کس طرح اس...؟'' جذبات کی شدت کے سامنے اس کی قوت گویائی جواب دے گئی اور یکا یک اسے اپنے پر قابو نہ رہا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا،'' وہ کراہ کر بولا۔ ''میں نے اس کی جان بچانے کی حتی الامکان کوشش کی۔ میری طرف

www.urduchannel.in

سے انتا ہی بہت ہے۔ان سارے معاملات میں میرا کوئی ہاتھ نہیں۔میں ہر قسم کی صلاحیت سے محروم ہوں۔ یہاں کئی ماہ سے دوا کا ایک قطرہ اور پرہیزی کھانے کا ایک نوالہ تک دستیاب نہیں۔اسے شرم ناک طور پر بے یارومددگار چھوڑ دیا گیا۔اس جیسے انسان کو، جس کے پاس ایسے تصورات ہیں۔شرم ناک طور پر! شرم ناک طور پر! میں — میں — گزشتہ دس راتوں سے نہیں سویا...''

'اس کی آواز آپ ہی آپ شام کے سکوت میں گم ہوگئی۔ہماری باتوں کے دوران میں جنگل کے لمبے لمبے سائے پہاڑی کے نیچے تک سرکتے سرکتے، اجڑے بجڑے کھنڈلے اور بلیوں کی علامتی قطار سے خاصے آگے بڑھ آئے تھے۔ان سب پر اندھیرا چھا چکا تھا جب کہ ہم، دور ہونے کی وجہ سے، ابھی دھوپ میں تھے، اور صاف کی ہوئی زمین کے قطعے کے پہلو میں دریا کا پھیلاؤ ساکن اور خیرہ کن شان وشوکت کے ساتھ چھاچم کر رہا تھا۔اس پھیلاؤ کے آگے اور پیچھے دھندلکوں میں لپٹے، سایوں سے ڈھکے موڑ تھے۔کنارے پر کہیں کوئی ذی حیات نظر نہ آتا تھا۔جھاڑیوں میں سرسراہٹ تک نہ تھی۔

'یکایک مکان کے کونے کی اوٹ سے لوگوں کی جماعت یوں نمودار ہوئی جیسے زمین سے اُگ آئی ہو۔وہ گھنیلے جتھے کی صورت، بیچ میں ایک کام چلاؤ اسٹریچر اٹھائے، کمر کمر گھاس میں الجھ الجھ کر قدم بڑھاتے، چلے آرہے تھے۔فی الفور، منظر کی ویرانی میں ایک چیخ بلند ہوئی جس کے چبھتے ہوئے بے سُرے پن نے ساکت فضا کو اس طرح چھید ڈالا جیسے کوئی تیز تیر جو سیدھا اس ملک کے دل میں اتر گیا ہو؛ اور تیرہ رو اور ملول جنگل نے، گویا جادو کے زور سے، انسانوں کے — برہنہ انسانوں کے — پرے کے پرے کھلی جگہ میں انڈیل دیے جو ہاتھوں میں برچھے لیے، کمانوں اور ڈھالوں سے لیس، وحشیانہ حرکتیں کرتے ہوئے، مجنونانہ تیور دکھا رہے تھے۔جھاڑیاں ہلیں، گھاس ذرا دیر کے لیے لہرائی، اور پھر ہر شے متوجہ جمود کے عالم میں دم سادھے نظر آئی۔

'''اب اگر کرٹز نے ان سے ڈھنگ کی بات نہ کی تو ہم سب کا کام تمام سمجھو،'' میرے پہلو سے روسی بولا۔ اسٹریچر والے آدمیوں کا گٹھ بھی، دخانی تک کا آدھا فاصلہ طے کرنے کے بعد، گویا پتھرا کر، بیچ راستے میں رُک گیا۔میں نے حمالوں کے کندھوں کے اوپر، اسٹریچر پر پڑے آدمی کو اٹھ کر بیٹھتے دیکھا: لاغر اور ایک بازو بلند کیے ہوئے۔''امید رکھنی چاہیے کہ جو شخص محبت پر عام نظر ڈالتے ہوئے اتنی خوش اسلوبی سے گفتگو کر لیتا ہے وہ ہماری جاں بخشی کے لیے اس مرتبہ کوئی خاص سبب ڈھونڈ ہی لے گا،'' میں نے کہا۔ہماری صورتِ حال کی پُر از لغویت خطرناکی مجھے سخت کَھل رہی تھی جیسے اس ناہنجار آسیب کے رحم وکرم پر ہونا ہمارے لیے رسوا کن محتاجی کے برابر ہو۔ مجھے آواز تو کوئی سنائی نہ دی، مگر دوربین سے میں نے دبلے پتلے بازو کو حکم دینے کے انداز میں اٹھتے، نچلے جبڑے کو ہلتے اور اس بدہیئت کے بڑ بلے سر میں، جو اوٹ پٹانگ انداز میں جھٹکے کھا کھا کر ہل رہا تھا، دھنسی ہوئی آنکھوں کو کالے پن سے چمکتے دیکھا۔کرٹز — کرٹز — جرمن میں اس کا مطلب ہے چھوٹا — ٹھیک ہے نا؟ خیر، یہ نام بھی

www.urduchannel.in

بس اتنی ہی سچائی کا حامل تھا جتنی اس کی زندگی ـــــ اور موت ـــــ کی باقی باتوں میں پائی جاتی تھی۔ وہ کم از کم سات فٹ لمبا نظر آ رہا تھا۔ اس پر ڈھکی ہوئی چادر گر پڑی تھی اور چادر کے نیچے سے ظاہر ہونے والا جسم اتنا قابلِ رحم اور دہشت ناک معلوم ہوتا تھا جیسے کسی کفن سے برآمد ہوا ہو؛ میں دیکھ سکتا تھا کہ اس کی پسلیوں کا قفس سراسر تھرتھرا رہا ہے، بازو کی ہڈیاں ہل رہی ہیں۔ لگتا تھا جیسے موت کی کوئی جان پڑی مورت، جسے پرانا ہاتھی دانت تراش کر بنایا گیا ہو، کالی اور چمکیلی کانسی کے بنے آدمیوں کے ساکت ہجوم کو ہاتھ ہلا ہلا کر دھمکا رہی ہو۔ میں نے اسے منھ خوب پھیلاتے دیکھا۔ ایسا کرنے سے اس کے چہرے مہرے پر جناتی قسم کا ندیدہ پن طاری ہو گیا جیسے تمام ہوا، تمام دنیا، سامنے کھڑے تمام آدمیوں کو نگل جانا چاہتا ہو۔ ایک بھاری آواز مدھم مدھم مجھ تک پہنچی۔ وہ ضرور چیخ چیخ کر بول رہا ہوگا۔ یکایک وہ پیچھے کو لڑھک گیا۔ جیسے ہی حمال لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھے، اسٹریچر ہلنے جلنے لگا اور تقریباً اسی وقت میں نے دیکھا کہ وحشیوں کی بھیڑ بھاڑ اس طرح غائب ہو چکی ہے کہ یہی محسوس ہوتا تھا کہ وہ پسپا ہو رہے ہیں، جیسے اسی جنگل نے، جس نے ان ہستیوں کو اچانک باہر اُگل دیا تھا، انھیں دوبارہ اندر کھینچ لیا ہو، جس طرح لمبا سانس لیتے وقت دم کھینچا جاتا ہے۔

'اسٹریچر کے پیچھے چند زائرین نے اس کے ہتھیار اٹھا رکھے تھے ـــــ دو شاٹ گنیں، ایک بھاری رائفل اور ایک ہلکی ریوالور قرابین ـــــ اس قابلِ رحم جوپیٹر (۱۳) کی کڑک بجلیاں۔ منیجر اسٹریچر کے سرہانے کرنڈ پر جھکا ہوا بدبداتا چلا آ رہا تھا۔ انھوں نے اسے چھوٹے کیبنوں میں سے ایک کیبن میں لٹا دیا ـــــ جن میں، تمھیں پتا ہی ہے، بس ایک چارپائی اور ایک دو سفری اسٹولوں کی گنجائش ہوتی ہے۔ ہم اس کی ڈاک، جو بڑی دیر میں اس تک پہنچ پائی تھی، ساتھ لائے تھے؛ اور بہت سے پھٹے ہوئے لفافے اور کھلے ہوئے خط اس کے بستر پر بکھرے پڑے تھے۔ اس کا ہاتھ ناتوانی سے ان کاغذات میں گردش کر رہا تھا۔ میں اس کی آنکھوں میں بھری ہوئی آگ اور آسودہ الکساہٹ سے متاثر ہوا۔ اس پر طاری کیفیت میں مرض سے پیدا ہونے والے اضمحلال کا کوئی زیادہ دخل نظر نہ آتا تھا۔ بظاہر اسے کوئی تکلیف نہ تھی۔ یہ پرچھانواں چھکا ہوا اور پُرسکون معلوم ہوتا تھا جیسے سردست تمام جذبات سے سیر ہو چکا ہو۔

'اس نے ایک خط کو سرسرایا اور مجھ سے آنکھیں چار کر کے کہنے لگا: ''مجھے خوشی ہوئی۔'' کوئی شخص میرے متعلق اسے لکھتا رہا تھا۔ یہ خاص سفارشات دوبارہ آنی شروع ہو گئی تھیں۔ وہ زور لگائے بنا اور ہونٹ ہلانے کی زحمت اٹھائے بغیر ہی اتنی پاٹ دار آواز میں بول سکتا تھا کہ میں سن کر دنگ رہ گیا۔ کوئی آواز تھی! کوئی آواز! سنگین، عمیق، گونجتی ہوئی آواز، حالاں کہ لگتا یہ تھا کہ وہ سرگوشی کرنے کے قابل بھی نہیں۔ بہر حال، اس میں اتنی طاقت تھی ـــــ بے شک جھوٹ موٹ کی طاقت ـــــ کہ ہم سب کا کام تقریباً تمام کر ہی ڈالا تھا، جیسا کہ میں ابھی

(۱۳) رومی اساطیر میں اولمپوی دیوتاؤں کا بادشاہ۔ وہ اپنے دشمنوں پر بجلیاں گرایا کرتا تھا۔

www.urduchannel.in

آپ کو بتاتا ہوں۔

'منیجر خاموشی سے دروازے میں نمودار ہوا؛ میں فوراً باہر آ گیا اور میرے چلے آنے کے بعد منیجر نے پردہ کھینچ دیا۔ رہی، جسے زائرین متجسس نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، کنارے پر نظر جمائے کھڑا تھا۔ میں بھی کنارے کی طرف دیکھنے لگا۔

'فاصلے پر کالی کالی انسانی شکلوں کو شناخت کیا جا سکتا تھا جو جنگل کے اندھیرے حاشیے کے سامنے مٹی مٹی سی اِدھر اُدھر لپکتی جھپکتی نظر آ رہی تھیں، اور دریا کے نزدیک دھوپ میں کانسی کے دو پیکر، لمبے لمبے نیزے ٹیکے، پتلی کھالوں کے بنے انجوبہ منڈاسے زیب سر کیے، مجسموں جیسے سکون کے ساتھ، جنگجو وضع اپنائے، بے حس و حرکت کھڑے تھے۔ اور روشن کنارے کے ساتھ ساتھ ایک عورت دائیں سے بائیں یوں چلی آ رہی تھی جیسے کوئی آسیبی صورت جس سے وحشی پن بھی جھلکتا ہو اور دل فریب تجمل بھی۔

'دھاری دار اور جھالر لگے کپڑوں میں لپٹی لپٹائی، تول تول کر قدم اٹھاتی ہوئی، گنوار زیوروں کے چمکارے اور مدھم جھنکار کے ساتھ، اٹھلاتی چال سے دھرتی کو روندتی ہوئی، سر اٹھائے؛ بال خود کی شکل میں گندھے، گھٹنوں تک پیتل کے ساق پوش چڑھے، کہنیوں تک پیتل کی تاروں کے دستانے، گندمی رخسار پر قرمزی ٹیکا، گلے میں پوتھوں کے ان گنت ہار؛ اوجھوں کی بخشی ہوئی اولو چیزیں، گنڈے، تعویذ، گرد اگرد لٹکے اور قدم قدم پر جھولتے اور جھجھماتے ہوئے۔ جن گہنوں پاتوں سے وہ لدی پھندی ہوئی تھی ان کا مول بلاشبہ کئی ہاتھی دانتوں جتنا ہوگا۔ وحشی اور شاندار، تیور بگڑے بگڑے، جنونی اور پُر شکوہ۔ وہ جو دیدہ و دانستہ آگے بڑھتی آ رہی تھی تو اس میں کوئی شاہانہ وقار تھا، بدشگونی کی کوئی بات تھی۔ اور اس خاموشی میں جو اچانک اس تمام افسردہ سرزمین پر طاری ہو گئی تھی، یوں لگتا تھا کہ وہ بے کراں ویرانہ، اس حاصل خیز اور اسرار آمیز زندگی کا عفریت ہیکل جسم، اس عورت پر نظر جمائے ہوئے ہے، اور غم زدہ ہے، جیسے خود اپنی ہی ظلمانی اور آگ بھری روح کی تمثال کو تکتا رہا ہو۔

'وہ ہمارے دخانی کے برابر آ کر ساکت کھڑی ہو گئی اور ہماری طرف منھ کر لیا۔ اس کا لمبا سایہ لب دریا تک پھیل گیا۔ چہرے پر طاری مجنونانہ غم اور گنگ کرب کی الم ناک اور غضب آلود کیفیت میں کسی کسمساتے، کچے پکے عزم کا خوف گھل مل گیا تھا۔ وہ، خود ویرانے کے مانند، کسی مغلق ارادے کے حوالے سے گہری سوچ میں کھوئی ہونے کا انداز اپنائے، اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑی ہمیں دیکھتی رہی۔ پورا منٹ گزر گیا، اور پھر وہ ایک قدم آگے بڑھی۔ مدھم جھنکار سنائی دی، زرد دھات کی ڈلک نظر آئی، بدن کے گرد چادروں کی طرح لپٹے کپڑے سرسرائے، اور وہ رک گئی جیسے اس کا حوصلہ جواب دے گیا ہو۔ میرے پہلو میں موجود جوان غرایا۔ میرے پیچھے کھڑے زائرین بڑبڑائے۔ وہ ہم سب کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے اس کی زندگی کا دارومدار ہی اس بات پر ہو کہ نظر جھپکے یا پھرے بغیر ہم پر جمی رہے۔ یکایک اس نے برہنہ بازو پھیلائے اور سر سے اوپر لے جا کر یوں کھڑے کر دیے جیسے بے اختیار ہو

www.urduchannel.in

کر آسمان کو چھو لینا چاہتی ہو! اور اسی لمحے، لپکتے سائے دھرتی پر دوڑ چلے، دریا پر اِدھر اُدھر چھاتے چلے گئے اور انھوں نے دخانی کو اپنی دھندلی آغوش میں لے لیا۔ منظر پر گھور سناٹا چھا گیا۔

'وہ آہستہ سے مڑی، کنارے کنارے قدم اٹھاتی ہوئی بائیں جانب کی جھاڑیوں میں چلی گئی۔ غائب ہونے سے پیشتر جھاڑیوں کے جھٹپٹے میں اس کی آنکھیں صرف ایک مرتبہ ہماری طرف پلٹ کر چمکیں۔

'دلق پوش نے گھبرا کر کہا: ''اگر یہ عندیہ ملتا کہ وہ جہاز پر آنے کا سوچ رہی ہے تو میرا خیال ہے میں سچ مچ اسے گولی سے اڑا دینے کی کوشش کرتا۔ پچھلے پندرھواڑے کوئی دن ایسا نہیں گزرا جب میں نے جان پر کھیل کر اسے گھر میں آنے سے روکا نہ ہو۔ ایک روز وہ اندر آدھمکی اور ان الابلا چیتھڑوں کے حوالے سے جھگڑا کھڑا کر دیا جو میں اپنے کپڑے درست کرنے کے لیے گودام سے اٹھا لایا تھا۔ میرا آگا پیچھا کھلا جا رہا تھا۔ اور کچھ نہ سہی تو یہی معاملہ ہوگا کیوں کہ وہ کوئی گھنٹے بھر کسی بلائے بد کی طرح کرنز سے باتیں کرتی رہی اور وقتاً فوقتاً میری طرف اشارے کیے جاتی تھی۔ میں اس قبیلے کی بولی نہیں سمجھتا۔ میری خوش نصیبی سمجھ لیجیے کہ اس روز کرنز کی طبیعت اتنی خراب تھی کہ اس نے کان نہ دھرا، ورنہ کوئی فتنہ اٹھ کے رہتا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا... نہیں — اوہ خیر، اب تو یہ قصہ ہی ختم ہو گیا۔'' اسی لمحے میں نے پردے کے پیچھے سے کرنز کی گہری آواز سنی۔ ''مجھے بچانے کے لیے! تمھارا مطلب ہے، ہاتھی دانت بچانے کے لیے۔ مجھ سے یہ مت کہو۔ مجھے بچانے کے لیے! ارے مجھے تو تم لوگوں کی جان بچانی پڑ گئی۔ تم اب میرے منصوبوں میں مخل ہو رہے ہو۔ بیمار! بیمار! میں اتنا بیمار نہیں جتنا تم مجھے دیکھنا چاہتے ہو۔ کوئی بات نہیں۔ میں اب بھی اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنا کر رہوں گا — میں واپس آؤں گا۔ میں تمھیں دکھا دوں گا کہ کیا کچھ کیا جا سکتا ہے۔ تم اور تمھارے یہ بساطیوں جیسے نکے نکے کے خیالات — تم میرے معاملات میں دخل دے رہے ہو۔ میں واپس آؤں گا۔ میں...''

'منیجر باہر چلا آیا۔ میرے گلے میں ہاتھ ڈال کر مجھے عزت بخشی اور ایک طرف لے گیا۔ ''اس کی حالت بہت خستہ ہے، بہت خستہ،'' وہ بولا۔ اس نے آہ بھرنا ضروری سمجھا لیکن غمگین وضع خود پر طاری رکھنے کا تکلف نہ کیا۔ ''ہم اس کی خاطر جو کچھ کر سکتے تھے کر چکے — کر چکے ہیں نا؟ لیکن اس حقیقت کو چھپایا نہیں جا سکتا کہ مسٹر کرنز نے کمپنی کو فائدے سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ وہ یہ نہ سمجھا کہ سخت کارروائی کرنے کا وقت ابھی نہیں آیا ہے۔ احتیاط کرو، احتیاط — میرا تو یہی اصول ہے۔ ہمیں ابھی محتاط رہنا لازم ہے۔ یہ ضلع کچھ مدت کے لیے ہم پر بند رہے گا۔ افسوس ناک بات! مجموعی طور پر تجارت کو نقصان پہنچے گا۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ ہاتھی دانت غیر معمولی مقدار میں موجود ہے — زیادہ تر منجر — چاہے کچھ ہو، ہاتھی دانت کو بچانا ہم پر فرض ہے — لیکن دیکھیے تو صورت حال کتنی نازک ہے — اور نازک کیوں ہے؟ اس لیے کہ طریق کار ناقص ہے۔'' میں نے کنارے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا: ''کیا آپ اسے ناقص طریق کار کہتے ہیں؟'' ''بے شک،'' وہ گرم ہو کر بولا، ''کیا آپ نہیں کہتے؟''...

www.urduchannel.in

''میں اسے طریق کار ہی نہیں سمجھتا،'' میں نے ذرا دیر بعد آہستہ سے کہا۔ ''بالکل،'' وہ پھولا نہ سمایا۔ ''مجھے توقع تھی آپ یہی کہیں گے۔ سمجھ بوجھ کے مکمل فقدان کا اظہار ہے۔ اصل ارباب اختیار کی اس طرف توجہ دلانا میرا فرض ہے۔'' ''اوہ،'' میں نے کہا، ''وہ آدمی — کیا نام ہے اس کا — وہ خشت ساز، مزے دار رپورٹ آپ کو تیار کر دے گا۔'' لمحے بھر کے لیے لگا جیسے اس کی سٹی گم ہو گئی ہو۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں نے اتنی گندی فضا میں کبھی سانس نہ لیا تھا، اور اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے — صریحاً بوجھ ہلکا کرنے کے لیے — سوچ کا رخ کرنز کی طرف موڑ دیا۔ ''اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ مسٹر کرنز غیر معمولی انسان ہیں،'' میں نے زور دے کر کہا۔ وہ چونکا، مجھ پر سرد، کڑی نظر ڈالی اور بڑے سکون سے بولا، ''تھے،'' اور میری طرف پیٹھ کر لی۔ گھڑی بھر مجھ پر نظر کرم رہی تھی، اب میں التفات سے محروم تھا۔ معلوم ہوا کہ مجھے بھی کرنز کے ساتھ لپیٹ کر ایسے طریقوں کا پکا حمایتی قرار دیا جا چکا ہے جن پر عمل درآمد کا وقت ابھی نہیں ہوا تھا۔ مجھ میں معقولیت کی کمی تھی! آہ، لیکن یہ تھوڑا تو نہیں کہ ڈراؤنے خوابوں میں سے اپنی مرضی کا ڈراؤنا خواب چننے کا موقع مل گیا۔

'میں اصل میں ویرانے کی طرف متوجہ ہوا تھا، مسٹر کرنز کی طرف نہیں، جسے، میں یہ تسلیم کرنے کو تیار تھا، قبر میں اترا ہی سمجھنا چاہیے تھا۔ اور پل بھر کے لیے مجھے محسوس ہوا جیسے میں بھی ناگفتنی اسرار سے بھری ہوئی کسی وسیع و عریض قبر میں دفن ہوں۔ میں نے اپنی چھاتی ناقابل برداشت بوجھ تلے دبتی محسوس کی، مجھے گیلی مٹی کی باس، فتح مند عفونت کی غیر مرئی موجودگی، ایک ناقابل گزر رات کی تیرگی کا احساس ہوا... روسی نے میرا کندھا تھپتھپایا۔ میں نے اسے اس بارے میں کچھ بڑ بڑاتے اور ہکلا ہکلا کر کہتے سنا: ''بھائی جہازی — چھپا نہیں سکتا — ایسے امور سے واقفیت جو مسٹر کرنز کی شہرت پر اثر انداز ہوں گے۔'' میں منتظر رہا۔ صاف عیاں تھا کہ روسی کے نزدیک مسٹر کرنز ابھی در گور نہ ہوا تھا؛ میرا گمان ہے کہ اس کی نظر میں مسٹر کرنز لافانی ہستیوں کے زمرے سے تعلق رکھتا تھا۔ میں نے آخر کہا، ''بھئی جو کہنا ہے کہہ چکو۔ اتفاق سے میں — ایک طرح سے — مسٹر کرنز کا دوست ہوں۔''

'اس نے خاصے تکلف سے کام لیتے ہوئے بیان کیا کہ اگر ہم ''ہم پیشہ'' نہ ہوتے تو وہ نتائج کی پروا کیے بغیر بات اپنے تک ہی رکھتا۔ اسے شبہ تھا کہ یہ گورے اس سے بغض رکھنے کے باعث تلے بیٹھے ہیں کہ —'' ''تم ٹھیک کہتے ہو،'' میں نے ایک خاص بات چیت کو یاد کرتے ہوئے کہا جو اتفاقاً سن چکا تھا۔ ''منیجر کا خیال ہے کہ تمھیں پھانسی چڑھا دینا چاہیے۔'' اس خبر پر روسی نے جو تشویش ظاہر کی میں پہلے پہل اس سے محظوظ ہوا۔ اس نے سنجیدگی سے کہا، ''بہتر ہوگا کہ میں ان کے پاس سے چپ چاپ کھسک لوں۔ اب میں کرنز کے لیے کچھ اور تو کر نہیں سکتا۔ اور یہ گورے جلد ہی کوئی بہانہ تراش لیں گے۔ کون سی چیز ہے جو انھیں روک سکے؟ یہاں سے تین سو میل دور ایک فوجی چوکی ہے۔'' میں نے کہا، ''بھئی سچ پوچھو تو اگر آس پاس ان وحشیوں میں تمھارے کچھ یار

www.urduchannel.in

دوست ہیں تو شاید تمھارا چلا جانا ہی بہتر رہے۔'' ''بہتیرے،'' اس نے کہا۔ ''یہ سیدھے سادے لوگ ہیں — اور آپ جانتے ہیں، مجھے کسی سے کچھ نہیں چاہیے۔'' وہ کھڑا ہونٹ چباتا رہا۔ پھر بولا، ''میں نہیں چاہتا کہ ان گوروں کو کسی قسم کی گزند پہنچے لیکن ظاہر ہے مجھے مسٹر کرنز کی نیک نامی کا خیال آ رہا ہے — مگر آپ تو جہازی بھائی ٹھیرے اور —'' کچھ دیر بعد میں نے کہا، ''ٹھیک ہے، مسٹر کرنز کی نیک نامی میرے پاس محفوظ رہے گی۔'' مجھے علم نہ تھا کہ میں کتنی سچی بات کہہ گیا ہوں۔

'اس نے، آواز دھیمی کر کے، مجھے مطلع کیا کہ دخانی پر حملے کا حکم خود کرنز نے دیا تھا۔ ''یہاں سے لے جائے جانے کا خیال کبھی کبھار اسے شاق گزرتا تھا — اور پھر یہ بھی ہے... لیکن یہ معاملات میری سمجھ سے باہر ہیں۔ میں سیدھا آدمی ہوں۔ اس کا خیال تھا کہ حملہ ہوا تو تم لوگ ڈر کر بھاگ جاؤ گے — اور یہ سمجھ کر کہ وہ مرکھپ چکا ہوگا، اِدھر کا رخ نہ کرو گے۔ میں اسے باز نہ رکھ سکا۔ اوہ، یہ پچھلا مہینہ مجھ پر بہت بھاری گزرا۔'' میں نے کہا، ''اچھا خیر۔ اب تو وہ بالکل ٹھیک ہے۔'' ''ہاں — ں،'' وہ بظاہر کوئی زیادہ قائل ہوئے بغیر بڑبڑایا۔ ''شکریہ،'' میں نے کہا۔ ''میں آنکھیں کھلی رکھوں گا۔'' ''لیکن چپ چپاتے، ہیں؟'' اس نے پریشان ہو کر تاکید کی۔ ''اس کی نیک نامی خاک میں مل جائے گی اگر یہاں کسی کو —'' میں نے نہایت متانت سے ہر طرح محتاط رہنے کا وعدہ کیا۔ ''ایک کینو کشتی میرے پاس ہے اور تین کالے میرے ساتھ ہیں جو یہاں سے کچھ دور پر میری راہ دیکھتے ہوں گے۔ میں چلتا ہوں۔ آپ مجھے چند ہنری مارٹینی کارتوس دے سکتے ہیں؟'' یہ میرے اختیار میں تھا اور میں نے مناسب رازداری کے ساتھ کارتوس اسے لا دیے۔ اس نے، مجھے آنکھ مارتے ہوئے، میرے تمباکو سے مٹھی بھری۔ ''جہازیوں میں آپس کی بات — سمجھ گئے نا — اچھا عمدہ انگریزی تمباکو۔'' پائلٹ خانے کے دروازے تک پہنچ کر وہ مڑا۔ ''میں نے کہا، آپ کے پاس جوتوں کا کوئی فالتو جوڑا تو نہیں؟'' اس نے ایک پاؤں اٹھایا۔ ''دیکھیے،'' اس کے ننگے پیروں میں سُتلیوں کو گرہ پر گرہ دے کر جوتوں کے تلے اس طرح بندھے ہوئے تھے جیسے وہ چپل ہوں۔ میں نے اِدھر اُدھر ہاتھ مار کے ایک پرانا جوڑا ڈھونڈ نکالا جسے اس نے بائیں بغل میں دبانے سے پہلے تحسین کی نظر سے دیکھا۔ اس کی ایک (تیز سرخ) جیب کارتوسوں سے پھولی ہوئی تھی، دوسری (گہری نیلی) جیب سے ''ٹوسن کی تحقیق'' جھانک رہی تھی، وغیرہ وغیرہ۔ بظاہر وہ سمجھ رہا تھا کہ ویرانے سے ازسرِنو فکر لینے کے لیے خوب اچھی طرح کیل کانٹے سے لیس ہو چکا ہے۔ ''ہائے، اس جیسے آدمی سے پھر کبھی ملنا نصیب نہ ہوگا، کبھی نصیب نہیں ہوگا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ آپ اس کی زبانی شاعری سنتے — وہ بھی، اس نے مجھے بتایا تھا، خود اپنی شاعری۔ شاعری!'' اُن پرانی مزے داریوں کی یاد آ جانے پر اس نے آنکھیں مٹکائیں۔ ''اوہ، اس نے میرے ذہن کو وسعت عطا کی!'' ''خدا حافظ!'' میں نے کہا۔ اس نے مصافحہ کیا اور رات کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ کبھی کبھی میں اپنے آپ سے پوچھا کرتا ہوں کہ کیا واقعی اس سے ملا تھا۔ کیا ایسے عجوبے سے دوچار ہونا ممکن تھا!...

www.urduchannel.in

'جب آدھی رات ہونے کے کچھ ہی دیر بعد میری آنکھ کھلی تو اس کا انتباہ، جس میں خطرے کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، مجھے یاد آیا اور، ستاروں بھری اس تیرگی میں، وہ اشارہ اتنا حقیقی معلوم ہوا کہ میں دیکھ بھال کے خیال سے اٹھ بیٹھا۔ پہاڑی پر روشن ایک بڑی آگ اڈے والے مکان کے ایک ٹیڑھے میڑھے کونے کو رہ رہ کر اُجال رہی تھی۔ گماشتوں میں سے ایک، ہمارے چند کالوں کی ٹولی کے ہمراہ، چوکسی کی خاطر مسلح ہو کر، ہاتھی دانت پر پہرا دے رہا تھا؛ لیکن جنگل کی گہرائیوں میں لہراتی ہوئی لال جھلملاہٹیں، جو گھور اندھیرے کی، ستونوں کی طرح ابھرتی، پراگندہ شکلوں کے درمیان زمین پر دھنستی اور اٹھتی معلوم ہوتی تھیں، اُس پڑاؤ کی صحیح جائے وقوع کا پتا دے رہی تھیں جہاں مسٹر کرٹز کے پجاری بے کل رت جگا منانے میں مشغول تھے۔ ایک بڑے ڈھول کی یکساں دھم دھما دھم نے فضا کو گھٹے گھٹے دھچکوں اور ٹھنک ٹھنک کر ماند پڑتی کپکپاہٹوں سے معمور کر رکھا تھا۔ جنگل کی کالی، چپٹی دیوار سے کسی طلسمی منتر کی مسلسل بھنبھناہٹ سنائی دے رہی تھی جسے بہت سے آدمی الگ الگ الاپ رہے تھے، جیسے محال سے مکھیوں کی گن گن سننے میں آتی ہے، اور اسے سن کر میرے نیم بیدار حواس پر عجیب و غریب خواب آور اثر مرتب ہوا۔ میرا خیال ہے میں جنگلے پر جھکا جھکا اونگھنے لگا حتیٰ کہ اچانک ایسی چیخم دھاڑ مچی، جیسے کسی پُر اسرار اور دل میں دبی ہوئی شوریدگی کا کوئی بے پناہ ابال۔ میری آنکھ کھل گئی اور حواس باختہ کر دینے والی حیرت نے مجھے آلیا۔ یہ شور و غوغا یک لخت موقوف ہو گیا اور وہی دھیمی دھیمی بھنبھناہٹ، جو کسی سماعت پذیر اور تسکین بخش سکوت کی تاثیر کی حامل تھی، جاری رہی۔ میں نے یونہی چھوٹے کیبن میں جھانکا۔ اندر چراغ جل رہا تھا لیکن مسٹر کرٹز وہاں نہ تھا۔

'اگر مجھے اپنی آنکھوں پر یقین ہوتا تو میرا خیال ہے میں شور مچا دیتا۔ لیکن پہلے پہل مجھے اپنے دیکھے پر یقین نہ آیا۔ بات ہی اتنی غیر ممکن معلوم ہوتی تھی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ میں نری کوری دہشت میں، خالص مجرد ہَول میں مبتلا ہو کر، جو جسمانی خطرے کی کسی بیّن صورت سے تعلق نہ رکھتا تھا، بالکل اوسان کھو بیٹھا تھا۔ اس جذبے نے مجھ کو یوں بالکل پچھاڑ ڈالا تھا تو اس کا سبب — میں اس کی کس طرح تعریف کروں؟ — وہ اخلاقی صدمہ تھا جو مجھے پہنچا، جیسے کوئی ہر لحاظ سے بھیانک چیز، خیال کے لیے ناقابل برداشت اور روح کے لیے گھناؤنی، غیر متوقع طور پر میرے گلے مڑھ دی گئی ہو۔ بے شک یہ کیفیت ایک پل کے بھی انتہائی ذرا سے حصے کے لیے قائم رہی اور اس کے بعد عام سے، جان لیوا خطرے کا جانا پہچانا احساس، اچانک یلغار اور قتل عام کا امکان، یا اسی قسم کا کوئی اور معاملہ، جو مجھے سر پر منڈلاتا نظر آیا، قطعی طور پر خوش آئند اور تسلی بخش لگا۔ درحقیقت اس سے مجھے اتنی تسکین ملی کہ میں نے "لینا پکڑنا" کا شور تک نہ مچایا۔

'عرشے پر مجھ سے تین فٹ سے بھی کم دور ایک گماشتہ بھاری اوورکوٹ ڈالے، اوپر تک بٹن لگائے، کرسی پر پڑا سو رہا تھا۔ چیخ پکار سے اس کی آنکھ نہ کھلی تھی؛ وہ بہت ہلکے ہلکے خراٹے لے رہا تھا۔ میں نے اسے سوتا چھوڑا اور کود کر کنارے پر پہنچا۔ میں نے مسٹر کرٹز سے بے وفائی نہ کی — یہ مقدر ہو چکا تھا کہ میں اس سے کبھی بے وفائی

www.urduchannel.in

نہ کروں — لکھا گیا تھا کہ میں اسی ڈراؤنے خواب کا وفادار رہوں جسے میں نے اپنے لیے چنا ہے۔ میں اس پرچھائیں سے تن تنہا نمٹنے کے لیے بے قرار تھا — اور مجھے تو آج تک معلوم نہیں کہ میرا رویہ اس قدر حاسدانہ کیوں تھا کہ اس تجربے کی مخصوص تیرگی میں میرے سوا کوئی شامل نہ ہونے پائے۔

'جونہی میں نے کنارے پر قدم رکھا مجھے ایک ڈگر دکھائی دی — گھاس میں چوڑی ڈگر۔ مجھے یاد ہے میں نے فخریہ انداز میں اپنے آپ سے کہا تھا: ''وہ چل نہیں سکتا — ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل رینگتا جا رہا ہے — مجھ سے بچ کے نہ جائے گا۔'' گھاس اوس میں بھیگی ہوئی تھی۔ میں مٹھیاں باندھے ڈگ بھرتا گیا۔ میرا قیاس ہے کہ میرے ذہن میں اسے جا دبوچنے اور زدوکوب کرنے کا کوئی مبہم سا تصور تھا۔ مجھے پتا نہیں۔ چند ایک لچر خیال مجھے آئے۔ اون سے بُنائی کرنے والی وہ بڑھیا اور اس کی بلی میری یاد میں یوں آ دھمکی جیسے اس معاملے کا دوسرا سرا تھام کر بیٹھنے کے لیے ناموزوں ترین ہستی ہو۔ میں نے زائرین کی ایک قطار دیکھی جو ونچسٹر رائفلیں کولھوں پر ٹکائے ہوا میں سیسے کی بوچھار کر رہے تھے۔ مجھے خیال آیا کہ میں کبھی لوٹ کر جہاز پر نہ آ سکوں گا اور چشمِ تصور میں خود کو پیرانہ سالی تک جنگل میں نہتا اور تنہا رہتے سہتے دیکھا۔ ایسی اوٹ پٹانگ باتیں — سمجھے بھئی۔ اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ ڈھول کی دھم دھم کو اپنے دل کی دھڑکن سے خلط ملط کر بیٹھا اور اس کی پُرسکون باقاعدگی پر خوش ہوتا رہا۔

'تاہم میں ڈگر سے ادھر اُدھر نہ ہوا — پھر کان لگا کر سننے کے لیے رک گیا۔ رات بہت صاف تھی؛ گہری نیلی وسعت، تاروں کی روشنی اور شبنم سے جگمگ جگمگ کرتی ہوئی، جس میں کالی کالی چیزیں بالکل ساکت استادہ تھیں۔ مجھے لگا کہ آگے کسی طرح کی ہل جل ہوتی نظر آ رہی ہے۔ اس رات ہر بارے میں میری خود اعتمادی عجیب طرح سے انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ میں نے واقعی میں پینڈے پر چلنا چھوڑ دیا اور ایک چوڑا نیم دائرہ کھینچتا ہوا (مجھے پورا یقین ہے کہ بغلیں بجاتا) دوڑ پڑا تاکہ اس کلبلاہٹ کو، اس ہل جل کو، جو مجھے نظر آئی تھی — اگر واقعی میں نے کچھ دیکھا تھا — سامنے سے جا پکڑوں۔ میں چکر لگا کر کرٹز کی راہ اس طرح کاٹ رہا تھا جیسے لڑکوں کا کوئی کھیل ہو رہا ہو۔

'میں نے اسے جا لیا، اور اگر اس نے میری آہٹ نہ سن لی ہوتی تو میں اس کے اوپر گر بھی پڑتا، مگر وہ بروقت اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا، لمبا، اُڑی اُڑی رنگت، غیر واضح جیسے کوئی بھپکارا جسے زمین نے خارج کیا ہو، اور میرے روبرو دھندلا دھندلا اور چپ چاپ کھڑا ہوا ذرا سا ڈگمگایا؛ اس وقت تک میری پیٹھ پیچھے درختوں کے درمیان جلتی آگیں بڑی بڑی ہو کر دکھائی دینے لگی تھیں اور جنگل سے بہت سی آوازوں کی بھنک بلند ہو رہی تھی۔ میں نے چالاکی سے اس کا راستہ کاٹ دیا تھا لیکن جب میں اس سے بیچ بیچ جا بھڑا اور مجھے اپنے اوسان بجا ہوتے محسوس ہوئے تو پتا چلا کہ خطرہ اصل میں کتنا زیادہ ہے، اور ابھی کسی طور نہ ٹلا تھا۔ فرض کرو، وہ پکار اٹھے؟ گو وہ کھڑا تو مشکل ہی سے ہو سکتا تھا، اس کی آواز میں بتیرا دم خم باقی تھا۔ ''دفع ہو! چھپ جاؤ!'' اس نے اسی گمبھیر لہجے میں

www.urduchannel.in

کہا۔سخت آفت کا سامنا تھا۔میں نے پیچھے نظر ڈالی۔ہم قریب ترین الاؤ سے کوئی تیس گز دور تھے۔ایک کالی شکل اٹھی اور لمبے کالے بازو ہلاتی، لمبی کالی ٹانگوں پر چلتی ہوئی، ودیک کے آگے سے گزری۔اس کے سر پر سینگ تھے—میرا خیال ہے، ہرن کے سینگ— ضرور کوئی جادوگر، کوئی مہایا ہوگا: راکشس جیسا دکھائی دے رہا تھا خاصا۔ ''تمھیں پتا بھی ہے تم کیا کر رہے ہو؟'' میں نے سرگوشی کی۔''بخوبی،'' اس نے، صرف اسی لفظ کی خاطر، بلند آواز میں جواب دیا۔لفظ مجھے یوں سنائی دیا جیسے کہیں دور بولا گیا ہو اور پھر بھی پاٹ دار ہو، جیسے آواز رساں تُرم میں سے نکلنے والا کوئی للکارا۔میں نے دل میں سوچا، اگر اس نے اب کچھ ٹو تکار کی تو ہم مارے گئے۔اس سائے کو—اس سرگرداں اور عذاب میں مبتلا چیز کو—مارنے پیٹنے سے مجھے جو فطری کراہت محسوس ہو رہی تھی اس سے بھی قطع نظر، یہ صورت حال یقیناً لپاڈگی کا تقاضا نہیں کرتی تھی۔''تم برباد ہو جاؤ گے،'' میں نے کہا۔''سراسر برباد۔'' پتا ہے، بعض اوقات آدمی کو اچانک ایسی دور کی سوجھ جاتی ہے۔میں نے صحیح بات کہہ ہی دی، اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ اس لمحے وہ جس قدر لاعلاج طور پر برباد ہو چکا تھا، اس سے زیادہ برباد ہونا ممکن ہی نہ تھا، اور یہ لمحہ تھا جب ہمارے درمیان گاڑھی بے تکلفی کی بنیادیں رکھی جا رہی تھیں جنھیں قائم رہنا تھا— آخر تک—اور اس سے بھی پرے تک۔

''''میرے بہت بڑے بڑے منصوبے تھے،'' وہ تذبذب کے عالم میں بڑبڑایا۔''ہاں،'' میں نے کہا؛ ''لیکن تم نے شور مچانے کی کوشش کی تو میں تمھارا سر پھوڑ دوں گا اس—'' کوئی پتھر یا ڈنڈا آس پاس نہ تھا۔''میں گلا گھونٹ کر تمھیں ہمیشہ کے لیے ٹھکانے لگا دوں گا۔'' میں نے اپنے کہے کی تصحیح کی۔''میں عظیم کاموں کی داغ بیل ڈالنے ہی والا تھا،'' اس نے آرزو بھری آواز میں التجا کی۔اس التجا میں حسرت ناکی کا ایسا رنگ شامل تھا کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔''اور اب اس گاودی لفنگے کی وجہ سے—'' ''کچھ بھی سہی، یورپ میں تمھاری کامیابی تو یقینی ہے،'' میں نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر دعوے سے کہا۔سمجھے بھئی، میرا اس کا گلا گھونٹنے کا ارادہ نہ تھا—اور درحقیقت ایسی حرکت عملی طور پر بہت ہی کم مفید ثابت ہو سکتی تھی۔میں نے وہ جادو—ویرانے کا بوجھل، گونگا جادو—اتارنے کی کوشش کی جو یوں لگتا تھا جیسے فراموش شدہ اور بہیمانہ جبلتوں کو جگا کر، ان ہیبت انگیز ہوس ناکیوں کی یاد دلا کر جن سے وہ متمتع ہو چکا تھا، اسے اپنی بے اماں آغوش میں کھینچ رہا ہے۔مجھے یقین تھا کہ یہی چیز اسے جنگل کے کنارے تک، جھاڑ بن کی جانب، آگوں کی دمدماہٹ، ڈھولوں کی دھمک، عجیب و غریب منتروں کی بھنبھناہٹ کی طرف کھینچ لائی ہے؛ یہی چیز اس کی بدآئین روح کو ورغلا کر مباح و روا آرزوؤں کے دائرے سے باہر لا چکی ہے۔اور، تم سمجھتے نہیں، صورت حال اس وجہ سے ہولناک نہ تھی کہ سر پر چوٹ کھانے کا خدشہ پیدا ہو چلا تھا— گو مجھے اس خطرے کا احساس بھی بہت واضح طور پر تھا—بلکہ ہولناکی کا پہلو یہ تھا کہ مجھے ایسی ہستی سے نمٹنا پڑ گیا تھا جس کی منت سماجت کرتے ہوئے کسی ارفع یا اسفل شے کا نام نہ لے سکتا تھا۔مجھے بھی حبشیوں کی طرح

www.urduchannel.in

خود اس کی — اس کی ذات کی — اس کی اپنی سربلند اور ناقابل یقین خواری کی دہائی دینی پڑی۔ اس کے سر پر یا پیروں تلے کچھ بھی نہ تھا اور مجھے معلوم تھا کہ وہ لاتیں چلا چلا کر خود کو دھرتی سے آزاد کر چکا ہے۔ لعنت ہو اس پر! اس نے لات مار کر دنیا تک کو پاش پاش کر دیا تھا۔ وہ تنہا تھا، اور اس کے روبرو مجھے یہ ہوش نہ رہا کہ میں زمین پر کھڑا ہوں یا ہوا میں تیر رہا ہوں۔ میں تمھیں بتاتا آیا ہوں کہ ہم نے کیا کہا تھا — وہ جملے دہرائے ہیں جو ہم نے ادا کیے تھے — لیکن اس کا کیا حاصل؟ وہ تو روزمرّہ کے عام سے لفظ تھے — وہی جانی پہچانی، غیر واضح آوازیں جو زندگی بھر ہر روز عالم بیداری میں آپس میں کہی سنی جاتی ہیں۔ لیکن پھر کیا ہوا؟ میری دانست میں وہ الفاظ اس ہولناک اشارت کنایت کے حامل تھے جو خوابوں میں سنے ہوئے لفظوں، کابوسوں میں بولے گئے جملوں کا خاصہ ہے۔ روح! اگر کوئی ہے جس نے کبھی کسی روح سے ہاتھا پائی کی ہو تو وہ آدمی میں ہی ہوں۔ اور قصہ یہ نہیں کہ میں کسی سودائی سے الجھ رہا تھا۔ مانو چاہے نہ مانو، اس کا ذہن بالکل روشن تھا — یہ مانا کہ ڈراؤنی شدت سے خود اپنی ہی ذات پر مرکوز تھا، لیکن اس کے باوجود روشن؛ اور اسی پر میری واحد امید کا دارومدار تھا — ظاہر ہے، قطع نظر اس سے کہ اسے فی الفور وہیں مار ڈالنے کا سوچوں، جو اس بنا پر مناسب معلوم نہ ہوتا تھا کہ شور لازمی طور پر ہو کر رہتا۔ لیکن اس کی روح جنونی تھی۔ چوں کہ وہ ویرانے میں اکیلی تھی، اپنے اندر جھانک چکی تھی اور، خدا کی قسم، مجھ سے سن لو، پاگل ہو گئی تھی۔ مجھے، میرا خیال ہے اپنے گناہوں کی پاداش میں، اس روح میں جھانکنے کی کڑی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ اس کے خلوص کے آخری ابال نے انسانیت پر یقین کو جس طرح تہس نہس کر ڈالا اتنی تباہ کن تو کوئی تخن آرائی بھی ثابت نہ ہو سکتی تھی۔ وہ خود اپنے آپ سے بھی الجھ رہا تھا۔ یہ کشمکش میں نے آپ دیکھی — کانوں سنی — میں نے ایک ایسی روح کے ناقابل تصور اسرار کا مشاہدہ کیا جو کسی ضبط، کسی ایمان، کسی محبا سے آشنا نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ سے اندھا دھند گتھم گتھا تھی۔ میں نے اپنے اوسان خاصے ٹھکانے رکھے؛ لیکن آخر کار جب اسے صوفے پر چت لٹا چکا تو میں نے اپنا ماتھا پونچھا، اور اس دوران میں میری ٹانگیں اس طرح کانپتی رہیں جیسے میں آدھے ٹن کا بوجھ کمر پر لاد کر اس ٹیلے سے اترا ہوں۔ اور یہ اس کے باوجود کہ میں نے اسے صرف سہارا دیا تھا، اس کی سوکھی بانہہ میرے گلے میں پڑی رہی تھی — اور کرنز کا اپنا بوجھ کسی بچے سے کچھ زیادہ نہ تھا۔

'اگلے روز جب ہم دوپہر کے وقت روانہ ہوئے تو وہی ہجوم، جس کے بارے میں مجھے تمام وقت بڑی شدت سے یہ محسوس ہوتا رہا تھا کہ درختوں کی اوجھل میں موجود ہے، دوبارہ جنگل سے باہر امنڈ آیا اور ننگے، سانس لیتے، تھراتے، کانسی جیسے جسموں کے جمگھٹ سے کھلی جگہ کو پُر کر دیا، ڈھلان کو ڈھانپ دیا۔ میں نے جہاز کے انجن کو گرمایا، پھر جہاز کو گھما کر بہاؤ کا رخ کیا، اور دو ہزار آنکھیں چھپ چھپ اور دھپ دھپ کرتے غضب ناک دریائی شیطان کی ترتیب وار چلت پھرت پر جمی رہیں، جو اپنی بھیانک دُم سے پانی کو بلوتے ہوئے فضا میں کالا کالا دھواں چھوڑ رہا تھا۔ پہلی صف کے آگے، دریا کنارے، تین آدمی، سر سے پاؤں تک چمکیلی لال مٹی میں لت پت،

www.urduchannel.in

بے قراری کے عالم میں اِدھر سے اُدھر اینڈے اینڈے پھر رہے تھے۔ جب ہم دوبارہ آمنے سامنے آئے تو انھوں نے دریا کی طرف منھ کرلیا، پاؤں زور زور سے پٹخے، سینگوں والے سر ہلائے، رنگناری بدن تھرکائے؛ غضب ناک دریائی شیطان کی طرف کالے پروں کا ایک گچھا لہرایا، خارپشتی کھال جس سے ایک دم آویزاں تھی — کوئی ایسی شے جو تو مڑی جیسی دکھائی دیتی تھی؛ وہ تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد یک آواز ہو کر حیرت انگیز لفظوں کا تانتا سا باندھتے ہوئے چیختے جاتے، ایسے لفظ جو انسانی زبان کی آوازوں سے مطلق مشابہت نہ رکھتے؛ اور ہجوم کی یک بیک منقطع ہو جانے والی گمبھیر بڑبڑاہٹیں یوں سنائی دے رہی تھیں جیسے کسی باجماعت ابلیسی عبادت کے موقع پر باقی عبادت گزار جواب میں مقررہ کلمے دہرا رہے ہوں۔

'ہم کرٹز کو پائلٹ خانے میں لے گئے تھے؛ وہاں تازہ ہوا کا زیادہ گزر تھا۔ صوفے پر لیٹے لیٹے وہ کھلی جھلملی سے باہر تکتا رہا۔ انسانی جسموں کے بھاؤ میں بھنور پڑا اور خود نما سر اور گندمی گالوں والی عورت بھیڑ چیر کر دریا کے بالکل کنارے تک دوڑی چلی آئی۔ اس نے ہاتھ پھیلائے، چیخ کر کچھ کہا، اور پوری وحشی بھیڑ نے گرجتا ہوا کورس بن کر، جس میں حرف حرف کو بالکل واضح طور پر جلد جلد اور ہانپتے کانپتے ہوئے ادا کیا گیا تھا، اس چیخ کو مصرعے کی طرح اٹھایا۔

'''کیا یہ تمھاری سمجھ میں آرہا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

'وہ آتشیں، آرزومند نظروں سے، حسرت اور نفرت کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ، مجھ سے پرے، باہر دیکھتا رہا۔ اس نے جواب نہ دیا، لیکن میں نے ایک مسکراہٹ، ایسی مسکراہٹ جس کے معنی کا تعین محال تھا، اس کے بے رنگ ہونٹوں پر نمودار ہوتے دیکھی۔ ایک پل بعد ہونٹ تشنجی انداز میں پھڑکے۔ ''میں اور نہ سمجھوں؟'' اس نے آہستہ آہستہ، ہانپتے ہوئے کہا، جیسے یہ الفاظ کسی مافوق الفطرت قوت نے زبردستی اس سے کہلوائے ہوں۔

'میں نے سیٹی بجانے والی ڈوری کھینچی، اور یہ اس لیے کرنا پڑا کہ میں عرشے پر موجود زائرین کو اس انداز سے رائفلیں نکالتے دیکھ چکا تھا جیسے سوچ رہے ہوں کہ نہایت مزے کی دل لگی کا موقع ہاتھ آنے والا ہے۔ یکایک تیز سیٹی جو بجی تو بھو کر کھڑے جسموں کے اس بھاؤ میں ذلت آمیز دہشت کی لہر دوڑ گئی۔ ''یہ نہ کرو۔ انھیں ڈرا کر بھگاؤ تو نہیں؛'' عرشے پر کوئی آدمی مایوسانہ انداز میں چیخا۔ میں نے ڈوری کو بار بار کھینچا۔ وہ تتر بتر ہو گئے، بھاگنے لگے، اچھل پڑے، دبک گئے، ڈگمگائے، سیٹی کی اڑان کر پھیلتی دہشت سے بچنے کے لیے کترائے۔ تینوں لال جنے، اوندھے منھ، کنارے پر گرے پڑے تھے، جیسے گولی کھا کر مر گئے ہوں۔ صرف وہ جانگلوس اور ذی شان عورت ہچکچائی تک نہیں، اور اس نے اداس اور جگمگاتے دریا پر اپنے ننگے بازو المیہ انداز میں ہماری طرف پھیلا دیے۔

'اور پھر نیچے سے عرشے پر موجود اس فاتر العقل ہجوم نے اپنے لچر کھیل تماشے کا آغاز کیا، اور دھوئیں کی وجہ

www.urduchannel.in

سے مجھے کچھ اور نظر نہ آسکا۔

'قلب ظلمات سے نکلنے والا بھورا دھارا تیز تیز بہتا رہا اور ہم جس رفتار سے دریا چڑھے تھے اس سے دگنی سرعت سے ہمیں سمندر کی طرف لے چلا، اور کرنز کی زندگی بھی تیزی سے گزرتی جارہی تھی، جیسے پانی اترتا جائے؛ اترتے پانیوں کی طرح دل سے بہہ کر بے اماں وقت کے سمندر میں گم ہونے کو تھی۔ منیجر بہت نچنت نظر آتا تھا؛ اب ایسی کوئی پریشانیاں اسے لاحق نہ تھیں جن کی وجہ سے جان پر بنی رہے۔ وہ ایک ہی نگاہ میں، جس میں ہمہ گیری بھی تھی اور استغنا بھی، ہم دونوں کو پوری طرح ٹٹول چکا تھا: ''معاملہ'' خیر وخوبی سے حسب منشا طے پا گیا تھا۔ میں نے وہ وقت قریب آتے دیکھا جب ''ناقص طریق کار'' کی حامی جماعت میں صرف میں رہ جاؤں گا، اور کوئی نہ ہو گا۔ زائرین مجھے ناک بھوں چڑھا کر دیکھتے تھے۔ میرا شمار گویا رفتگاں میں ہونے لگا تھا۔ اچنبھا ہوتا ہے کہ میں اس غیر متوقع شراکت پر، ڈراؤنے خوابوں میں سے کسی ایک کو چن لینے پر، کیسے راضی ہو گیا جو اس تیرہ وتار سرزمین میں، جس پر ان کمینے اور حریص آسیبوں نے دھاوا بول رکھا تھا، میرے سر مڑھ دیے گئے تھے۔

'کرنز گفتگو کرتا رہا۔ آواز! صرف آواز! آواز جس کی گھن گرج آخری لمحے تک برقرار رہی، جو کس بل نکل جانے کے بعد بھی اس کے دل کی بانجھ تاریکی کو فصاحت و بلاغت کی پُر شوکت سلوٹوں میں چھپائے رکھنے کی غرض سے سلامت رہ گئی۔ اوہ، وہ اپنا ساز ورلگاتا رہا؛ زور لگاتا رہا؛ اس کے تھکے ہارے ذہن کے ویرانوں میں اب سایہ آسا تمثالوں کا بسیرا تھا — مال و دولت اور شہرت کی تمثالوں کا، جو اس کے نجیب اور ارفع طرز بیان کی کبھی ماند نہ پڑنے والی وہبی صلاحیت کا غلامانہ طواف کر رہی تھیں۔ میری منگیتر، میرا اڈا، میرا کیریر، میرے تصورات — یہ تھے وہ موضوعات جن کے حوالے سے وقتاً فوقتاً علوے خیال کا اظہار کیا جاتا۔ اصلی کرنز کا سایہ اس کھوکھلی نقل کے سرہانے اکثر موجود رہتا جس کے لیے اولین زمانوں کی اس دھرتی کے گھاس پانس میں عنقریب دفن ہونا مقدر ہو چکا تھا۔ لیکن جن اسرار و رموز کی گہرائیوں میں وہ اتر چکا تھا ان کی ابلیس صفت محبت اور غیر ارضی نفرت دونوں ہی اس روح پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے برسرپیکار تھیں جو اوائل جذبات سے سیر ہو کر، کاذب شہرت، بناوٹی امتیاز اور کامیابی اور اقتدار کی تمام صورتوں کی بھوکی تھی۔

'کبھی کبھار وہ بچوں جیسے چھچھورے پن پر اتر آتا۔ اس کا دل چاہنے لگتا کہ جب وہ کسی بھیانک اجاڑ سے، ہُو کے مقام سے، واپس آئے، جہاں اس کا بڑے بڑے کارنامے انجام دینے کا ارادہ تھا، تو ریلوے اسٹیشنوں پر پیشوائی کے لیے بادشاہ موجود ہوں۔ ''ان پر ثابت کر دو کہ تمھارے میں واقعی کوئی منفعت بخش جوہر ہے، اور پھر تمھاری اہمیت تسلیم کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے گی''، وہ کہتا رہتا۔ ''ظاہر ہے تمھیں ہمیشہ مقاصد کو — صحیح مقاصد کو — مدنظر رکھنا چاہیے۔'' دریا کی طویل پھیلاوٹیں، جو ہر پھر کر ایک ہی جیسی پھیلاوٹ معلوم ہوتی تھیں،

www.urduchannel.in

یکسانیت کے حامل پیچ وخم جو بالکل ایک سے تھے، اپنے سال خوردہ درختوں کے ازدحام کے ساتھ، کسی دوسری دنیا سے وارد ہونے والے میل کچیل سے اٹے ٹوٹے پر شکیبائی سے نظر جمائے، وخانی کے پیچھے سرکتے جاتے، وخانی جو تغیر، فتح یابی، تجارت، بے محابا کشت وخون اور برکتوں کا پیش خیمہ تھا۔ میں، جہاز چلاتے ہوئے، سامنے دیکھتا رہتا۔ ایک روز کرٹز نے اچانک کہا، ''جھلملی بند کردو۔ یہ دیکھنے کی مجھ میں تاب نہیں۔'' میں نے کہے کی تعمیل کی۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ ''اوہ، لیکن میں اب بھی تیرا دل مسل کر چھوڑوں گا!'' وہ نظر نہ آنے والے ویرانے پر دہاڑا۔

'ہمارا جہاز، جیسی مجھے توقع تھی، خراب ہوگیا اور مرمت کے واسطے ہمیں ایک جزیرے کی راس پر پڑاؤ کرنا پڑا۔ یہ تاخیر پہلی بات تھی جس سے کرٹز کے اعتماد کو دھچکا پہنچا۔ ایک صبح اس نے مجھے کاغذوں کا پلندا اور ایک فوٹو دیا— یہ سب چیزیں جوتے کے تسمے سے بندھی ہوئی تھیں۔ ''یہ میری خاطر رکھ لو'' اس نے کہا۔ ''جس وقت میری توجہ نہ ہو تو اس پاجی الو کے پٹھے (اشارہ مینیجر کی طرف تھا) سے بعید نہیں کہ میرے صندوق کھول کر تول مارنے پر اتر آئے۔'' سہ پہر کو میں نے کرٹز کو دیکھا۔ آنکھیں موندے چت لیٹا تھا اور میں چپ چاپ الٹے پاؤں واپس ہولیا لیکن اسے بڑبڑاتے سنا: ''جیو تو راست بازی سے، مرو... مرو...'' میں سننے لگا۔ اس نے اور کچھ نہ کہا۔ کیا وہ سوتے میں کوئی تقریر دہرا دہرا کر یاد کر رہا تھا یا یہ کسی اخباری مضمون کے جملے کا حصہ تھا؟ وہ اخباروں کے لیے لکھتا رہا تھا اور مزید خامہ فرسائی کا ارادہ رکھتا تھا۔ ''اپنے افکار کی تبلیغ کے لیے۔ یہ مجھ پر فرض ہے۔''

'اس کی تاریکی ناقابل گزر تھی۔ میں اسے یوں دیکھا کرتا جیسے کسی ایسے گہرے کھڈ میں پڑے آدمی کی طرف دیکھ رہا ہوں جہاں دھوپ کا کبھی گزر نہ ہوتا ہو۔ مگر میں اسے زیادہ وقت نہ دے سکا کیوں کہ میں چوتے ہوئے سلنڈروں کو کھولنے ادھیڑنے، ٹیڑھی ہوجانے والی کسی اتصالی راڈ کو سیدھا کرنے اور اسی قماش کے دوسرے دھندوں میں انجن ڈرائیور کا ہاتھ بٹانے میں مصروف تھا۔ زنگ، برادے، ڈھبریوں، پیچوں، پانوں، ہتھوڑوں اور رینچٹ (۱۴) برموں کے ایک آفتی کھٹ راگ کے درمیان دن گزار رہا تھا— ان چیزوں سے مجھے گھن آتی ہے کیوں کہ میری ان کی نبھتی نہیں۔ اس بھٹی کی دیکھ بھال میں لگا رہتا جو ہماری خوش قسمتی سے جہاز پر موجود تھی؛ اکتایا اکتایا ایک واہی تباہی کباڑ خانے میں خون پسینہ ایک کرتا رہتا— بشرطے کہ اتنا جاڑا بخار نہ چڑھا ہوتا کہ میرے لیے کھڑا ہونا بھی ناممکن ہوجاتا۔

'ایک شام موم بتی لیے میں اندر آیا ہی تھا کہ اسے کچھ کچھ کانپتی آواز میں یہ کہتے سن کر چونک اٹھا: ''میں یہاں اندھیرے میں لیٹا موت کا انتظار کر رہا ہوں۔'' روشنی اس کی آنکھوں سے فٹ بھر سے بھی کم دور تھی۔ میں خود پر جبر کر کے بڑبڑایا، ''اوہ، فضول بات۔'' اور اس کے سرہانے اس طرح جا کھڑا ہوا جیسے مبہوت ہو کر رہ گیا ہوں۔

---

(۱۴) ایک طرح کا دندانے دار پہیہ۔

www.urduchannel.in

'جو تبدیلی اس کے چہرے پر واقع ہوئی اس سے ملتی جلتی کوئی چیز میں نے نہ پہلے کبھی دیکھی تھی اور نہ آئندہ دیکھنے کی امید ہے۔ اوہ، میں اس سے متاثر نہیں ہوا۔ میں مسحور ہو گیا۔ یہ ایسا تھا جیسے کوئی نقاب چاک ہو گئی ہو۔ میں نے اس کے ہاتھی دانت جیسے چہرے پر مغموم غرور، بے رحم طاقت، بزدلانہ دہشت کی — شدید اور لادوا نومیدی کی — کیفیت دیکھی۔ کیا مکمل آگہی کے اس ارفع لمحے میں وہ تمنا، تحریص اور سپردگی کی ہر ہر تفصیل کے ساتھ اپنی زندگی دوبارہ بسر کر رہا تھا؟ وہ کسی خیالی پیکر پر، کسی رویت پر، سرگوشی میں چیخا — وہ دو دفعہ چلایا، ایک چیخ جو تنفس سے زیادہ نہ تھی۔

''یہ ہول ناکی! یہ ہول ناکی!''

'میں نے پھونک مار کر موم بتی بجھا دی اور کیبن سے چلا آیا۔ زائرین طعام خانے میں کھانا کھا رہے تھے اور میں اپنی جگہ پر ... گیا جو منیجر کے آمنے سامنے تھی؛ منیجر نے آنکھ اٹھا کر میری طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا جسے میں نے کامیابی سے نظر انداز کر دیا۔ اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ، جو اس کی کمینگی کی ظاہر ناشدہ گہرائیوں کو مہر بند کرتی تھی، اس نے، پُرسکون ہو کر، پیچھے ٹیک لگا لی۔ لیمپ پر، دسترخوان پر ہمارے ہاتھوں اور چہروں پر بھنگے مسلسل بوچھار کی صورت میں گر رہے تھے۔ یکا یک منیجر کے چھوکرے کے کالے سیاہ نخوت آمیز سر نے دروازے میں نمودار ہو کر زہریلی تحقیر سے بھرے لہجے میں کہا:

''کرنز صیب۔ فوت گیا۔''

'تمام زائرین دوڑے دوڑے گئے کہ دیکھیں تو سہی۔ میں اپنی جگہ سے نہ ہلا اور کھانا کھاتا رہا۔ میرا خیال ہے کہ مجھے بہیمانہ حد تک بے درد سمجھا گیا۔ بہرحال، میں نے زیادہ کھانا نہیں کھایا۔ وہاں اندر لیمپ جل رہا تھا — روشنی، سمجھے کہ نہیں — اور باہر اگھور، اتنا اگھور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ میں اس قابل ذکر آدمی کے قریب پھر کبھی نہ گیا جو اس دنیا میں اپنی روح کی مہم جوئیوں پر فیصلہ صادر کر چکا تھا۔ وہ آواز رخصت ہو چکی تھی۔ آواز کے سوا وہاں دھرا ہی کیا تھا؟ لیکن اتنا بے شک مجھے معلوم ہے کہ اگلے دن زائرین نے ایک کیچڑ بھرے گڑھے میں کسی چیز کو دفنایا۔

'اس کے بعد انھوں نے مجھے بھی قریب قریب دفنا ہی دیا۔

'بہرکیف، جیسا کہ تم پر ظاہر ہی ہے، میں کرنز سے فی الفور نہ جا ملا۔ یہ نوبت نہ آئی۔ اس خواب پریشاں کو اول تا آخر دیکھنے اور کرنز کے ساتھ ایک مرتبہ اور وفا کرنے کی غرض سے زندہ بچا رہا۔ مقدر۔ میرا مقدر امضحک شے ہے یہ زندگی — ایک لاطائل مقصد کی خاطر بے رحم منطق کی پُراسرار ترتیب۔ زیادہ سے زیادہ اس سے یہی توقع کی جا سکتی ہے کہ خود اپنی ذات سے تھوڑی بہت آگہی حاصل ہو جائے گی۔ مگر یہ آگہی — کبھی نہ مٹ سکنے والی پشیمانیوں کی فصل — بہت دیر ہو چکنے کے بعد نصیب ہوتی ہے۔ میں نے موت سے کشتی لڑی ہے۔ اس سے زیادہ روکھے پھیکے مقابلے کا تصور ممکن نہیں۔ یہ کشتی غیر محسوس دھندلاہٹ میں لڑی جاتی ہے، جہاں قدموں تلے

www.urduchannel.in

کچھ نہیں ہوتا، ارد گرد کچھ نہیں ہوتا، نہ تماشائی، نہ غل غپاڑا، نہ کسی شرف کا حصول، نہ جیت کی بڑی آرزو، نہ ہار کا بڑا خوف: یہ کشتی کسلنے تذبذب کے مریضانہ ماحول میں، خود اپنے حق بجانب ہونے پر زیادہ یقین کے بغیر اور مدمقابل کے حق بجانب ہونے پر اس سے بھی کم یقین کے ساتھ لڑنی پڑتی ہے۔ اگر دانش کی انتہائی شکل یہی ہے تو زندگی اس سے کہیں بڑی پہیلی ہے جتنی کہ ہم میں سے بعض اسے سمجھے بیٹھے ہیں۔ میں فیصلہ صادر کرنے کے آخری موقعے سے بال بھر دور رہ گیا اور میں نے شرمندگی کے ساتھ یہ جانا کہ شاید میرے پاس کہنے کو کچھ بھی نہ ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ میں کرٹز کے غیر معمولی انسان ہونے کی تصدیق کرتا ہوں۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ تھا۔ وہ اس نے کہہ دیا۔ چوں کہ میں خود کگر پر کھڑے ہو کر نیچے قعر میں جھانک چکا تھا اس لیے کرٹز کی بندھی ٹکٹکی میں پنہاں مفہوم کو بہتر طور پر سمجھ سکتا ہوں، جو موم بتی کے شعلے کو تو نہ دیکھ سکی تھی لیکن اتنی وسعت کی حامل تھی کہ تمام کائنات کو آغوش میں لے سکے، اتنی کھب جانے والی تھی کہ ظلمات میں دھڑکتے تمام دلوں کے آر پار ہو سکے۔ اس نے لب لباب بیان کر دیا تھا — وہ فیصلہ سنا چکا تھا۔ ''یہ ہول ناکی۔'' وہ غیر معمولی آدمی تھا۔ اس کا یہ کہنا آخر کسی قسم کے ایمان کا اظہار تو تھا: اس میں کھرا پن تھا، وثوق تھا۔ اس کی سرگوشی میں بغاوت کا تھرتھراتا لہجہ تھا، جھلکی جھلکی دیکھی ہوئی سچائی کی بھیانک شکل تھی — چاہت اور نفرت کا عجیب و غریب امتزاج۔ اور جو چیز مجھے سب سے اچھی طرح یاد ہے وہ خود اپنے درد کی انتہا نہیں — انتہا جو دھندلاہٹ بھری رویت تھی، شکل سے عاری، جسمانی اذیت سے عبارت اور تمام چیزوں کی ناپائیداری — خود اس درد تک کی ناپائیداری — کے لیے بے پروا حقارت پر مشتمل۔ نہیں، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے خود کرٹز کے درد کی انتہا کو جھیلا ہے۔ بجا کہ وہ آخری قدم اٹھا چکا تھا، کنارے سے آگے پاؤں رکھ چکا تھا، جب کہ مجھے اپنا ڈانواں ڈول قدم پیچھے ہٹا لینے کا اذن مل گیا تھا اور شاید اسی بات میں تمام کا تمام فرق پایا جاتا ہے: شاید تمام دانائی، اور تمام سچائی اور تمام خلوص، وقت کے بس اس نامحسوس لمحے میں سمٹ آتا ہے جس میں ہم عالم غیب کی دہلیز پار کرتے ہیں۔ شاید! یہ خیال میرے جی کو لگتا ہے کہ جو لب لباب میں پیش کرتا وہ بے پروا حقارت بھرے ایک لفظ پر مشتمل نہ ہوتا۔ کرٹز کی پکار ہی بہتر تھی — کہیں بہتر۔ وہ توثیق تھی، اخلاقی فتح تھی جس کی قیمت ان گنت شکستوں، گھناؤنی دہشتوں اور گھناؤنی آسودگیوں کی صورت میں چکائی گئی تھی۔ لیکن وہ فتح تھی! یہی وجہ ہے کہ میں آخر وقت تک کرٹز کا وفادار رہا ہوں، اور آخر سے بھی آگے تک، جب ایک طویل عرصے کے بعد میں نے دوبارہ، خود کرٹز کی آواز تو نہیں بلکہ اس کی پُرتجمل فصاحت کی بازگشت سنی جسے میری جانب ایک ایسی روح نے لوٹایا جو بلوری چٹان کی طرح نیم شفاف طور پر پاک صاف تھی۔

نہیں، انھوں نے مجھے دفنایا تو نہیں، گو وقت کا ایک دور ایسا ہے جو مجھے، لرزہ خیز تحیر کے ساتھ، دھندلا دھندلا یاد ہے جیسے کسی انہونی دنیا سے گزر جس میں نہ تو کوئی امید باقی تھی نہ کوئی آرزو۔ میں نے خود کو دوبارہ اس مزار نما شہر میں پایا اور لوگوں کو دیکھ دیکھ کر چڑتا رہا جو ایک دوسرے سے مٹھی بھر رقم موسنے، اپنی بیہودہ طباخی

www.urduchannel.in

ڈھکوسنے، اپنی بساہندی بیئرغٹ غٹا کر پینے، اپنے پوچ اور احمقانہ خواب دیکھنے کی غرض سے سڑکوں پر دوڑے دوڑے پھر رہے تھے۔ میرے خیالات میں مخل ہو رہے تھے۔ ایسے خلل انداز جن کا زندگی کے بارے میں علم میرے نزدیک اشتعال انگیز ڈھکوسلا تھا، کیوں کہ مجھے پختہ یقین تھا کہ یہ ممکن ہی نہیں انھیں ان باتوں کا کچھ پتا ہو جو مجھے معلوم ہیں۔ ان کی روش محض ایسے عامیانہ افراد کی روش تھی جو اس بھروسے پر اپنے اپنے کام کاج میں مگن ہوں کہ وہ ہر طرح سے محفوظ و مامون ہیں۔ یہ رویہ میری نظر میں اتنا ہی قابل نفریں تھا جتنا اس ابلہی کا جو کسی ایسے خطرے سے دوچار ہو کر جو اس کی فہم سے بالاتر ہو، واہیات فیم تام کا مظاہرہ کرتی رہے۔ مجھے کوئی خاص خواہش نہ تھی کہ انھیں حقیقت سے آگاہ کروں، لیکن ان کی شکلیں دیکھ کر، جن پر سراسر احمقانہ اہمیت طاری تھی، منھ در منھ قہقہہ لگانے سے خود کو باز رکھنے میں مجھے کچھ دقت ہوئی۔ عین ممکن ہے میری طبیعت اس وقت کوئی اتنی ٹھیک نہ ہو۔ مجھے بہت سے معاملات نمٹانے تھے۔ میں ہر لحاظ سے معزز افراد کو دیکھ دیکھ کر زہریلے انداز میں دانت نکوستا ہوا سڑکوں پر لڑکھڑاتا پھرتا رہتا تھا۔ مجھے تسلیم ہے کہ میرا طرز عمل ناقابل معافی تھا لیکن یہ بھی تو ہے کہ ان دنوں میرا درجۂ حرارت شاذ و نادر نارمل رہتا تھا۔ میری پیاری چچی کی ''میرے قویٰ کو سنبھالا دینے'' کی مساعی بالکل بے محل تھیں۔ میرے قویٰ کو سنبھالے کی ضرورت نہ تھی بلکہ میرے تخیل کو ٹھنڈا رکھنا ضروری تھا۔ کرٹز کے دیے ہوئے کاغذوں کا پلندا میں نے اپنے پاس ہی رہنے دیا کیوں کہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان کا آخر کیا کروں۔ مجھے پتا چلا تھا کہ کرٹز کی والدہ، کچھ عرصے پہلے، وفات پا چکی تھی۔ بیماری کے دوران کرٹز کی منگیتر والدہ کی تیمارداری کرتی رہی تھی۔ ایک روز ایک داڑھی مونچھ منڈا آدمی، جس کا انداز افسرانہ اور عینک کی کمانی سنہری تھی، مجھ سے ملنے آیا اور بعض چیزوں کے بارے میں، جنھیں اس نے ازراہ کرم چند ایک ''دستاویزات'' کے نام سے یاد کیا، پہلے پہل تو گھما پھرا کر اور بعد ازاں شائستگی سے بضد ہو کر پوچھ گچھ کرنے لگا۔ مجھے کوئی تعجب نہ ہوا کیوں کہ اس موضوع پر وہاں ملک سے باہر بھی منیجر سے میری دو دفعہ جھڑپ ہو چکی تھی۔ میں نے اس پلندے سے کاغذ کا ذرا سا پرزہ تک دینے سے انکار کر دیا تھا، اور یہی انداز میں نے اس عینک والے کے ساتھ اختیار کیا۔ آخر کار وہ قدرے غضب آلود ہو کر ڈرانے دھمکانے پر اتر آیا اور خاصا گرم ہو کر یہ دلیل لایا کہ کمپنی اپنے ''علاقہ جات'' کے بارے میں چھوٹی سے چھوٹی معلومات تک سے آگاہی حاصل کرنے کا حق رکھتی ہے۔ اور اس نے کہا، ''ان علاقوں سے جنھیں ابھی دیکھا بھالا نہیں گیا مسٹر کرٹز کی واقفیت — ان کی عظیم صلاحیتوں کے پیش نظر اور ان افسوس ناک حالات کی بنا پر جن میں انھیں وہاں رہنے کا اتفاق ہوا — لازمی طور پر وسیع اور انوکھی ہوگی: لہٰذا —'' میں نے اسے یقین دلایا کہ مسٹر کرٹز کی معلومات، اگرچہ وسیع سہی، کاروباری یا انتظامی مسائل سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی۔ اس کے بعد اس نے سائنس کی دہائی دی۔ ''اس نقصان کا کبھی اندازہ نہ لگایا جا سکے گا اگر —'' وغیرہ وغیرہ۔ میں نے اسے ''وحشیانہ رسوم کے انسداد'' سے متعلق رپورٹ، پس لفظ پھاڑ کر، پیش کر دی۔ اس نے رپورٹ بڑے شوق سے دیکھنی شروع

www.urduchannel.in

کی لیکن آخر حقارت بھرے انداز میں ناک بھوں چڑھا کر رہ گیا۔ ''یہ وہ چیز نہیں جس کی توقع رکھنے میں ہم حق بجانب تھے،'' اس نے رائے ظاہر کی۔ ''اور کوئی توقع نہ رکھیے،'' میں نے کہا، ''باقی تو صرف نجی خطوط ہیں۔'' وہ قانونی چارہ جوئی کی کوئی دھمکی دے کر رخصت ہوا اور پھر کبھی نظر نہ آیا؛ لیکن دو دن بعد ایک اور شخص نمودار ہوا جس نے خود کو کرنز کا رشتے زاد بتایا اور اپنے پیارے رشتے دار کے آخری لمحات کی تمام تفصیلات سننے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ آمد سخن میں اس نے مجھے یہ بتایا کہ کرنز اصل میں ایک عظیم موسیقار تھا۔ ''اس میں نہایت کامیاب فنکار ثابت ہونے کا جوہر موجود تھا،'' اس آدمی نے کہا، جو میرے خیال میں ارگن نواز تھا اور جس کے چھدرے خاکستری بال کوٹ کے چکیلے کالر پر بکھرے ہوئے تھے۔ میرے پاس اس کے بیان پر شک کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی؛ اور میں آج بھی یہ کہنے سے قاصر ہوں کہ کرنز کا پیشہ آخر تھا کیا، آیا اس کا کوئی پیشہ کبھی تھا بھی — یہی اس کی عظیم ترین صلاحیت تھی۔ میں نے اسے ایسا مصور سمجھا جو اخباروں کے لیے مضامین لکھتا تھا، یا پھر ایسا صحافی جو مصوری کر سکتا تھا۔ لیکن اس کا رشتے زاد تک (جو ملاقات کے دوران میں نسوار لیتا رہا) مجھے یہ نہ بتا سکا کہ وہ — اصل میں — تھا کیا۔ وہ ہمہ گیر قسم کا نابغہ تھا — اس نکتے پر میں نے بڑے میاں سے اتفاق کیا، جس کے بعد اس نے بڑے سے سوتی رومال میں زور سے ناک سنکی اور چند خاندانی خطوط اور غیر اہم یادداشتیں لے کر ضعیفانہ بوکھلاہٹ کے عالم میں رخصت ہوا۔ آخر میں ایک صحافی میرے پاس آیا جو کہ اپنے عزیز ''ہم پیشہ'' کے انجام کے بارے میں کچھ معلوم کرنے کے لیے بے تاب تھا۔ اس ملاقاتی نے مجھے مطلع کیا کہ کرنز کو ''مقبول عام پارٹی کی طرف سے'' سیاست میں حصہ لینا چاہیے تھا کہ یہی میدان عمل اس کے لیے موزوں رہتا۔ اس کی بھنویں سیدھی اور گھنی تھیں، سخت اکڑے ہوئے بال بہت چھوٹے چھوٹے کٹے ہوئے تھے اور یک چشمی عینک ربن سے بندھی تھی، اور اس نے بلا تکلف یہ تسلیم کر لیا کہ کرنز کو درحقیقت لکھنے کا ذرا بھی سلیقہ نہ تھا — ''لیکن خدایا! اس کے زور بیان کا کیا کہنا۔ بڑے بڑے جلسوں میں بجلی دوڑا دیتا تھا۔ اس کے پاس ایمان تھا — آپ سمجھتے نہیں؟ — وہ ایمان محکم کا مالک تھا۔ وہ خود کو کسی بھی چیز پر — کسی بھی چیز پر — ایمان لے آنے پر آمادہ کر سکتا تھا۔ وہ کسی انتہا پسند جماعت کا نہایت عمدہ قائد ثابت ہوتا۔'' ''کون سی جماعت؟'' میں نے پوچھا۔ ''کوئی سی جماعت،'' دوسرے آدمی نے جواب دیا۔ ''وہ ایک — ایک — انتہا پسند انسان تھا۔'' کیا میری دانست میں وہ انتہا پسند نہ تھا؟ میں نے اس کے خیال سے اتفاق کیا۔ اچانک وفور تجسس سے مغلوب ہو کر اس نے دریافت کیا کہ کیا مجھے معلوم ہے کہ ''وہ کیا بات تھی جس نے اسے وہاں جانے پر اکسایا؟'' ''ہاں،'' میں نے کہا، اور فی الفور وہ مشہور رپورٹ اشاعت کی غرض سے، بشرطے کہ وہ اسے شائع کرنے کے حق میں ہو، اس کے حوالے کر دی۔ اس نے جلد جلد اسے الٹ پلٹ کر دیکھا، پورے وقت منہ ہی منہ میں بدبداتا رہا، فیصلہ کیا کہ ''کام چل جائے گا،'' اور اس مال غنیمت کے ساتھ اپنی راہ لی۔

'اس طرح آخر کار میرے پاس خطوط کا پتلا سا پلندا اور اس لڑکی کا فوٹو رہ گیا۔ وہ مجھے خوبصورت معلوم

www.urduchannel.in

ہوئی — میرا مطلب ہے کہ چہرے سے خوبصورتی کا تاثر ملتا تھا۔ مجھے پتا ہے کہ دھوپ کو بھی جھوٹ بولنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے؛ اس کے باوجود یہ محسوس ہوا کہ لڑکی کے نقوش پر سچے پن کا جو لطیف پرتو نظر آتا تھا وہ روشنی اور پوز کی کسی ملی بھگت کا نتیجہ نہیں۔ وہ کسی ذہنی ہیر پھیر کے بغیر، کسی شک کے بغیر، اپنی پروا کیے بغیر، بات سن لینے پر آمادہ نظر آتی تھی۔ میں نے طے کیا کہ فوٹو اور خطوط واپس کرنے کے لیے خود اس کے پاس جاؤں گا۔ تجسس؟ ہاں، اور شاید کوئی اور جذبہ بھی کارفرما تھا۔ وہ سب کچھ جو کرنز کی ملکیت تھا میرے ہاتھ سے جاتا رہا تھا: اس کی روح، جسم، اڈا، منصوبے، ہاتھی دانت، کیریر۔ صرف اس کی یاد اور منگیتر باقی تھی — اور میں ان دونوں کو بھی، ایک طرح سے، ماضی کے حوالے کر دینا چاہتا تھا۔ اس کا جو کچھ میرے پاس بچا تھا وہ سب کا سب اپنے ہاتھوں اس نسیان کو سونپ دینے کا خواہش مند تھا جو ہمارے مشترک مقدر کا حرف آخر ہے۔ میں اپنی صفائی پیش نہیں کر رہا۔ مجھے اس بات کا کوئی واضح شعور نہیں کہ میں دراصل چاہتا کیا تھا۔ شاید لاشعوری وفاداری ظاہر کرنے کا اچانک جوش چڑھ گیا ہوگا یا ان ستم ظریفانہ ضروریات میں سے کسی کی تکمیل مقصود ہوگی جو انسانی وجود کے حقائق میں دبکی رہتی ہیں۔ مجھے نہیں معلوم۔ بتانے سے قاصر ہوں۔ لیکن میں ملنے چلا گیا۔

'میرا خیال تھا کہ اس کی یاد بھی رفتگاں کی اُن دوسری یادوں سے مشابہ ہوگی جو ہر آدمی کی زندگی میں اکٹھی ہوتی رہتی ہیں — ان سایوں کی مبہم چھاپ جو اپنے آخری اور برق رفتار گزر کے دوران میں دماغ پر پڑتے رہے ہوں؛ لیکن اس بلند اور بھاری بھرکم دروازے کے سامنے، اونچے اونچے مکانوں کے درمیان واقع ایک ایسی سڑک پر جو کسی گورستان کی صاف ستھری روش کے مانند خاموش اور باقرینہ تھی، مجھے کرنز کا دیدار ہوا کہ وہ، ندیدوں کی طرح منہ پھیلائے، جیسے ساری دنیا کو تمام انسانی آبادی سمیت نگل جانا چاہتا ہو، اسٹریچر پر پڑا ہے۔ وہ اس گھڑی مجھے آنکھوں کے سامنے زندہ نظر آیا؛ اتنا ہی زندہ جتنا وہ کسی بھی وقت رہا ہوگا — پُرشوکت نمود و نمائش سے، دل ہلا دینے والے حقائق سے کبھی سیر نہ ہونے والا ایک سایہ؛ رات کے سائے سے زیادہ تیرہ و تار سایہ، زرق برق فصاحت میں شکن در شکن پُروقار انداز میں لپٹا ہوا۔ مجھے لگا کہ یہ جلوہ میرے ساتھ ساتھ گھر میں قدم رکھنے کو ہے — اسٹریچر، آسیبوں سے مشابہ اسٹریچر بردار، تابع دار پرستاروں کا وحشیانہ جم غفیر، جنگل کا اندھیرا، دھندلے دھندلے موڑوں کے درمیان دریائی پھیلاوٹ کی چمک دمک، ڈھولوں کی دھما دھم، باقاعدہ اور گھٹی گھٹی، جیسے کسی دل کی — کسی غالب آتے ظلمات کے دل کی — دھڑکن۔ وہ لمحہ ویرانے کی کامرانی کا لمحہ تھا، ایک چڑھ دوڑنے والا منتقم مزاج ریلا جسے، میں نے یہ محسوس کیا، کسی دوسری روح کی مخلصی کی خاطر مجھے تن تنہا روکے رکھنا پڑے گا۔ اور ان باتوں کی، ٹوٹے پھوٹے جملوں کی، یاد ذہن میں تازہ ہوگئی جو میں نے دور وہاں ان بردبار جنگلوں میں کرنز سے اس وقت سنے تھے جب میری پیٹھ پیچھے، آگوں کی دہک میں، سینگوں والی شکلیں کلبلا رہی تھیں۔ وہ جملے اپنی منحوس اور دہشت ناک سادگی کے ساتھ دوبارہ سنائی دیے۔ مجھے اس کی گھٹیا منت سماجت، اوچھی دھمکیاں، نجس خواہشات کا

www.urduchannel.in

بے نہایت طومار، روح کی کمینگی، عقوبت اور ہنگامہ خیز اذیت یاد آ گئی۔ اور بعد ازاں مجھے محسوس ہوا کہ میں کرٹز کا وہ طمانیت آمیز الکساہٹ بھرا انداز دیکھ رہا ہوں جسے اپنا کر اس نے ایک روز مجھ سے کہا تھا: "ہاتھی دانت کی یہ کھیپ دراصل اب میری ہے۔ کمپنی نے اس کی قیمت ادا نہیں کی۔ میں نے جان جوکھوں میں ڈال کر اسے خود جمع کیا ہے۔ ویسے مجھے خدشہ ہے وہ یہ دعویٰ کرنے کی کوشش کریں گے کہ یہ کھیپ ان کی ملکیت ہے۔ ہوں۔ معاملہ ٹیڑھا ہے۔ تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ — مدافعت؟ ہیں؟ میں انصاف کے سوا کچھ نہیں چاہتا"... وہ انصاف کے سوا کچھ نہ چاہتا تھا — انصاف کے سوا کچھ نہیں۔ میں نے دوسری منزل پر مہاگنی کے ایک دروازے کے سامنے گھنٹی بجائی اور جتنی دیر انتظار کیا مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کواڑ کے شیشہ آسا چوکھٹے سے مجھے گھور رہا ہے — اسی عریض اور بے پایاں انداز میں گھور رہا ہے جو تمام کائنات کو بانہوں میں سمیٹ کر اس پر لعنت بھی بھیجتا تھا اور اس سے گھن بھی کھاتا تھا۔ میں نے محسوس کیا جیسے وہ زیر لب چیخ مجھے سنائی دے رہی ہو: "یہ ہولناکی! یہ ہولناکی!"

'اندھیرا چھانے لگا تھا۔ مجھے ایک بلند بام ڈرائنگ روم میں انتظار کرنا پڑا جس میں فرش سے چھت تک تین لمبی لمبی کھڑکیاں تین ضوفگن اور چادروں میں لپٹے ستون معلوم ہو رہی تھیں۔ فرنیچر کے خمیدہ ملمع پائے اور پشتے غیر واضح قوسوں کی صورت میں چمک رہے تھے۔ بلند مرمریں آتش دان سے ٹھنڈا، مزار آسا اجلاہٹ ہویدا تھی۔ ایک گوشے میں ایک گرینڈ پیانو بھرا انداز میں رکھا تھا: اس کی سپاٹ سطحوں پر کالی کالی جھلملاہٹیں تھیں جیسے وہ پتھر کا بنا کوئی تاریک اور مجلا منقش تابوت ہو۔ ایک اونچا دروازہ کھلا — بھڑا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔

'وہ سرتاپا سیاہ، پیلے پیلے بالوں والی آگے بڑھی، دھندلکے میں میری جانب گویا تیرتی ہوئی آئی۔ اس نے ماتمی لباس پہن رکھا تھا۔ کرٹز کو فوت ہوئے ایک سال سے زیادہ ہو چکا تھا، اس کی وفات کی خبر آئے سال بھر سے اوپر ہو گیا تھا: معلوم یہ ہوتا تھا جیسے وہ اسے ہمیشہ یاد رکھے گی اور ہمیشہ اس کا ماتم کرتی رہے گی۔ اس نے میرے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے اور دبی زبان سے کہا: "میں نے سنا تھا کہ آپ آنے والے ہیں۔" میں نے دیکھا کہ وہ بہت نوجوان نہ تھی — میرا مطلب ہے کہ اس میں لڑکپن نہ تھا۔ اس میں وفادار رہنے، یقین رکھنے، دکھ جھیلنے کی سیانوں جیسی استعداد پائی جاتی تھی۔ یوں محسوس ہونے لگا جیسے کمرے میں اندھیرا بڑھ گیا ہو، جیسے ابر آلود شام کی ساری اداس روشنی نے اس کی پیشانی پر پناہ لے رکھی ہو۔ بھینے بھینے بال، پیلا بشرہ، پاکیزہ جبین، ایک خاکستری ہالے میں گھری معلوم ہوتی تھی جس میں سے وہ کالی آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے مجھ پر اچٹتی سی بے ریا، گمبھیر، حوصلہ مند اور پُر اعتماد نظر ڈالی۔ وہ اپنا غمگین سر یوں اٹھائے ہوئے تھی جیسے اس غم پر نازاں ہو، جیسے یہ کہنے والی ہو: "مجھے — صرف مجھے معلوم ہے کہ اس کے ماتم کا حق کیسے ادا کیا جانا چاہیے۔" لیکن جب ہم مصافحہ کرنے لگے تو اس کے رخ پر اس غضب کی ویرانی نمودار ہوئی کہ میں سمجھ گیا کہ وہ ان ہستیوں میں سے ہے جو وقت

www.urduchannel.in

کے ہاتھوں میں کھلونا نہیں بن سکتیں۔ اس کے لیے کرنز بس کل ہی فوت ہوا تھا۔ اور قسم کھا کر کہتا ہوں، یہ تاثر اتنا قوی تھا کہ مجھے بھی یہی محسوس ہونے لگا کہ وہ بس کل ہی — نہیں، بلکہ ٹھیک اسی وقت — فوت ہوا ہے۔ میں نے اسے اور کرنز کو وقت کے ایک ہی لمحے میں دیکھا — کرنز کی موت اور منگیتر کا غم — میں نے اس کا غم عین اس لمحے میں دیکھا جس میں کرنز نے دم توڑا تھا۔ سمجھے کہ نہیں؟ میں نے اُنھیں ایک ساتھ دیکھا — انھیں ایک ساتھ بولتے سنا۔ اس نے سانس کے گہرے کھٹکے کے ساتھ ''میں بچ گئی ہوں'' کہا، اور ادھر مجھے، جو کان پوری طرح کھولے ہوئے تھا، واضح طور پر یہ سنائی دے رہا تھا جیسے اس لہجے کی مایوس پشیمانی بھری کیفیت اور کرنز کی وہ سرگوشی جس میں اس نے ابدی مذمت کا لب لباب پیش کیا تھا، آپس میں خلط ملط ہوگئی ہیں۔ میں نے اپنے آپ سے پوچھا کہ میں وہاں کیا کر رہا ہوں، اور میرے دل میں ہول اٹھنے لگے جیسے میں الل ٹپ ایسے سفاک اور لایعنی اسرار کی جائے گاہ میں جا نکلا ہوں جو کسی انسان کے دیکھنے جوگے نہ ہوں۔ اس نے مجھے اشارے سے کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ ہم بیٹھ گئے۔ میں نے پلندے کو سیج سے چھوٹی میز پر رکھ دیا، اور اس نے پلندے پر ہاتھ رکھ لیا... ''آپ ان سے بخوبی واقف تھے،'' لمحے بھر کی سوگوار خاموشی کے بعد اس نے دبی زبان سے کہا۔

''وہاں بے تکلفی جلد ہو جاتی ہے،'' میں نے کہا۔ ''میں ان سے اتنی ہی اچھی طرح واقف تھا جتنا ایک دوسرے سے واقف ہونا ممکن ہے۔''

''اور آپ نے انھیں تحسین کی نظر سے دیکھا،'' وہ بولی۔ ''ناممکن کہ کوئی جاننے والا انھیں تحسین کی نظر سے نہ دیکھے۔ یہی بات ہے نا؟''

''وہ غیر معمولی شخص تھے،'' میں نے اٹک اٹک کر بولتے ہوئے کہا۔ پھر اس کی التجا بھری نگاہوں سے دوچار ہو کر، جو مجھ پر جمی ہوئی میری زبانی مزید کچھ سننے کی منتظر تھیں، بولتا چلا گیا۔ ''ناممکن تھا کہ —''

''ان سے عشق نہ ہو جائے،'' اس نے بے قراری کے ساتھ جملہ مکمل کر کے مجھ پر ہراس آمیز گونگا پن طاری کر دیا۔ ''بالکل درست؛ بالکل درست! مگر جب سوچتی ہوں کہ کوئی اور تھا ہی نہیں جو مجھ سے زیادہ انھیں سمجھا ہو۔ مجھے ان کا مکمل عالی ظرفانہ اعتماد حاصل تھا۔ سب سے زیادہ میں ہی جانتی تھی کہ وہ کیا ہیں۔''

''سب سے زیادہ آپ ہی جانتی تھیں کہ وہ کیا ہیں،'' میں نے دہرایا۔ اور شاید وہ سچی تھی۔ لیکن ہر لفظ کی ادائیگی کے ساتھ کمرہ تاریک تر ہوتا جا رہا تھا اور صرف اس کی پیشانی، ہموار اور اجلی، محبت اور یقین کی کبھی گل نہ ہونے والی روشنی سے بدستور منور تھی۔

''آپ ان کے دوست تھے،'' وہ بولتی گئی۔ ''ان کے دوست...'' اس نے ذرا بلند آواز سے اپنی بات دہرائی۔ ''آپ ضرور ان کے دوست ہوں گے۔ تبھی تو انھوں نے یہ پلندا آپ کو دیا اور میری طرف بھیجا۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آپ سے بات کر سکتی ہوں — اور، اوہ، مجھے بات کرنی ہی چاہیے۔ میں چاہتی ہوں کہ

www.urduchannel.in

آپ — جنھوں نے ان کے آخری الفاظ سنے — جان لیں میں نے ثابت کر دکھایا کہ میں ان کے قابل تھی... یہ غرور نہیں... ہاں! مجھے یہ جان کر فخر ہے کہ روئے زمین پر کوئی نہ تھا جو مجھ سے بڑھ کر انھیں سمجھ سکا ہو — یہ انھوں نے خود مجھے بتایا تھا۔ اور ان کی والدہ کے انتقال کے بعد کوئی بھی تو نہ رہا — کوئی بھی — جس سے میں — میں —''

'میں سنتا رہا۔ اندھیرا بڑھتا گیا۔ مجھے یہ یقین بھی نہ رہا کہ کرنز نے اصلی پلندا مجھے دیا بھی تھا کہ نہیں۔ مجھے کچھ شک پڑتا ہے کہ وہ اپنے کاغذات کا کوئی اور مٹھا میری تحویل میں دینا چاہتا تھا، وہی جسے میں نے، اس کی رحلت کے بعد، منیجر کو لیمپ کی روشنی میں ملاحظہ کرتے دیکھا تھا۔ اور لڑکی بولتی رہی، اس یقین کے تحت اپنا غم ہلکا کرتی رہی کہ اسے میری ہم دردی حاصل ہے؛ وہ اس طرح بولے جا رہی تھی جیسے تو نسے ہوئے آدمی پانی پیتے ہیں۔ میں نے سنا تھا کہ اس کے گھر والوں نے کرنز سے اس کی منگنی کو پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھا تھا۔ کرنز کوئی خاص دولت مند یا صاحب حیثیت شخص نہ تھا۔ اور میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ آیا وہ عمر بھر کنگال رہا تھا کہ نہیں۔ اس نے مجھے یہ نتیجہ اخذ کرنے کا کچھ جواز مہیا کیا تھا کہ دوسروں کی بہ نسبت غریب ہونے کی تاب نہ لا کر وہ وہاں جانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

''' ہے کوئی جو ایک بار ان کی گفتگو سن کر ان کا دوست نہ بن گیا ہو؟'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''وہ دوسروں کو خود انھیں کی بہترین صلاحیتوں کے ذریعے اپنی طرف مائل کر لیتے تھے۔'' اس نے جوش میں آ کر میری طرف دیکھا۔ ''یہ خداداد صلاحیت عظیم ہستیوں میں پائی جاتی ہے،'' وہ بولتی رہی، اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ باقی تمام آوازیں، اسرار اور ویرانی اور اداسی سے معمور آوازیں، جو کبھی میرے سننے میں آئی تھیں، اس کی مدھم آواز کی سنگت کر رہی ہیں۔ دریا کے بہنے کی سرسراہٹ، ہوا میں جھومتے درختوں کی سائیں سائیں، ہجوموں کی بُڑبُڑ، کہیں دور سے پکارے گئے ناقابل فہم الفاظ کی مدھم سی گنجار، کسی دائمی ظلمات کی دہلیز کے پار سے آنے والی آواز کی سرگوشی۔ ''لیکن آپ نے تو انھیں بولتے سنا ہے! آپ کو تو پتا ہے!'' وہ بول اٹھی۔

''' ہاں، مجھے پتا ہے،'' مایوسی سے ملتی جلتی کیفیت کو دل میں لیے میں نے کہا، لیکن اس ایقان کے سامنے جو اسے تھا، اس عظیم اور نجات دینے والے فریب نظر کے سامنے سر جھکا دیا، وہ فریب نظر جو غیر ارضی تابانی کے ساتھ اندھیرے میں جگمگا رہا تھا، اس کامران اندھیرے میں جس سے اس لڑکی کو میں کسی صورت نہ بچا سکتا تھا — جس سے اپنے آپ تک کو بچانا میرے بس میں نہ تھا۔

''' کیسا نقصان ہوا ہے میرا — ہمارا!'' اس نے دل فریب فیاضی سے کام لے کر اپنے کہے کی تصحیح کی؛ پھر زیر لب مزید کہا، ''دنیا کا۔'' میں جھٹپٹے کی آخری جھلملاہٹوں میں اس کی آنکھوں کو دمکتے دیکھ سکتا تھا، جو آنسوؤں سے پُر تھیں — آنسوؤں سے جو ٹپکنے کا نام نہ لیتے تھے۔

www.urduchannel.in

''میں بہت خوشیاں دیکھ چکی — بہت خوش نصیب رہی ہوں — بہت نازاں'' وہ کہتی رہی۔ ''حد سے زیادہ خوش نصیب۔ ذرا دیر کے لیے حد سے زیادہ مسرور۔ اور اب میں ناشاد ہوں — زندگی بھر کے لیے۔''

'وہ اٹھ کھڑی ہوئی؛ یوں لگا جیسے اس کے بھینے بالوں نے تمام بچی کھچی روشنی کو سنہری ٹمٹماہٹ بنا کر سمیٹ لیا ہو۔ میں بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

''اور ان سب باتوں کا،'' وہ ماتمی انداز میں کہتی رہی، ''ان کی تمام ہونہاری کا، تمام عظمت کا، فیاض ذہن کا، عالی ہمت دل کا، کچھ باقی نہیں — ایک یاد کے سوا کچھ باقی نہیں۔ آپ اور میں —''

''ہم انھیں ہمیشہ یاد رکھیں گے،'' میں نے جلدی سے کہا۔

''نہیں!'' وہ چیخ اٹھی۔ ''ناممکن ہے کہ یہ سب کچھ اکارت جائے — کہ ایسی زندگی لٹا دی جائے اور اس سے کچھ حاصل نہ ہو — غم کے سوا۔ آپ کو تو معلوم ہے ان کے منصوبے کتنے عظیم الشان تھے۔ میں بھی ان منصوبوں سے باخبر تھی — شاید انھیں سمجھ نہ سکتی تھی — لیکن اور لوگ تو ان منصوبوں سے باخبر تھے۔ کچھ نہ کچھ تو باقی رہنا چاہیے۔ ان کے الفاظ، کم از کم، ابھی نیست نہیں ہوئے۔''

''ان کے الفاظ باقی رہیں گے،'' میں نے کہا۔

''اور ان کی مثال،'' اس نے زیرِ لب اپنے آپ سے کہا۔ ''لوگ ان کو عقیدت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ہر کام میں ان کی نیکی جھلکتی تھی۔ ان کی مثال —''

''بجا ہے،'' میں نے کہا؛ ''ان کی مثال بھی۔ ہاں، ان کی مثال۔ یہ میں بھول ہی گیا تھا۔''

''لیکن میں تو نہیں بھولی۔ مجھے یقین ہی نہیں آتا — آتا ہی نہیں — ابھی تک نہیں آیا۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ انھیں آئندہ کبھی نہ دیکھوں گی، کہ کوئی آدمی بھی آئندہ انھیں نہ دیکھ سکے گا، کبھی نہیں، کبھی نہیں، کبھی نہیں۔''

'اس نے پیلے ہاتھ باندھ کر سیاہ بانہیں کھڑکی کی مٹی اور تنگ چمک کے آر پار، گویا کسی پیچھے ہٹتی ہوئی شکل کی طرف پھیلا دیں۔ اسے کوئی کبھی نہ دیکھ پائے گا! میں اس وقت اسے اچھی خاصی طرح دیکھ سکتا تھا۔ جب تک میرے دم میں دم ہے یہ فصیح و بلیغ آسیب مجھے نظر آتا رہے گا، اور وہ لڑکی بھی نظر آتی رہے گی، ایک الم نصیب اور جانی پہچانی پرچھائیں، اپنی اس ادا کے حوالے سے ایک اور، وہ بھی الم نصیب، پرچھائیں سے مشابہ، جو بے اثر گنڈوں سے لدی پھندی، اس جہنمی دھارے ظلمات کے دھارے، کی جگمگاہٹ پر ننگی گندمی بانہیں پھیلائے کھڑی تھی۔ لڑکی نے یکا یک بہت آہستگی سے کہا: ''انھوں نے جس طرح زندگی گزاری اسی طرح جان دی۔''

''ان کا خاتمہ،'' میں نے، کہ بجھا بجھا غصہ مجھ میں کروٹیں لے رہا تھا، کہا، ''ہر لحاظ سے ان کی زندگی کے شایانِ شان تھا۔''

www.urduchannel.in

"''اور میں ان کے پاس نہ تھی۔'' وہ بڑبڑائی۔ ایک لامتناہی ترحم کے جذبے سے دوچار ہوکر میرا اطیش فرو ہوگیا۔

"''جو بھی ممکن تھا وہ —'' میں نے بڑبڑ ہونٹ ہلائے۔

"''اوہ، مگر جتنا یقین ان پر مجھے تھا دنیا میں کسی اور کو نہ تھا — اتنا ان کی والدہ کو بھی نہیں تھا۔ اتنا خود — انھیں بھی نہیں تھا۔ انھیں میری ضرورت تھی۔ میری! میں ان کی ہر آہ، ہر لفظ، ہر اشارے، ہر نظر کو دولت کی طرح سنبھال لیتی۔''

'مجھے محسوس ہوا جیسے میری چھاتی کو کسی یخ چیز نے جکڑ لیا ہو۔ ''نہیں،'' میں نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

"''میں معافی چاہتی ہوں۔ میں — میں — اتنی مدت چپ چاپ ان کو روتی رہی ہوں۔ چپ چاپ... آپ ان کے ساتھ تھے — آخری دم تک؟ مجھے ان کی تنہائی کا خیال آتا ہے۔ ان کے قریب کوئی نہ تھا جو انھیں اس طرح سمجھ سکتا جیسے میں سمجھ لیتی۔ شاید کوئی ان کی بات سننے والا بھی...''

"''بالکل آخری دم تک،'' میں نے ڈھلملا کر کہا۔ ''میں نے ان کے بالکل آخری الفاظ سنے...'' دہشت کے مارے میں چپ ہوگیا۔ ''انھیں دہرایئے،'' اس نے دل شکستہ لہجے میں زیرلب کہا۔ ''میں چاہتی ہوں — میں چاہتی ہوں — کوئی ایسی چیز — جس کے — جس کے — سہارے زندہ رہ سکوں۔''

'میں چلا کر اس سے یہ کہتے کہتے رہ گیا، ''تمھیں وہ الفاظ سنائی نہیں دے رہے؟'' شام کا اندھیرا ہمارے چاروں طرف انھیں لگاتار سرگوشی میں دہرا رہا تھا، ایسی سرگوشی میں جو تخویف آمیز انداز سے ابھرتی بھرتی معلوم ہوتی تھی، جیسے زور باندھتی ہوا کی پہلی سائیں سائیں۔ ''یہ ہول ناکی! یہ ہول ناکی!''

"''ان کا آخری لفظ — جس کے سہارے زندگی بتادوں،'' اس نے تقاضا کیا۔ ''آپ سمجھے نہیں، مجھے ان سے عشق تھا — ان سے عشق تھا — ان سے عشق تھا۔''

'میں نے اپنے حواس مجتمع کیے اور آہستہ آہستہ کہا:

"''آخری لفظ جو انھوں نے ادا کیا وہ — آپ کا نام تھا۔''

'میں نے ایک ہلکی سی آہ سنی اور پھر، ایک فاتحانہ اور ڈراؤنی چیخ سے، ناقابلِ تصور کامرانی اور ناگفتنی درد سے بھری چیخ سے، میرا دل دھک سے رہ گیا، دھڑکتے دھڑکتے رک گیا۔ ''مجھے پتا تھا — مجھے یقین تھا!'' اسے پتا تھا۔ اسے یقین تھا۔ میں نے اسے روتے سنا؛ اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا تھا۔ مجھے لگا جیسے وہ مکان میرے وہاں سے فرار ہونے سے پہلے ہی ڈھیر ہوجائے گا، جیسے آسمان میرے سر پر ٹوٹ پڑے گا۔ لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ آسمان ایسی نکے نکے کی باتوں پر نہیں ٹوٹا کرتا۔ حیرانی مجھے ہے تو یہ ہے کہ اگر میں کرٹز کے ساتھ ویسا ہی انصاف کرتا جس کا وہ مستحق تھا تو کیا آسمان ٹوٹ پڑتا؟ کیا اس نے نہیں کہا تھا کہ وہ صرف انصاف کا طالب ہے؟

www.urduchannel.in

نگر میں ایسا نہ کر سکا۔ میں اس لڑکی کو نہ بتا سکا۔ یہ بہت بڑا ظلم ہوتا — سراسر بہت بڑا ظلم۔"

مارلو خاموش ہو گیا، اور الگ تھلگ، غیر واضح اور خاموش، گیان دھیان میں محو کسی بدھ کی طرح آسن مارے، بیٹھا رہا۔ کچھ دیر تک کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ "جزر کا پہلا ریلا ہم نے گنوا دیا،" ڈائرکٹر نے یکبارگی کہا۔ میں نے سر اٹھایا۔ ساحل سے دور پرے سمندر پر گھٹاؤں کا کالا سیاہ اٹم راہ رو کے کھڑا تھا، اور دنیا کے بعید ترین سروں تک لے جانے والی پُرسکون آب راہ ابر آلود آسمان تلے کبھی بجھی بجھی بہے جاتی تھی — جیسے کسی بے کراں ظلمات کے دل میں اترتی جا رہی ہو۔

فیس بک گروپ: عالمی ادب کے اردو تراجم
https://www.facebook.com/groups/AAKUT/

www.urduchannel.in

ضمیمہ

فیس بک گروپ: عالمی ادب کے اردو تراجم
https://www.facebook.com/groups/AAKUT/

www.urduchannel.in

چینوا اچیبے

افریقہ کا تصور

سن ۱۹۷۴ء کے موسم خزاں کی بات ہے کہ ایک روز میں یونیورسٹی آف میساچوسٹس کے شعبہ انگریزی سے نکل کر پارکنگ لاٹ کو جا رہا تھا۔ وہ موسم خزاں کی ایک ایسی خوشگوار صبح تھی کہ جب پاس سے گزرتے اجنبیوں سے مصافحہ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ نوجوان جلدی میں چار سو بڑھ رہے تھے، جن میں سے کچھ بظاہر سال اول کے طالب علم بھی تھے جو بڑے اشتیاق میں نظر آتے تھے۔ ایک بڑی عمر کا آدمی، جو میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا، اچانک مڑا اور بولا کہ آج کل طالب علم کتنی چھوٹی عمروں کے نظر آنے لگے ہیں۔ میں نے تائید میں سر ہلایا۔ تب اس نے مجھ سے پوچھا کہ آیا میں بھی طالب علم ہوں۔ نہیں، میں نے کہا، میں پڑھاتا ہوں۔ میں کیا پڑھاتا ہوں؟ افریقی ادب۔ یہ تو بہت پر لطف بات ہوئی، وہ بولا، کیونکہ وہ ایک اور شخص کو بھی جانتا ہے جو ایک نزدیکی کمیونٹی کالج میں ایسی ہی کوئی چیز، یا شاید افریقہ کی 'تاریخ' پڑھاتا ہے۔ "مجھے اس بات نے ہمیشہ حیران کیا،" وہ بولتا گیا، "کیونکہ میں نے کبھی خیال نہیں کیا تھا کہ افریقہ کے پاس ایسی بھی کوئی چیز ہو سکتی ہے۔" میں اب قدرے تیز چل رہا تھا۔ "اوہ، ٹھیک ہے،" میں نے اسے آخر اپنے پیچھے کہتے سنا، "شاید مجھے یہ جاننے کے لیے آپ کی کلاس میں داخلہ لینا پڑے گا۔"

چند ہفتوں کے بعد مجھے یونکرز، نیویارک، سے ہائی اسکول کے بچوں کے دو بہت ہی متاثر کن خطوط موصول ہوئے۔ انھوں نے — خدا ان کے استاد کا بھلا کرے — ابھی ابھی میرا ناول "بکھرتی دنیا" (Things Fall Apart) پڑھا تھا۔ ان میں سے ایک بطور خاص اس لیے خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا کہ اسے ایک افریقی قبیلے کے رسم و رواج اور توہمات کو جاننے کا موقع ملا۔

میرا مقصد ان قدرے غیر اہم واقعات سے کافی اہم نتیجہ نکالنا ہے جو کہ شاید کچھ بات کا بتنگڑ بنانے کے مترادف لگے۔ لیکن میں امید کرتا ہوں کہ ایسا صرف ابتدا ہی میں محسوس ہوگا۔

شاید کچھ اپنی نوعمری کے باعث، لیکن میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ کچھ زیادہ گہری اور سنجیدہ وجوہات کی بنا پر، یونکرز کا رہنے والا مراسلہ نگار اس بات سے بالکل بے خبر تھا کہ یونکرز، نیویارک، میں اس کے اپنے قبیلے کے لوگوں کی زندگی بھی عجیب و غریب رواجوں اور توہمات سے بھری پڑی ہے، اور اپنے ہم تمدنوں کی طرح یہ سمجھتا تھا کہ اس قسم کی چیزوں کو دیکھنے کے لیے اس کا افریقہ جانا ضروری ہے۔

لیکن دوسرا شخص، میرا ہم عمر ہونے کے ناتے، کم عمری کی آڑ لے کر الزام سے بری نہیں ہو سکتا۔ جہالت اس کا زیادہ

www.urduchannel.in

قرین قیاس سبب ہو سکتی ہے؛ لیکن یہاں بھی میں سمجھتا ہوں کہ کم علمی سے زیادہ کوئی اور ارادی بات کارفرما ہے۔ کیا فاضل برطانوی تاریخ داں اور آکسفورڈ کے ریجیس پروفیسر ہیو ٹریور روپر (Hugh Trevor-Roper) نے نہیں کہا تھا کہ تاریخ افریقہ کا کوئی وجود نہیں؟

اگر ان اظہار خیالات میں نوعمری سے زیادہ، لاعلمی سے بھی زیادہ، کوئی اور شے کارفرما ہے تو وہ کیا ہے؟ سیدھی بات یہ ہے کہ یہ مغربی نفسیات کی وہ خواہش ہے — بلکہ ہم اسے ضرورت بھی کہہ سکتے ہیں — جس کے مطابق افریقہ یورپ کے ضمیمے کے طور پر ایک ایسی نفی کی سرزمین ہے جو یکدم دور بھی ہے اور دھندلے سے انداز میں جانی پہچانی بھی، جس کی تقابلی چمک کو یورپ کی اپنی روحانی آب و تاب نمایاں کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

یہ ضرورت نئی نہیں ہے؛ اور اس کی قدامت کو تسلیم کر کے ہم ایک بھاری ذمہ داری سے بڑی حد تک آزاد ہو سکتے ہیں، اور شاید اس عمل کو غیر جذباتی نظر سے دیکھنے پر بھی آمادہ ہو سکتے ہیں۔ نہ تو یہ میری خواہش ہے اور نہ ہی میری بساط میں ہے کہ میں اس مقصد کے لیے حیاتیات اور سماجیات کے اوزاروں کو بروئے کار لاؤں۔ میں تو بس ایک ناول نگار کی حیثیت سے یورپی ادب کی ایک مشہور کتاب، جوزف کونریڈ کے ناول "قلبِ ظلمات" پر اپنا ردعمل پیش کرنا چاہتا ہوں، اور میرے علم میں یہ وہ کتاب ہے جو اس یورپی خواہش اور ضرورت کو، جس کا میں نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے، کسی دوسری کتاب کی بہ نسبت بہتر طور پر ظاہر کرتی ہے۔ بے شک ایسی کتابوں پر مشتمل پوری پوری لائبریریاں موجود ہیں جن کا مقصد ہی یہ تھا، مگر ان میں سے زیادہ تر اتنی عیاں اور غیر مہذب ہیں کہ آج کل کوئی بھی ان کی پروا نہیں کرتا۔ اس کے برعکس، کونریڈ بلاشبہ جدید فکشن کا ایک عمدہ ترین صاحبِ طرز ہے اور ساتھ ہی ایک اچھا کہانی نویس بھی۔ لہٰذا اس کا کام قدرتی طور پر الگ زمرے میں آتا ہے — دائمی ادب کے زمرے میں — یعنی وہ ادب جو لگاتار پڑھا، پڑھایا جاتا، اور بارہ مہینے سنجیدہ اساتذہ کی تنقیدی توجہ کا مرکز رہتا ہے۔ "قلبِ ظلمات" کا مقام آج اتنا محفوظ ہے کہ کونریڈ کی تحریروں کے ایک اسکالر نے اس کا شمار "انگریزی کے آدھ درجن ممتاز ترین مختصر ناولوں" میں کیا ہے۔ میں اس مبصرانہ رائے کی طرف مناسب وقت پر لوٹ کر آؤں گا کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ یہ میرے ابتدائی مفروضات کو سنجیدگی سے تبدیل کر سکے کہ جو سوالات میں اٹھانے والا ہوں ان کے سلسلے میں کون قصوروار ٹھہرتا ہے اور کون ان سے بری ہے۔

"قلبِ ظلمات" افریقہ کا عکس 'دوسری دنیا' (the other world) کی صورت میں پیش کرتا ہے، جو کہ یورپ کا — اور لہٰذا تہذیب کا — عین متضاد ہے، ایک ایسا مقام جہاں فاتح حیوانیت انسان کی خودنمایانہ عقل اور شائستگی کا مذاق اڑاتی ہے۔ کتاب کا آغاز آسودہ، پرسکون دریائے ٹیمز پر ہوتا ہے: "پرانا دریا کہ مدتوں اپنے کناروں پر آباد قوم کے خیر و خوبی سے کام آیا تھا، دن چھپے، اضطراب نا آشنا، اپنے عریض پھیلاؤ میں سستاتا ہوا، دنیا کے بعید ترین سروں کی طرف لے جانے والی کسی آب راہ کے آرمیدہ وقار کے ساتھ دور تک پھیلا تھا۔" لیکن اصل کہانی دریائے کانگو پر رونما ہوگی جو کہ ٹیمز کا متضاد مجسم ہے۔ فیصلہ کن طور پر، دریائے کانگو انتھک کام کے بعد سستاتا ہوا River Emeritus نہیں ہے۔ یہ نہ تو کسی کام آیا ہے اور نہ ہی بڑھاپے میں کسی پنشن کا حقدار ٹھہرا ہے۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ "اس دریا پر بہاؤ کے الٹ سفر کرنا دنیا کی سب سے

www.urduchannel.in

اولیں شروعات کی طرف لوٹ چلنے کے مترادف تھا۔"

تو کیا کونریڈ ہمیں یہ بتا رہا ہے کہ یہ دو دریا ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں: ایک اچھا، ایک برا؟ ہاں، لیکن یہ اصل نکتہ نہیں ہے۔ کونریڈ کو ان کا فرق پریشان نہیں کر رہا بلکہ اس کی پریشانی کا سبب سطح کے نیچے جھلکتا اشارہ ہے جس کا تعلق ان دونوں دریاؤں کی رشتے داری، ان کے شجرۂ نسب کے مشترک ماضی سے ہے۔ کیونکہ ٹیمز بھی "دنیا کے تاریک مقامات میں سے ایک تھا۔" وہ، بے شک، اپنے اندھیرے پن پر فاتح ٹھہرا اور اب دن کی روشنی اور امن تلے ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے اساسی رشتہ دار، دریائے کانگو، کے آمنے سامنے ہوا تو اپنی بھولی ہوئی تاریکی کی بدہیئت گونج سنے، اور نتیجتاً اولیں شروعات کے ہاؤلے جوش و خروش کی منتظم مزاج دنیا کے عود کر آنے کا خطرہ مول لے گا۔

کونریڈ کی تحریروں میں افریقی ماحول کی معروف منظر کشی اسی معنی خیز گونج پر مشتمل ہے جو "قلب ظلمات" میں جگہ جگہ دکھائی دیتی ہے۔ آخری تجزیے میں یہ تمام منظر کشی محض دو فقروں کی متواتر گھمیر، اور کسی مذہبی رسم کی سی کھوکھلی تکرار کے سوا کچھ نہیں۔ اس کا طریق کار اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہ وہ دو تضادی فقروں کو، جن میں سے ایک خاموشی کے اور دوسرا وحشیانہ جوش و خروش کے بارے میں ہوتا ہے، مستقل، گراں، اور بناوٹی طور پر رسمیاتی طریقے سے دہراتا چلا جاتا ہے۔ اول الذکر فقرے کی مثال "یہ ایک شے سے مس نہ ہونے والی طاقت کا سکوت تھا جو کسی ناقابل فہم مقصد پر غور کر رہی تھی۔" اور دوسرے کی مثال "دخانی ایک سیاہ اور ناقابل فہم ہیجان کے کنارے کنارے سست رفتاری سے لشتم پشتم چلتا رہتا۔" سے دی جا سکتی ہے۔ بے شک ہمیں اس قسم کے جملوں میں وقتاً فوقتاً اسمائے صفت کی تبدیلی بھی ملے گی، جیسے "ناقابل فہم" کی جگہ "ناقابل گزر" یا پھر "پراسرار" وغیرہ وغیرہ۔

عقاب چشم برطانوی نقاد ایف آر لیوس (F.R.Lewis) نے بہت عرصہ پہلے ہمارا دھیان کونریڈ کی "اسمائے صفت کے ذریعے ناقابل فہم اور ناقابل بیان اسرار پر شدید تاکید" کی طرف دلایا تھا۔ اس تاکید کو سرسری طور پر نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے، جیسا کہ کونریڈ کے نقاد کرتے چلے آئے ہیں، گویا یہ محض ایک اسلوبی نقص ہو؛ کیونکہ اسمائے صفت کا یہ استعمال فنکارانہ اخلاص نیت کے بارے میں سوال اٹھاتا ہے۔ جب لکھنے والا بظاہر تو مناظر، واقعات اور ان کا تاثر بیان کر رہا ہو مگر درحقیقت پڑھنے والے کے ذہن کو احساس ابھارنے والے لفظوں کی بمباری سے اور دوسری فریب بازیوں سے بیانگ نیند کی طرف مائل کر رہا ہو تو ایسے موقعے پر محض اسلوب کی عمدگی سے کہیں زیادہ بڑی چیز داؤ پر لگی ہوتی ہے۔ اکثر اوقات ایک عام پڑھنے والا ایسے پوشیدہ ہتھکنڈوں کو بھانپنے اور ان کی مزاحمت کرنے کے ہنر سے مسلح ہوتا ہے۔ مگر کونریڈ نے اپنا موضوع خوب چنا ہے — ایسا کہ جو پڑھنے والوں کے بنے بنائے نفسیاتی رجحان سے اس کا کوئی تنازع پیدا نہ کرے یا جہاں اسے ان کی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس نے جو کردار اختیار کیا وہ کسی سکون آور خیالی افسانے (myth) کو رسد پہنچانے والے کا کردار ہے۔

تاہم، "قلب ظلمات" میں سب سے زیادہ دلچسپ اور پُر انکشاف پارے لوگوں کے بارے میں ہیں۔ میں یہاں کہانی کے تقریباً وسط سے ایک طویل اقتباس نقل کرنا چاہتا ہوں جس میں یورپ کے نمائندے، دریائے کانگو میں اپنی دخانی کشتی

www.urduchannel.in

میں سفر کے دوران، افریقہ کے باسیوں سے دوچار ہوتے ہیں:

> ہم قبل تاریخی دنیا میں، ایسی دنیا میں جس نے ایک نامعلوم سیارے کا روپ دھار رکھا تھا، مارے مارے پھر رہے تھے۔ ہم چاہتے تو خود کو اولین انسان تصور کر لیتے جو ایک ایسی نحوست زدہ میراث اپنی تحویل میں لینے چلے ہوں جسے گمبھیر کشٹ سہنے اور بہت ہڈیاں پیلنے کے بعد ہی تسخیر کرنا ممکن تھا۔ لیکن دریا کا کوئی موڑ مارا مار کر کے کاٹنے کے بعد، بھاری اور ساکت سرنگوں برگ و بار تلے، یکایک سنٹھے کی دیواروں، گھاس کی چوٹی دار چھتوں کی جھلک نظر آتی، چیخم دھاڑ مچتی، کالے کالے انگ چک پھیریاں لیتے، اور تالیاں بجاتے ہاتھوں، دھمدھماتے پیروں، جھومتے لہراتے جسموں، متلق آنکھوں کا فسٹ دکھائی دیتا۔ دخانی ایک سیاہ اور ناقابل فہم ہیجان کے کنارے کنارے سست رفتاری سے لشتم پشتم چلتا رہتا۔ قبل تاریخی آدمی ہمیں کوس رہا تھا، ہم سے التجا کر رہا تھا، خوش آمدید کہہ رہا تھا — کون بتا سکتا تھا؟ اپنے گردوپیش کی تفہیم سے ہمارا رشتہ ٹوٹ چکا تھا۔ ہم پرچھائیوں کے مانند، برابر سے ہو کر آگے سرکتے جاتے، حیران ہوتے اور دل ہی دل میں ڈرتے رہتے۔ ہماری حالت ایسی تھی جیسے کوئی صحیح الدماغ شخص کسی پاگل خانے میں پرجوش اودھم بازی سے دوچار ہو گیا ہو۔ ہم سمجھ نہ سکتے تھے کہ بہت دور تھے، اور یاد نہ کر سکتے تھے کہ اولین زمانوں کی رات میں سفر کر رہے تھے، ان زمانوں کی رات میں جو بیت چکے، جنھوں نے شاید ہی اپنی کوئی نشانی چھوڑی ہو — جن کی کوئی یاد باقی نہیں۔
>
> دنیا کی کوئی بات دنیا جیسی نہ لگتی تھی۔ ہمیں عادت ہے ایک مسخر عفریت کی شکل کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھنے کی، لیکن وہاں — ایک عفریت آسا اور بے قید چیز وہاں آنکھوں کے سامنے تھی۔ دنیا دنیا جیسی نہ رہی تھی، اور وہ آدمی جو تھے — نہیں، وہ انسانیت کے دائرے سے خارج نہیں تھے۔ خیر، جانتے ہو، یہ شبہ کہ وہ انسانیت کے دائرے سے خارج نہیں — بدترین بات یہی شبہ تھا۔ یہ شبہ آدمی کے دل میں رفتہ رفتہ گھر کرتا۔ وہ لوگ چیخیں مارتے اور چھلانگیں لگاتے، اور لٹو کی طرح گھومتے، اور بڑے ڈراؤنے منھ بناتے۔ لیکن تمھارے دل میں اہتزاز پیدا ہوتا تو صرف ان کی انسانیت کے خیال سے — جو تمھاری جیسی ہی انسانیت تھی — اور اس خیال سے کہ اس وحشیانہ اور پرجوش شوروشغب سے تمھارا دور دراز کا ناتا ہے۔ بھونڈا، ہاں، خاصا بھونڈا خیال تھا؛ لیکن تم مرد آدمی ہوتے تو دل ہی دل میں یہ مان لیتے کہ بس موہوم ترین سا شائبہ اس بات کا موجود ہے کہ تمھارے اندر کوئی شے اس شور کے ہولناک کھلے ڈلے پن کا جواب دینا چاہتی ہے، دھندلا سا یہ شبہ کہ اس شور میں ایسے معنی پنہاں ہیں جنھیں تم — جو اولین زمانوں کی رات سے اتنی دور ہو — سمجھ سکتے ہو۔

اس اقتباس میں ''قلبِ ظلمات'' کا پورا مفہوم اور وہ سحر سمایا ہوا ہے جو مغربی ذہنوں پر غالب ہے: ''لیکن تمھارے دل میں اہتزاز پیدا ہوتا تو صرف ان کی انسانیت کے خیال سے — جو تمھاری جیسی ہی انسانیت تھی... بھونڈا، ہاں، خاصا بھونڈا خیال تھا۔''

www.urduchannel.in

کونریڈ افریقہ کو ایک ٹھٹ کی شکل میں دکھا کر، آدھے صفحے کے بعد اپنے خیال کو، ایک خاص مثال کے ذریعے، ایک ایسے افریقی باشندے کی نادر تصویر میں پیش کرتا ہے جو فقط جھومتے لہراتے ہاتھوں پیروں اور منکتی آنکھوں کے سوا کچھ اور بھی ہے:

اور ان مصروفیتوں کے دوران میں مجھے اس وحشی پر بھی نظر رکھنی پڑتی تھی جو فائرمین کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ وہ سدھا ہوا نمونہ تھا؛ عمودی بوائلر میں آگ لگا سکتا تھا۔ وہاں میرے ماتحت کام کرتا تھا اور، سچ کہتا ہوں، اسے دیکھ دیکھ کر اتنی ہی روحانی بالیدگی حاصل ہوتی تھی جتنی کسی ایسے کتے پر نظر ڈال کر جو برجس اور پروں والے ہیٹ پر مشتمل اوٹ پٹانگ سوانگ بھرے پچھلی ٹانگوں پر چل رہا ہو۔ چند مہینوں کی تربیت نے اس سچ مچ کے بھلے مانس کو کام کا آدمی بنا دیا تھا۔ جب وہ آنکھیں سکیڑ کر آب پیما اور دخان پیما کو دیکھتا تو صاف پتا چلتا کہ جان ہتھیلی پر رکھ کے یہ کام انجام دے رہا ہے — اور مرے یار کے دانت بھی سوہن کی مدد سے نکیلے بنے ہوئے تھے، اور گھونگریالے بال عجیب و غریب نمونوں میں منڈے ہوئے اور دونوں گالوں پر زخموں کے تین تین آرائشی نشان۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ کنارے پر تالیاں بجاتا اور پیر پٹختا نظر آتا مگر ایسا کرنے کے بجائے وہ، عجیب و غریب جادوگری کا بندھوا بنا، سدھارنے والے علم سے معمور، جاں فشانی سے کام میں مصروف تھا۔

جیسا کہ ہمیں علم ہے، کونریڈ در پردہ رومانی طبیعت کا مالک ہے۔ ممکن ہے کہ وہ جنگلیوں کے تالیاں بجانے اور پیر پٹخنے کو تحسین کی نظر سے نہ دیکھتا ہو، لیکن برجس اور پروں والے ہیٹ کا اوٹ پٹانگ سوانگ بھرے اس کتے کے مقابلے میں ان افریقیوں کو کم از کم اپنے مقام پر ہونے کا امتیاز حاصل ہے۔ کونریڈ کے لیے یہ بات انتہائی اہمیت رکھتی ہے کہ ہر چیز اپنے مقام پر رہے۔

"Fine fellows -- cannibals -- in their place." وہ ہمیں تاکید کے ساتھ بتاتا ہے۔ المیہ تب شروع ہوتا ہے جب چیزیں اپنا عادی مقام چھوڑتی ہیں، مثلاً اس وقت جب یورپ پولیس والے اور قصائی کے درمیان واقع اپنا محفوظ مقام چھوڑ کر ظلمات کے قلب میں جھانکنے کو نکل پڑتا ہے۔

اس سے قبل کہ کہانی ہمیں دریائے کانگو کے کنارے پر لے جائے، ہمیں چیزوں کے ان کے مقام پر ہونے کی ایک چھوٹی سی خوبصورت مثال پیش کی جاتی ہے:

کبھی کبھی ساحل سے آنے والی کوئی کشتی حقیقت سے لحاتی ربط پیدا کر دیتی۔ اسے کالے لوگ کھے کر لاتے۔ ان کی آنکھوں کے ڈھیلوں کی سفیدی دور سے چمکتی نظر آتی۔ وہ شور مچاتے، گاتے، ان کے جسموں سے پسینہ بہتا؛ چہرے بے ڈول مکھوٹوں جیسے — ان بندوں کے؛ لیکن ان میں ہڈیاں تھیں، پٹھے تھے، وحشیانہ طراری فراری تھی، متحرک رکھنے والی شدید توانائی تھی، اتنی ہی فطری اور سچی جتنا ان کے ساحل کا تموج۔ وہاں موجود ہونے کے لیے ان کو کسی معذرت کی ضرورت نہ تھی۔ انھیں دیکھ کر بہت تسکین پہنچتی۔

کہانی کے اختتام کے نزدیک کونریڈ پورا ایک صفحہ، خلاف توقع، اس عورت پر نچھاور کرتا ہے جو ظاہر ہے کہ مسٹر کرٹز کی

www.urduchannel.in

ایک طرح کی رکھیل تھی اور (اگر آپ مجھے کونریڈ کے انداز کی تھوڑی سی نقل کرنے کی اجازت دیں) اب اس کے رخصت ہونے کے ناقابل فہم نزدیکی امکان پر ایک جامد پراسراریت کی طرح نگراں ہے:

> وحشی اور شاندار، تیور بگڑے بگڑے، جنونی اور پرشکوہ... وہ خود ویرانے کے مانند، کسی مغلق ارادے کے حوالے سے گہری سوچ میں کھوئی ہونے کا انداز اپنائے، اپنی جگہ بے حس وحرکت کھڑی ہمیں دیکھتی رہی۔

اس ایمیزون کا خاکہ اتنی تفصیل کے ساتھ، گوکہ یہ توقع کے عین مطابق نکلتا ہے، دو وجوہات کی بنا پر کھینچا گیا ہے۔ اول، اس عورت نے اپنا مقام نہیں چھوڑا لہٰذا کونریڈ کی مخصوص قسم کی تحسین کی مستحق ہے؛ اور دوم یہ کہ وہ کہانی کی ایک ساختی ضرورت کو پورا کرتی ہے: ایک وحشی جنگلی عورت اس سلجھی ہوئی یورپی عورت کے مقابل جو کہانی کے اختتام پر نمودار ہونے والی ہے:

> وہ، سرتاپا سیاہ، پیلے پیلے بالوں والی، آگے بڑھی، دھندلکے میں میری جانب گویا تیرتی ہوئی آئی۔ اس نے ماتمی لباس پہن رکھا تھا... اس نے میرے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے اور دبی زبان سے کہا، "میں نے سنا تھا کہ آپ آنے والے ہیں"... اس میں وفادار رہنے، یقین رکھنے، دکھ جھیلنے کی سیانوں جیسی استعداد پائی جاتی تھی۔

ان دونوں عورتوں کی بابت ناول نگار کے رویے میں پایا جانے والا فرق اتنے بے شمار سیدھے اور لطیف طریقوں سے ہمارے سامنے آتا ہے کہ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ لیکن جو فرق سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے وہ اس مقام پر ظاہر ہوتا ہے جہاں مصنف ایک عورت کو تو انسانی تاثرات سے نوازتا ہے مگر دوسری کو ان سے محروم رکھتا ہے۔ واضح طور پر یہ کونریڈ کے مقاصد میں شامل نہیں کہ وہ افریقہ کی" کچی پکی روحوں" کو زبان عطا کرے۔ انسانی گویائی کی جگہ وہ" یک آواز ہو کر حیرت انگیز لفظوں کا تانتا سا باندھتے" تھے۔ وہ آپس میں بھی "مختصر غراہٹ بھرے جملوں کا تبادلہ" کرتے تھے لیکن زیادہ تر وقت اپنے دیوانے پن میں ہی مگن رہتے تھے۔ پھر بھی کتاب میں دو مقام ایسے ملتے ہیں جہاں کونریڈ اپنے اس معمول سے کسی قدر کنارہ کرتے ہوئے جنگلیوں کو زبان کا عطیہ بخشتا ہے، اور وہ بھی انگریزی زبان کا۔ پہلی مرتبہ یہ تب ہوتا ہے کہ جب آدم خوری ان کے سر پر مکمل طور پر سوار ہو جاتی ہے:

> "اسے پکڑو،" اس نے خون اتری آنکھیں پھیلاتے اور نکیلے دانتوں کی جھلک دکھاتے ہوئے تڑخ کر کہا۔ "اسے پکڑو۔ ہمیں دو۔" "تمھیں، ہیں؟" میں نے پوچھا۔ "تم ان کا کیا کرو گے؟" "کھائے گا،" اس نے پھٹ سے کہا اور، جنگلے پر کہنی ٹکا کر، باوقار اور انتہائی مغموم انداز میں، کہرے پر نظر جما دی۔

دوسرا موقع اس مشہور اعلان کا ہے: "Mistah Kurtz -- he dead."

پہلی نظر میں تو ہم ان دونوں واقعات کو کونریڈ کی ناگہاں فراخدلی سمجھنے کی غلطی کر سکتے ہیں، لیکن درحقیقت ان کو اس کے چندکاری ترین واروں میں شمار کیا جانا چاہیے۔ آدم خوروں کے سلسلے میں ان کی ناقابل فہم غراہٹ جو ان سے اب تک زبان کے طور پر استعمال کرائی گئی ہے، یک دم یہاں کونریڈ کے اس مقصد کی تکمیل کے لیے ناکافی ثابت ہوتی ہے

www.urduchannel.in

کہ وہ مغربی شخص کو کیسے ان وحشیوں کے دل کے اندر کی ناقابل بیان طلب کی جھلک دکھا پائے۔ بے زبان جنگلیوں کی اپنی روایتی تصویر کشی کو برقرار رکھنے کے بجائے کونریڈ نے ان کے منھ سے نکلے ہوئے صاف، غیر مبہم ثبوتوں کا انتخاب کیا۔ جہاں تک مسٹر کرٹز کے اعلان موت کا تعلق ہے جو" دروازے میں نمودار ہونے والے کالے سیاہ نخوت آمیز سر" کی جانب سے کیا گیا ہے، تو ایک ڈراؤنی کہانی کا جس میں ایک طفل تہذیب نے جان بوجھ کر اپنی روح ظلمت کی قوتوں کے سپرد کر دی تھی اور جو" اس سرزمین کے شیاطین کے درمیان بہت اونچے مرتبے پر فائز ہو چکا تھا" اس سے بہتر اختتامیہ اور کیا لکھا جا سکتا ہے کہ اس کی طبعی موت کا اعلان وہی قوتیں کریں جن سے وہ جا ملا تھا؟

بے شک یہ دعویٰ بھی کیا جا سکتا ہے کہ" قلب ظلمات" میں افریقیوں کی جانب رویہ کونریڈ کا نہیں بلکہ فرضی راوی، مارلو، کا ہے، اور یہ کہ کونریڈ صرف اس کی تائید نہیں کر رہا بلکہ وہ تو اس رویے کو طنز اور تنقید کا ہدف بنا رہا ہے۔ یقیناً بظاہر تو کونریڈ اس بات کی بہت کوشش کرتا نظر آتا ہے کہ کسی طرح اپنے اور ناول کی اخلاقی دنیا کے درمیان علیحدگی کی بہت سی پرتیں حائل کر دے۔ مثال کے طور پر اس نے ایک راوی کی پشت پر ایک اور راوی کھڑا کیا ہوا ہے۔ مرکزی قصہ گو تو مارلو ہے، مگر اس کی کہانی کی تفصیلات ہم تک کسی دوسرے پرچھائیں نما کردار کے ذریعے پہنچتی ہیں۔ لیکن اگر اس سے کونریڈ کا مقصد اپنے اور مرکزی قصہ گو کو لاحق اخلاقی اور نفسیاتی عارضے کے مابین حفاظتی حصار کھینچنا ہے تو یہ کوشش بالکل ناکام دکھائی دیتی ہے کیونکہ وہ واضح اور اطمینان بخش طور پر کسی بھی ایسے متبادل زاویہ نظر کی موجودگی کا اشارہ دینے سے قاصر رہتا ہے جس کی مدد سے ہم اس کے کرداروں کی رایوں اور اعمال کی پرکھ کر سکیں۔ یہ کام کونریڈ کی صلاحیتوں سے باہر ہرگز نہ تھا اگر اس نے اس کو ضروری سمجھا ہوتا۔ کونریڈ مجھے مارلو کے رویے کی تائید کرتا نظر آتا ہے، اگرچہ بلاشبہ کسی قدر معمولی سی ہچکچاہٹ کے ساتھ — اور اس حقیقت کو تقویت اس بات سے ملتی ہے کہ ان دونوں کی پیشہ ورانہ زندگی میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔

مارلو ہمارے سامنے صرف سچائی کے گواہ کے طور پر ہی نہیں آتا بلکہ ایک ایسے شخص کی شکل میں آتا ہے جو انگریزوں کی آزادخیالی کی روایت کے مطابق ترقی یافتہ اور انسانیت نواز خیالات رکھتا ہے جن کی رو سے تمام مہذب انگریز بلجیم یا کسی اور جگہ کے بادشاہ لیوپولڈ کے ہاتھوں بلغاریہ یا کانگو میں سفاکی کے واقعات سن کر گہرا صدمہ محسوس کریں گے۔ چناں چہ مارلو اس بات کی اہلیت رکھتا ہے کہ وہ اس قسم کے دردمندانہ، دل کے لہو سے تر جذبات کا اظہار کر سکے:

> بالکل واضح تھا کہ وہ سسک سسک کے مر رہے ہیں۔ وہ دشمن نہیں تھے، مجرم نہیں تھے، اب کوئی زمینی شے نہ رہے تھے — سبزی مائل اندھیرے میں بیماری اور فاقہ زدگی کے بے ترتیبی سے پڑے ہوئے کالے سایوں کے سوا کچھ نہ تھے۔ انھیں ساحل کے ہر کونے کھدرے سے قانون کے تمام تقاضے پورے کرنے والی لکھت پڑھت کے بعد ایک معین مدت کے لیے یہاں لایا گیا تھا اور جب وہ ناموافق گردوپیش میں گم ہو کر، اوپری غذا کھا کر، بیمار پڑے، کاہلے ہو گئے تو انھیں رینگ کر چلے جانے اور سستانے کی اجازت دے دی گئی۔

مارلو کونریڈ نے یہاں جس آزادخیالی کا علم اٹھایا ہے اس نے اس دور کے انگلستان، یورپ اور امریکہ کے بہترین دماغوں کو متاثر کیا تھا۔ اس آزادخیالی نے مختلف ذہنوں میں مختلف شکلیں اختیار کیں لیکن تقریباً ہمیشہ سفید لوگوں اور کالے

www.urduchannel.in

لوگوں کے درمیان مساوات کے اہم ترین سوال سے کامیابی کے ساتھ کنی کتراتی رہی۔ متضاد احساسات کے اس آمیزے کی عمدہ ترین مثال ہمیں اس غیر معمولی مشنری البرٹ شوائٹزر (Albertt Schweitzer) کی صورت میں ملتی ہے جس نے یورپ میں دینیات اور موسیقی کے میدانوں میں اپنا شاندار مستقبل ان علاقوں میں رہنے والے افریقیوں کی خدمت کے لیے قربان کر دیا جن کے بارے میں کونریڈ نے قلم اٹھایا ہے۔ ایک جملے میں، جو بار بار دہرایا گیا ہے، شوائٹزر کہتا ہے: ''افریقی بے شک میرا بھائی ہے، لیکن چھوٹا بھائی۔'' چنانچہ اس نے ایسا اسپتال بنایا جو چھوٹے بھائیوں کی ہی ضروریات کے مطابق تھا اور جس کا حفظان صحت کا معیار اس زمانے کی یاد دلاتا تھا کہ جب بیماری کے جراثیم کا نظریہ دریافت نہیں ہوا تھا۔ قدرتی بات ہے کہ وہ یورپ اور امریکہ میں ہنگامہ خیز حد تک مشہور ہو گیا۔ لامبرینے میں، جو ماقبل تاریخی جنگل کی حد پر واقع ہے، اس کے قائم کردہ اس انوکھے معجزے کو دیکھنے عقیدت مندوں کے جھنڈ کے جھنڈ آنے لگے، اور میرا خیال ہے کہ اس کے گزر جانے کے بعد اب تک آتے ہیں۔

تاہم یہ بات یقینی ہے کہ کونریڈ کتنا بھی آزاد خیال ہو وہ اس حد تک نہیں جائے گا جہاں شوائٹزر پہنچا۔ کیسا بھی موقع ہو وہ 'بھائی' کا لفظ استعمال نہیں کرے گا۔ زیادہ سے زیادہ وہ 'رشتہ داری' تک جائے گا۔ مارلو کی رہنمائی کرنے والا افریقی جب سینے میں نیزہ لگنے سے گرتا ہے تو اپنے سفید فام آقا کو آخری، بے چین کر دینے والی نظر سے دیکھتا ہے:

جو نظر اس نے مجھ پر ڈالی تھی اس کی مانوس گہرائی آج تک میرے حافظے میں صحیح سلامت ہے — جیسے دور دراز کی کسی رشتے داری کا دعویٰ جس پر ایک عظیم ترین لمحے میں مہر تصدیق ثبت ہوئی ہو۔

یہ بات بہت قابل غور ہے کہ کونریڈ، جو الفاظ کے انتخاب میں بیحد محتاط ہے، ''دور دراز کی رشتے داری'' کے بارے میں اتنا فکر مند نہیں جتنا اس بات پر کہ کوئی اس پر حق جمانا چاہتا ہے۔ ناقابل برداشت بات یہی ہے کہ سیاہ فام شخص سفید فام پر حق جمانے چلا ہے۔ یہی وہ حق جمانے والا معاملہ ہے جو کونریڈ کو خوفزدہ بھی کرتا ہے اور مسحور بھی: ''ان کی انسانیت کا خیال — جو تمھاری جیسی ہی انسانیت تھی... بھونڈا خیال...''

میرے مشاہدات کا بنیادی نکتہ اب تک بہت واضح ہو چکا ہو گا، اور وہ یہ ہے کہ جوزف کونریڈ ایک پکا نسل پرست تھا۔ یہ بات کہ اس کی تحریروں پر لکھی جانے والی تنقید میں اس حقیقت کو پوشیدہ رکھنے کی مسلسل کوشش کی جاتی رہی ہے، صرف اس وجہ سے ممکن ہو سکی ہے کہ گورے لوگوں کی افریقہ کی جانب نسل پرستی ایک ایسا عام فعل ہے کہ اس کا وجود کسی کو پریشان نہیں کرتا۔ ''قلب ظلمات'' کے طالبعلم آپ کو اکثر یہ بتائیں گے کہ کونریڈ کا سروکار دراصل افریقہ سے اتنا نہیں جتنا ایک یورپی باشندے کے دماغ کے اس انتشار سے ہے جو تنہائی اور بیماری کے نتیجے میں پیدا ہو رہا ہے۔ وہ آپ کے لیے اس بات کی نشان دہی کریں گے کونریڈ تو بلکہ افریقہ کے دیسی باشندوں کی بہ نسبت یورپی افراد کے ساتھ زیادہ سفاکی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ پچھلے سال اسکاٹ لینڈ میں کونریڈ کے ایک طالبعلم نے مجھ سے کہا کہ اس ناول میں افریقہ کی حیثیت محض ایک پس منظر سے زیادہ نہیں جس کے مقابل کرٹز کی ذہنی تخریب رونما ہوتی ہے۔

ضمنی طور پر یہ بھی میرے اعتراض کا ایک حصہ ہے: افریقہ محض ایک محل وقوع، ایک پس منظر کے طور پر، جس کا مطلب

www.urduchannel.in

ہے افریقہ کے انسانی پہلو کا مکمل خاتمہ۔ افریقہ، انسانیت کے کسی قابل شناخت شاہے سے یکسر محروم، محض ایک مابعد الطبیعاتی میدان جنگ، جہاں ایک سیلانی یورپی باشندہ اپنی جان کا خطرہ مول لے کر داخل ہوتا ہے۔ کیا کسی کو اس مہمل اور کج رو تفاخر کے وجود کا احساس نہیں ہوتا جو محض ایک حقیر یورپی شخص کے ذہنی انتشار کا منظر دکھانے کے لیے افریقہ کو اسٹیج کے ساز و سامان کی سطح پر کھینچ لاتا ہے؟ لیکن یہ بھی اصل سوال نہیں ہے۔ اصل سوال افریقہ اور افریقیوں کو انسانیت کے درجے سے محروم کر دینے کے اس عمل کا ہے جو اس قدیم رویے کے زیر اثر جاری رہا ہے اور آج بھی جاری ہے۔ اور اصل سوال یہ ہے کہ آیا ایک ایسا ناول جو اس عمل کا جشن مناتا ہو، جو انسانی نسل کے ایک پورے حصے کو شخصی خصوصیات سے محروم کر دے، فن کا شاہپارہ کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے؟ میرا جواب ہے: نہیں، کبھی نہیں۔ میں کونریڈ کی ہنر مندی سے منکر نہیں ہوں۔ بلکہ ''قلب ظلمات'' میں بھی کچھ یادگار پیرے اور لمحے مل جائیں گے:

دریا کی پھیلاوٹیں ہمارے سامنے کھلتی اور پیچھے سمٹتی جاتی تھیں، جیسے ہماری واپسی کی راہ مسدود کرنے کی غرض سے جنگل بڑے آرام سے قدم بڑھا کر دریا کے آر پار آ کھڑا ہوا ہو۔

اس ناول میں یورپی کرداروں کے دماغوں کی چھان بین بھی اکثر گہرائی اور بصیرت کا ثبوت دیتی ہے۔ لیکن یہ سب زاویے پچھلے پچاس سالوں میں ضرورت سے زیادہ زیر بحث آ چکے ہیں۔ تاہم کونریڈ کی کھلم کھلا نسل پرستی کی تنقید ابھی تک ندارد ہے۔ مگر اب آخر کار اس کا وقت آ پہنچا ہے۔

کونریڈ ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوا تھا، اور یہ وہی سال ہے جب انگلستانی کلیسا کے مبلغ میرے لوگوں کے درمیان نائجیریا میں آنا شروع ہوئے تھے۔ یقیناً یہ کونریڈ کی غلطی نہیں ہے کہ وہ ایسے وقت میں پیدا ہوا جب سیاہ فام انسانوں کی شہرت بہت ہی پستی پر تھی۔ لیکن اس قسم کی بہت رعایتوں کے بعد بھی کہ اس پر اس کے ہم عصروں کے تعصب کا اثر ایک ممکن بات ہے، ہمیں اس کے اپنے رویے میں کالے لوگوں کی جانب ایک ایسی سرد مہری ملتی ہے جس کی وضاحت صرف اس کی عجیب نفسیات ہی کر سکتی ہے۔ کسی کالے شخص سے پہلی بار سامنا ہونے کے بارے میں اس کا اپنا بیان اس کا انکشاف کرتا ہے:

ایک لمبے چوڑے زنجبشی نے، جس سے میرا آمنا سامنا بائکی میں ہوا تھا، انسانی حیوان کے وجود میں ظاہر ہونے والے اندھے، غضب ناک اور غیر عقلی طیش کی تجسیم کی صورت اختیار کر لی ہے جو مرتے دم تک قائم رہے گی۔ میں اس حبشی کو اس کے بعد کئی سال تک خوابوں میں دیکھتا رہا۔

اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ کونریڈ کو حبشیوں (niggers) کے ساتھ کوئی نہ کوئی مسئلہ ضرور درپیش تھا۔ اس کا اس لفظ 'نگر' سے بے اعتدال شغف ہی کسی ماہر نفسیات کے لیے ایک دلچسپ موضوع بننے کے لائق ہے۔ کبھی کبھی کالے پن کے تصور پر اس کا اَڑ ہی جانا بھی اتنا ہی دلچسپ معلوم ہوتا ہے، جس کی مثال اس مختصر خاکے میں ملتی ہے: ''ایک کالی شکل اٹھی اور لمبے کالے بازو ہلاتی، لمبی کالی ٹانگوں پر چلتی ہوئی، دبک کے آگے سے گزری؛'' کہ کہیں ہم یہ توقع نہ کر بیٹھیں کہ کالی ٹانگوں پر چلنے والی یہ کالی شکل سفید بازو ہلانا شروع کر دے گی! کیا کیا جائے، کونریڈ کا جنون اتنا ہی لاانتہا ہے۔

پر لطف بات تو یہ ہے کہ کونریڈ اپنے مضمون A Personal Record میں بائکی کے زنجبشی (buck nigger) کا

www.urduchannel.in

متوازی خاکہ پیش کرتا ہے۔ کونریڈ سولہ سال کی عمر میں پہلی دفعہ یورپ میں ایک انگریز سے ملا۔ وہ اسے "میرا یادگار انگریز" کہتا ہے اور اسے کچھ اس انداز میں بیان کرتا ہے:

[اس کی] نگی پنڈلیاں لوگوں کی نگاہ میں تھیں... اپنی سنگ مرمر کی سی ہمواری اور ہاتھی دانت کی سی ملائمت سے دیکھنے والوں کو خیرہ کر رہی تھیں ... مردوں کی دنیا پر ایک بلند و بالا، اطمینان کی سی روشنی... اس کے چہرے کو... اور فتح مند آنکھوں کو چمکائے ہوئے تھی۔ اس نے گزرتے ہوئے بڑے، مضبوط، چمکدار دانتوں والی مسکراہٹ تجسس بھری، دوستانہ چمک کے ساتھ مجھ پر وا کی ...اس کی سفید پنڈلیاں ایک زوردار ادا سے چمکیں۔

غیر صاحب عقل محبت اور نفرت دونوں اس باصلاحیت، دکھی انسان کے دل میں ایک دوسرے سے دھکم پیل کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ لیکن جہاں غیر صاحب عقل محبت زیادہ سے زیادہ آدمی سے بے وقوفی کی حرکتیں کرواتی ہے، غیر صاحب عقل نفرت ایک پورے گروہ کی زندگی کو خطرے میں ڈال سکتی ہے۔ قدرتی طور پر کونریڈ تحلیل نفسی کے ماہر نقادوں کا خواب ہے۔ شاید برنارڈ سی میئر (Bernard C. Meyer) نے اس پر سب سے زیادہ تفصیلی کام کیا ہے۔ اپنی طویل کتاب میں ڈاکٹر میئر نے کونریڈ کی تحریروں کی وضاحت کرنے کی غرض سے ہر ممکن (اور کبھی کبھی ناممکن) سراغ کا تعاقب کیا ہے۔ مثال کے طور پر وہ کونریڈ کی تحریروں میں بالوں اور حجامت کی معنویت تک پر تفصیل سے گفتگو کرتا ہے۔ اس کے باوجود اس کی کتاب میں کونریڈ کے کالوں کی جانب رویے کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں ملتا۔ یہاں تک کہ کونریڈ کی یہود دشمنی سے متعلق بحث بھی ڈاکٹر میئر کے ذہن میں وہ دوسرے تاریک اور دھاکا خیز خیالات پیدا کرنے میں ناکام رہی۔ اس سے صرف ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ مغربی ماہر نفسیات ایسے نسلی تعصب کو بالکل حسب معمول چیز سمجھتے ہیں جس کا مظاہرہ کونریڈ نے کیا ہے، حالانکہ فرانز فینن (Frantz Fenon) کی انتہائی اہم تحقیق جو اس نے فرانسیسی الجزائر کے نفسیاتی اسپتالوں میں انجام دی، ہمارے سامنے ہے۔

کونریڈ کے خواہ جو بھی مسائل رہے ہوں، آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اب اپنی قبر میں آرام فرما ہے۔ درست۔ مگر افسوس کہ اس کا قلب ظلمات اب بھی ہم کو اپنی بیماری میں جکڑے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ایسی قابل مذمت اور ہتک آمیز کتاب کو ابھی تک سنجیدہ استاد "انگریزی زبان کے آدھ درجن بہترین مختصر ناولوں" میں شمار کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس ناول کو امریکی یونیورسٹیوں کے انگریزی ادب کے شعبوں میں بیسویں صدی کے ادب کے نصابوں میں سب سے زیادہ شامل کیا جاتا ہے۔

میں نے اب تک جو کچھ کہا ہے اس پر غالباً دو اعتراض اٹھائے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہ کہ یہ فکشن کی ذمہ داری نہیں کہ وہ ان لوگوں کو خوش کرتی پھرے جن کے بارے میں لکھی گئی ہے۔ مجھے اس بات سے کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن میں لوگوں کو خوش کرنے کی بات نہیں کر رہا۔ میں تو ایک ایسی کتاب کا ذکر کر رہا ہوں جو نہایت ہی بے ہودہ انداز میں ایسے تعصب اور تحقیر کی نمائش کرتی ہے کہ جس کے نتیجے میں انسانیت کا ایک حصہ ماضی میں ناقابل بیان مصائب اور اذیتیں جھیل

www.urduchannel.in

چکا ہے اور اب بھی جھیل رہا ہے۔ میں ایک ایسی کہانی کا ذکر کر رہا ہوں جس میں سیاہ فام لوگوں کی انسانیت ہی کو مشتبہ بنا دیا گیا ہے۔

دوسرا اعتراض حقائق کی بنیاد پر اٹھایا جا سکتا ہے۔ آخر کار ہم اس بات سے منکر نہیں ہو سکتے کہ کونریڈ نے دریائے کانگو کا سفر ۱۸۹۰ء میں کیا تھا کہ جب میرا باپ خود گود کی عمر کا رہا ہوگا۔ تو میں اس کی موت کے پچاس سال بعد اس کے مشاہدات کو کس طرح جھٹلا سکتا ہوں؟ میرا جواب یہ ہے کہ کسی بھی سمجھ دار آدمی کی طرح میں کسی ایرے غیرے سیاح کی کہانی کو محض اس لیے ماننے کو تیار نہیں کہ میں نے خود وہ سفر سرانجام نہیں دیا۔ میں کسی شخص کے آنکھوں دیکھے احوال کا بھی اعتبار نہیں کروں گا جبکہ مجھے شک ہو کہ اس شخص کی آنکھیں اس قدر یرقان زدہ ہیں جیسی کونریڈ کی تھیں۔ اور اتفاق سے ہمیں اس بات کا بھی علم ہے کہ کونریڈ، اپنے سوانح نگار برنارڈ سی میئر کے بقول، ''بہت بدنام حد تک اپنے واقعات غلط درج کرتا ہے۔''

لیکن اس سے بھی زیادہ اہمیت کی حامل بات یہ ہے کہ اگر ہم اس طرف مائل ہوں تو ہمیں بے تحاشا ثبوت کونریڈ کے بیان کردہ وحشیوں سے متعلق مل سکتے ہیں جن کی بنا پر ہم شاید یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ یہ لوگ مارلو اور اس کے تھکے ہوئے گروہ کے ذہنوں کو پراگندہ کرنے کے لیے شرانگیز جنگل میں تحلیل ہونے اور وہاں سے دوبارہ نمودار ہونے کے متواتر کام کے علاوہ اور بھی مشاغل رکھتے تھے۔ کیونکہ جس وقت کونریڈ نے یہ کتاب لکھی اس کے کچھ ہی عرصے بعد اس سے کہیں زیادہ نتیجہ خیز واقعہ یورپ کی مصوری کی دنیا میں پیش آیا۔ مصوری کے ایک برطانوی مورخ فرینک ولٹ (Frank Willett) نے اس واقعے کو یوں بیان کیا ہے:

پال گوگین (Paul Gauguin) کا تاہیتی جانا ۱۹۰۰ء سے فوراً پہلے اور فوراً بعد کے عشروں میں، جب یورپی مصور نئے فنکارانہ تجربے کی تلاش میں تھے، کسی غیر یورپی تہذیب کی جانب رخ کرنے کا سب سے جرأت مندانہ انفرادی عمل تھا۔ تاہم افریقی آرٹ کا منفرد اثر ۵-۱۹۰۴ء کے لگ بھگ ہی ظاہر ہونا شروع ہوا۔ اس کا ایک نمونہ آج بھی قابل شناخت ہے۔ یہ ایک مکھوٹا ہے جو ۱۹۰۵ء میں موریس ولامنک (Maurice Vlaminck) کو دیا گیا تھا۔ اس نے تحریر کیا ہے کہ درین (Derain) نے جب اسے دیکھا تو وہ ''گنگ'' اور ''متحیر'' رہ گیا۔ اس نے اسے ولامنک سے خرید لیا اور پکاسو اور ماتیس (Matisse) کو دکھایا اور وہ بھی اسے دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے۔ پھر اسے آمبرواز وولار (Ambroise Vollard) نے ستعار لے لیا اور کانسی میں ڈھالا... یوں بیسویں صدی کی مصوری میں انقلاب کا آغاز ہوا۔

اس اقتباس میں جس مکھوٹے کا ذکر ہے وہ کونریڈ کے دریائے کانگو کے بالکل شمال میں رہنے والے جنگلیوں کا بنایا ہوا تھا۔ ان لوگوں کا ایک نام بھی ہے: وہ فینگ کہلاتے ہیں اور بلاشک وشبہ مجسمہ سازی کے فن میں دنیا کے بہترین فنکاروں میں سے ہیں۔ جس واقعے کا ذکر فرینک ولٹ نے کیا ہے وہ کیوب ازم کے ابتدا کی اور یورپی آرٹ کی زندگی میں، جو توانائی سے مکمل طور پر خالی ہو چکی تھی، تازہ روح پھونکے جانے کی نشاندہی کرتا ہے۔

میری اس تمام بحث کا مقصد یہ بتانا ہے کہ کونریڈ کی کانگو کے لوگوں کی تصویر کشی، ایک ایسے وقت پر بھی کہ جب

www.urduchannel.in

بلجیئم کے بادشاہ لیو پولڈ کی انجمن تہذیب برائے وسطی افریقہ کی تاخت و تاراج کے ہاتھوں ان کی غلامی اپنے عروج پر تھی، انتہائی نامناسب ہے۔

بند ذہن رکھنے والے سیاح اپنے سوا اور چیزوں کے بارے میں ہمیں بہت کم معلومات فراہم کر سکتے ہیں۔ لیکن جن سیاحوں کی آنکھوں پر کونریڈ کی طرح غیروں کے خوف (xenophobia) کی پٹی بندھی ہوئی نہ ہو وہ بھی کافی اندھے پن کا شکار ہو سکتے ہیں۔ یہاں مجھے ذرا اس نقطے سے ہٹنے کی اجازت دیجیے۔ دنیا کے چند نڈر اور عظیم ترین سیاحوں میں سے ایک، مارکو پولو، نے تیرھویں صدی میں بحر او قیانوس سے مشرق بعید کا سفر کیا اور چینی فرمانروا قبلائی خان کے دربار میں بیس سال گزارے۔ وینس واپسی پر اس نے اپنی کتاب *Description of the World* میں ان لوگوں، جگہوں اور رواجوں کا حال رقم کیا جو اس کے مشاہدے سے گزرے تھے۔ لیکن اس کے بیان میں ہمیں کم از کم دو چیزوں کا اخراج ملتا ہے۔ اس کے ہاں ایک لفظ بھی فن طباعت کے سلسلے میں نہیں ملتا جو یورپ میں ابھی ناپید لیکن چین میں اپنے عروج پر تھا۔ یا تو اس نے اس فن کا بالکل ہی مشاہدہ نہیں کیا، یا اگر کیا بھی تو وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ یورپ کو اس کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ جو بھی کارن ہو، یورپ کو ابھی گٹن برگ (Gutenberg) کے ظہور کا سو سال تک مزید انتظار کرنا تھا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ حیران کن بات مارکو پولو کے بیان سے دیوار چین کا اخراج ہے، جو کہ چار ہزار میل لمبی ہے، اور اس کے زمانے ہی میں ایک ہزار سال پرانی ہو چکی تھی۔ عین ممکن ہے کہ یہ اس کی نظر سے نہ گزری ہو؛ لیکن دیوار چین آدمی کا بنایا ہوا واحد تعمیراتی نمونہ ہے جو چاند سے بھی نظر آتا ہے۔ بے شک سیاح بھی اندھے ہو سکتے ہیں۔

جیسا کہ میں نے پہلے کہا، کونریڈ افریقہ کے اس تصور کا موجد نہیں ہے جو ہمیں اس کے ناول میں ملتا ہے۔ مغربی تخیل میں یہی تصور افریقہ کا غالب عکس تھا، اور اب تک ہے، اور کونریڈ نے فقط اپنے ذہن کی خاص صلاحیتیں اس تصور کی خدمت کے لیے وقف کیں۔ مغرب کچھ وجوہات کی بنا پر، جن کا قریبی نفسیاتی مطالعہ شاید ضروری ہے، اپنی تہذیب کی فنا پذیری کے بارے میں گہرے اضطراب کا شکار ہے اور وہ ہر وقت اس بات کی ضرورت محسوس کرتا رہتا ہے کہ اس کا موازنہ افریقہ سے کرتا رہے۔ اگر تہذیب کی راہ پر آگے بڑھتا ہوا یورپ وقفے وقفے سے مڑ کر اپنے قدیم وحشی پن کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے افریقہ پر نظر ڈالتا رہے تو بڑے یقین اور احساس کے ساتھ کہہ سکتا ہے: خدا کی شان ہے کہ میں اس مقام پر ہوں۔ یورپ کے لیے افریقہ کی وہی حیثیت ہے جو ڈورین گرے کے لیے اس کی تصویر کی تھی — ایک بار بردار جس پر اس کا مالک اپنی تمام جسمانی اور اخلاقی بدہئیتیوں کا بوجھ لاد دیتا ہے تاکہ سیدھی پشت اور تنی ہوئی گردن کے ساتھ آگے بڑھ سکے۔ نتیجتاً افریقہ کو بھی اسی طرح نظروں سے اوجھل رکھنا ضروری ہے جس طرح ڈورین گرے کی تصویر کو، تاکہ انسانیت کی مخدوش سالمیت کو برقرار رکھا جا سکے۔ افریقہ سے دور رہو، ورنہ! "قلب ظلمات" کے مسٹر کرٹز کو بھی اس نصیحت پر کان دھرنا چاہیے تھا تاکہ اس کے دل کی خوں آشام دہشت ناکی اپنے کھونٹے سے بندھی اپنے مقام پر رہتی۔ لیکن اس نے احمقانہ طور پر خود کو جنگل کی ناقابل مزاحمت وحشی پکار کی ترغیب کا شکار ہو جانے دیا، اور لو دیکھو! ظلمت نے اسے پا لیا۔

www.urduchannel.in

میں نے اپنے ذہن میں اس مضمون کا جو اولین خاکہ بنایا تھا اس میں اس کا اختتام ایک مناسب طور پر مثبت اور خوشگوار انداز سے کرنے کا ارادہ کیا تھا، مثلاً میں افریقی اور مغربی تہذیب دونوں سے واقفیت رکھنے کے باعث یہ تجویز کر سکتا تھا کہ اگر یورپ اپنے ذہن کو قدیم تعصبات سے آزاد کرا لے اور افریقہ پر مسخ کر دینے والی دھند اور گھٹیا مفروضات میں سے نظر ڈالنے کے بجائے اسے ایک ایسے براعظم کے طور پر دیکھنا شروع کرے جہاں انسان بستے ہیں — جو فرشتے نہیں ہیں لیکن یقیناً ''کچی پکی روحیں'' بھی نہیں — صرف لوگ، جو اکثر نہایت باصلاحیت ہیں اور بیشتر زندگی اور معاشرے سے اپنے معاملات میں حیران کن حد تک کامیاب بھی، تو یہ اس کے لیے خاصا مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن جب میں نے ایک ہی رنگ پر مجمد اس عکس کے بارے میں، اور اس کی گرفت اور بے تحاشا پھیلاؤ کے بارے میں، اور جس دانستہ ہٹیلے پن سے مغرب نے اسے اپنے سینے سے لگا رکھا ہے اس کے بارے میں مزید غور کیا؛ جب میں نے مغرب کے سنیما، ٹیلی وژن اور اخبارات کے بارے میں، اسکولوں میں اور اسکولوں کے باہر پڑھی جانے والی کتابوں کے بارے میں اور ان گرجا گھروں کے بارے میں سوچا جہاں خالی بچوں کے سامنے افریقہ کے بے دین لوگوں کے لیے امداد بھیجنے کی ضرورت جتائی جاتی ہے، تو مجھے احساس ہوا کہ اس طرح کی سہل امید پرستی ممکن نہیں ہے۔ اور یہ کہ یورپ کو اس بات کی رشوت دی جائے کہ وہ افریقہ کے بارے میں اپنا سوچنے کا انداز ٹھیک کرے، بالکل غلط بات معلوم ہوئی۔ آخر کسی گھٹیا خیال کا ترک کیا جانا خود ہی اس بات کا انعام ہونا چاہیے۔ اگرچہ میں نے مغرب کے تصورِ افریقہ کی خصوصیت بیان کرنے کے لیے ''دانستہ'' کا لفظ کئی جگہ استعمال کیا ہے، لیکن یہ عین ممکن ہے کہ جو کچھ اس وقت ہو رہا ہے وہ سوچی سمجھی کینہ پروری کے بجائے خود کار ردِ عمل سے زیادہ قربت رکھتا ہو۔ اس سے صورتِ حال بہتر نہیں بلکہ بدتر نظر آتی ہے۔

''کرسچین سائنس مانیٹر'' نے (جو دوسرے اخباروں کی نسبت قدرے روشن دماغ ہے) ایک دفعہ اپنے مدیرِ تعلیم کا تحریر کردہ ایک مضمون چھاپا جس کا موضوع یہ تھا کہ جو بچے گھر میں ایک زبان اور اسکول میں دوسری زبان بولتے ہیں ان کو سیکھنے کے عمل میں اور نفسیاتی طور پر کن سنگین مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مضمون کا دائرہ بہت وسیع تھا کہ اس میں امریکہ میں ہسپانوی بولنے والے بچوں، جرمنی میں اطالوی بولنے والے مزدوروں کے بچوں، اور ملیشیا میں چار زبانوں کے رواج کا ذکر بھی شامل تھا۔ اور اس تمام ذکر میں مضمون کی بحث واضح طور پر صرف زبان کے بارے تھی۔ لیکن پھر اچانک نہ جانے کہاں سے یہ الفاظ نمودار ہوئے:

لندن میں بہت بڑی تعداد میں مہاجر بچوں کی آمد ہو رہی ہے جو ہندوستانی یا نائجیرین بولیاں یا دوسری آبائی زبانیں بولتے ہیں۔

میرے خیال میں اس ذکر میں ''بولیوں'' کے لفظ کا استعمال، جو کہ تکنیکی نقطۂ نگاہ سے غلط ہے، ایک ایسا تقریباً خود کار ردِ عمل ہے جو نفسِ مضمون کو نیچے افریقہ اور ہندوستان کی سطح تک لانے میں لکھنے والے کی جبلی خواہش کا نتیجہ ہے۔ اس خواہش کو ہم کونریڈ کے اس فیصلے سے مشابہ قرار دے سکتے ہیں کہ اس نے اپنی ''کچی پکی روحوں'' کو زبان دینے سے گریز کیا۔ زبان ان بندوں کی اوقات سے بہت بڑھ کر ہے؛ سو انھیں بولیاں بخش دیتے ہیں!

www.urduchannel.in

اس سلسلے میں بہت سا تشدد نہ صرف نفرت زدہ لوگوں سے کیا جانا ناگزیر ہے بلکہ لفظوں سے بھی، جو ممکنہ تدارک کے اہم ترین اوزار ہو سکتے ہیں۔ ''کرسچین سائنس مانیٹر'' کے استعمال کردہ کلے ''آبائی زبانوں'' پر ذرا غور فرمایئے۔ یقینی طور پر لندن میں اگر کسی آبائی زبان کا وجود ہے تو وہ صرف کاکنی انگریزی ہی ہو سکتی ہے۔ لیکن ہمارے مضمون نگار کی مراد اس کلے سے کچھ اور ہی ہے — کوئی ایسی چیز جو ہندوستانیوں اور افریقیوں کی نکالی ہوئی آوازوں کو بیان کر سکے!

اگرچہ تدارک کا کام، جس کا کیا جانا ضروری ہے، جوئے شیر لانے کے برابر محسوس ہوتا ہے، میرا یقین ہے کہ یہ دیر آید درست آید کی مثال ہے۔ کونریڈ نے نوآبادیاتی لوٹ کھسوٹ کی معصیت کو دیکھا اور اس کی شدید مذمت کی مگر وہ نسل پرستی کے وجود سے عجیب طور پر بے خبر رہا، جبکہ یہی وہ پتھر تھا جس پر نوآبادیاتی لوٹ کھسوٹ نے اپنے دانت تیز کیے تھے۔ لیکن وہ لوگ جو نسلی تعصب اور انسانی درجے سے محرومی کے گھاؤ کئی صدیوں تک جھیلتے رہے ہیں، اس بات کا کسی بھی سرسری گزرنے والے سیاح سے بہتر شعور رکھتے ہیں خواہ وہ سیاح کونریڈ کی سی منفرد صلاحیتوں سے ہی مالا مال کیوں نہ ہو۔

(انگریزی سے ترجمہ: معظم شیخ)

www.urduchannel.in

ہیومر سر کرٹلر

’قلب ظلمات‘‘ میں نسل پرستی اور عظمت

چینوا اچیبے، جو بیشتر دوسرے تنقید نگاروں کی بہ نسبت نسل پرستی کے مسئلے سے ذاتی طور پر زیادہ قریب ہے، اس بات پر سخت برہم ہے کہ کونریڈ ایک ’’پکا نسل پرست‘‘ ہے، اور اس سے وہ یہ نتیجہ برآمد کرتا ہے کہ کونریڈ کے ناول ’’قلب ظلمات‘‘ کو ایک عظیم فن پارہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ اچیبے نے اپنا یہ دعویٰ نہایت صریح انداز میں پیش کیا ہے:

> اصل سوال یہ ہے کہ ایک ایسا ناول جس میں انسانوں کے ایک بہت بڑے گروہ کو انسانی اور شخصی خصوصیات سے محروم کرنے کے اس عمل کا جشن منایا گیا ہو، کیا وہ فن کا شاہپارہ کہلانے کا مستحق بن سکتا ہے؟ میرا جواب ہے: نہیں، کبھی نہیں... میں ایک ایسی کتاب کا ذکر کر رہا ہوں کہ جو نہایت ہی بے ہودہ انداز میں ایسے متعصب اور توہین آمیز رویے کی نمائش کرتی ہے جس کے باعث انسانوں کا ایک بہت بڑا گروہ ماضی میں نا قابل بیان مصیبتیں اور اذیتیں جھیل چکا ہے اور آج بھی مختلف صورتوں میں اور مختلف مقامات پر جھیل رہا ہے۔ میں ایک ایسی کہانی کا ذکر کر رہا ہوں کہ جس میں سیاہ فام لوگوں کی انسانی حیثیت پر ہی سوالیہ نشان لگا دیا گیا ہے۔ میرے لیے یہ نا قابل تصور بات ہے کہ ایسی مریضانہ تحریر میں عظیم فن، بلکہ اچھا فن بھی موجود ہو سکتا ہے۔

اپنے اس مضمون میں میں اچیبے کے نکالے ہوئے اس نتیجے کا تفصیل سے تجزیہ کر کے اسے رد کروں گا، اور اس عمل میں اس بات کی ایک قابل قبول وضاحت پیش کروں گا کہ ادب میں عظمت کا دارومدار کن باتوں پر ہے اور ’’قلب ظلمات‘‘ کو ایک عظیم فن پارہ سمجھنے کا کیا جواز ہے۔ کونریڈ پر اچیبے کے اس شدید اعتراض کے پہلی بار شائع ہونے سے لے کر اس کی حالیہ اشاعت تک ایک طویل عرصہ گزرنے کے باوجود یہ بات خاص طور پر مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اس مسئلے کا ایک بار پھر نئے سرے سے جائزہ لیا جائے۔ اس کی پہلی وجہ تو یہی ہے کہ کونریڈ کے ناول پر اچیبے کے اعتراضات کا اب تک مناسب طور پر جواب نہیں دیا گیا۔ علاوہ ازیں، ان تمام برسوں میں اچیبے کا مضمون اس انداز تنقید کی ایک علامت بن گیا ہے جو بعد از وضعیاتی تنقید میں روز بروز مقبول ہوتا جا رہا ہے۔ بعض لوگ اس مضمون کو ایک مثالی تحریر کا درجہ دینے لگے ہیں؛ اسے بے شمار انتخابوں میں شامل کیا گیا ہے؛ اور یہ بہت سے کالجوں میں لازمی مطالعے کا حصہ ہے۔ چنانچہ اس مضمون کو نئے

www.urduchannel.in

سرے سے پڑھنا اور اس فن پارے کی روشنی میں، جس کی عظمت پر اس مضمون میں اعتراض کیا گیا ہے، اس پر غور کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ایک ایسے انداز تنقید کے نمونے کے طور پر جو ادبی تحریروں کو ان کے مصنفوں کی ذات پر لگائے ہوئے الزامات کی شہادت کی سطح پر اتار لاتی ہے، اچیبے کا مضمون ہمیں مجبور کرتا ہے کہ اپنی توجہ کا رخ تنقید کا ہدف بننے والے فن پارے کی طرف دوبارہ موڑ دیں اور یہ سوال کریں کہ آیا اس قسم کی تنقید واقعی کوئی موزونیت رکھتی ہے۔

اپنے ناول ''بکھرتی دنیا'' میں اچیبے نے دکھایا ہے کہ کسی پورے معاشرے کو ''غیر مہذب'' یا ''پسماندہ'' قرار دینے کا مطلب ایک خطرناک زمین پر قدم رکھنا ہے۔کونریڈ کے ناول ''قلب ظلمات'' پر اس کی تنقید بھی، دوسری باتوں کے علاوہ، اسی بحث کو آگے بڑھاتی ہے۔اور یہ کام اس نے بہت قائل کرنے والے انداز میں کیا ہے۔ تاہم، اچیبے اپنی تنقید میں ہمیں اس بات پر قائل کرنے سے قاصر رہا ہے کہ کونریڈ نے اپنے ناول میں جن ''پسماندہ'' لوگوں کو بیان کیا ہے، ان کی بابت کونریڈ کا رویہ اس کے ناول کے عظیم سمجھے جانے کو کس طرح ناممکن بنا دیتا ہے۔ اس کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ اچیبے کونریڈ کے ناول میں اس تناؤ اور ابہام کو محسوس کرنے میں ناکام رہا ہے جن کے باعث یہ ایک عظیم فن پارہ ہے۔ اچیبے کو اس میں نسل پرستی کے عناصر دکھائی دیتے ہیں، اور بلاشبہ وہ اس میں موجود ہیں، لیکن وہ نسل کے تصور اور مغربی تہذیب کے بارے میں ناول کے غیر قطعی انداز کو بھانپنے میں ناکام رہا جو کہانی کے راوی کے اس تحقیر آمیز انداز میں مضمر ہے جس کے ساتھ وہ اس استحصال اور لالچ کا ذکر کرتا ہے جو اس کے نزدیک یورپ کی مخصوص بیماری ہے۔ اس ضمن میں دو باتوں کو بہت صاف انداز میں بیان کرنے کی ضرورت ہے: اول، نسل پرستی کا عنصر ناول پر اتنا غالب نہیں ہے جتنا اچیبے نے بتایا ہے، اور یقینی طور پر یہ عنصر اتنا طاقتور نہیں ہے کہ ناول کو بطور ایک فن پارے کے تباہ کر کے رکھ دے۔ دوم، فن میں ''عظمت'' نسل پرستی کے عناصر کے باوصف موجود ہو سکتی ہے بشرطیکہ اس میں تلافی کرنے والے دیگر عوامل بھی پائے جاتے ہوں جن کی بدولت ناول کی متبادل تعبیر کرنا ممکن اور معقول بات ہو۔ آیئے اب ان دونوں نکات پر باری باری غور کریں۔

میں اپنی بات کا آغاز اچیبے کے اٹھائے ہوئے تمام اعتراضات کی فہرست سے کروں گا جن کی بنا پر اس کا موقف ہے کہ کونریڈ ایک نسل پرست ہے اور ''لہٰذا'' یہ ممکن نہیں کہ اس نے ایک عظیم فن پارہ تخلیق کیا ہو۔

(۱) کونریڈ [مارلو] بار بار nigger (حبشی) کا لفظ استعمال کرتا ہے۔

(۲) کونریڈ کو [بطور فرد کے] ''حبشیوں کے ساتھ کوئی بڑا مسئلہ درپیش تھا'' جس کا اظہار اس کے پہلی بار کسی سیاہ فام شخص کو دیکھنے کے احوال سے ہوتا ہے۔

(۳) کونریڈ [مارلو] افریقیوں کو محض ''جھومتے لہراتے ہاتھوں پیروں اور متحیر آنکھوں'' کے طور پر پیش کرتا ہے اور انھیں زبان عطا کرنے کو تیار نہیں۔

(۴) کونریڈ [مارلو] افریقی عورت کو ایک مخصوص طرح سے بیان کرتا ہے جو اچیبے کے خیال میں'' کہانی کے اختتام پر نمودار ہونے والی سلجھی ہوئی یورپی عورت کے مقابل ایک جنگلی عورت'' کی

www.urduchannel.in

حیثیت رکھتی ہے۔

(۵) کونریڈ [مارلو] کی زبانی فائر مین کا ذکر۔

(۶) کرٹز کا مقامی باشندوں پر تحکم، جس کے نتیجے میں "افریقہ کو محض ایک اسٹیج کے پس منظر تک محدود" کر دیا گیا ہے؛ "تا کہ ایک حقیر یورپی دماغ کے رفتہ رفتہ منتشر ہونے کا ڈراما دکھایا جا سکے۔"

(۷) اور آخری بات، اچیبے کے لفظوں میں، [افریقی باشندوں] کو انسانی اور شخصی خصوصیات سے محروم کر دیا جانا۔"

اچیبے کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ کونریڈ "نگر" کا لفظ بڑی بے پروائی سے بار بار استعمال کرتا ہے۔ کم از کم اتنی بات تو درست ہے کہ کہانی کا راوی مارلو ضرور ایسا کرتا ہے۔ اچیبے ناول کے مصنف اور اس کے مرکزی کردار میں کہیں بھی واقعتاً امتیاز نہیں کرتا۔ سوال یہ ہے کہ آیا مارلو کے زبان کے استعمال میں ایسی کوئی معنی خیز بات ہے جو اچیبے کے مجموعی موقف کے سلسلے میں اہمیت رکھتی ہو۔ میرا خیال ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے، کیونکہ اگر ناول کا راوی کانگو کے مقامی باشندوں کا ذکر ایک ناپسندیدہ نام سے کرتا ہے تو اس سے کونریڈ یا کونریڈ کے ناول کے بارے میں کوئی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مارلو کے لفظ "نگر" کے استعمال کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ خود اس لفظ کو تحقیر آمیز سمجھتا ہے۔ شبہ ہوتا ہے کہ وہ اس لفظ کو کسی بھی دوسرے لفظ جیسا خیال کرتا ہے، کیونکہ انیسویں صدی کے اواخر میں اس لفظ کے استعمال سے ایسا شدید جذباتی ردعمل پیدا نہیں ہوتا تھا جیسا آج ہوتا ہے۔ تاہم، اگر مارلو پر "نسل پرست" کا لیبل کسی طرح چسپاں ہو بھی جائے تو اس سے ہمیں یہ اختیار نہیں مل جاتا کہ کونریڈ کی ذات یا اس کے ناول کے بارے میں کوئی نتیجہ اخذ کریں۔ ہرکولیس اور اٹلس مل کر بھی اس دلیل کو متحرک نہیں کر سکتے کہ مارلو نسل پرست ہے، چنانچہ کونریڈ یا کونریڈ کا ناول بھی نسل پرست ہے— ان دونوں باتوں کے درمیان بہت وسیع خلیج حائل ہے۔ مثال کے طور پر یہ عین ممکن ہے کہ کونریڈ مارلو کے نسل پرستانہ خیالات کو مضحکہ اڑانے کے لیے نمایاں کر رہا ہو— جیسا کہ اس نے ناول میں متعدد مقامات پر یورپی لوگوں میں سفید رنگ کے لیے پائی جانے والی پسندیدگی پر دلچسپ پیرایوں میں طنز کیا ہے۔☆ بہرکیف، مارلو کی نسل پرستی لازمی طور پر کونریڈ کی نسل

☆ اسٹیورٹ ولکوکس (Stewart Wilcox) نے اپنے مضمون Conrad's 'Complicated Presentations' of Symbolic Imagery میں قائل کرنے والے انداز میں بتایا ہے کہ مارلو کی زبانی برسلز شہر کے لیے ایک سے زائد بار "سفیدی پھرے مزار" کا فقرہ استعمال کرتا ہے جس کا ماخذ متی کی انجیل (XXIII، ۲۸-۲۷) کی وہ عبارت ہے جس میں یسوع فریسیوں پر غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے: "اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مُردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہیں۔" نہ صرف برسلز ایک "سفیدی پھرا مزار" ہے بلکہ ہاتھی دانت کے رنگ میں بھی وہی چمک دار سفیدی ہے جو کرٹز کے اڈے کی ہڈیوں پر جڑی کھوپڑیوں کے رنگ میں ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ "قلب ظلمات" میں سفید فام یورپیوں کی ریاکاری فوراً عیاں ہو جاتی ہے اور سفید = اچھا اور کالا = برا کے سادہ خیال مفروضے کو بنیاد سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے۔

www.urduchannel.in

پرستی نہیں ہے۔ نہ اسے لازمی طور پر ناول کا نقص قرار دیا جا سکتا ہے۔ آیئے اب ہم اپیجے کے دوسرے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔

اپیجے کے اٹھائے ہوئے کئی نکات کے سلسلے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کونریڈ وہی کچھ بیان کر رہا تھا جو اس نے دیکھا، اور وہ ناول میں اپنے ذاتی تجربات بھی شامل کر رہا تھا؛ ہم سب جانتے ہیں کہ اس ناول میں سوانحی عناصر موجود ہیں۔ اس ضمن میں، مقامی باشندوں کا اس کا بیان دانستہ طور پر تحقیر آمیز نہیں ہے: اس بیان کا مقصد محض ان لوگوں اور ان واقعات کو بیان کرنا ہے جنھیں اس نے دیکھا تھا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ وہ جن عدسوں کی مدد سے دیکھ رہا تھا وہ یورپ میں سفید فام کاریگروں کے ہاتھوں ڈھالے گئے تھے، ناول میں مصنف نے بیان وہی کچھ کیا جو اس نے دیکھا تھا۔ اس صورت میں نسل پرستانہ عنصر کو زیادہ سے زیادہ غیر ارادی کہا جا سکتا ہے، جس کا مطلب ہے کہ وہ عنصر موجود تو ہے لیکن اسے افریقہ کو انسانی خصوصیات سے محروم کرنے کے عمل کا ''جشن منانے'' کے مترادف قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس دلیل کا جواب اپیجے یہ کہہ کر دیتا ہے کہ ''میں کسی شخص کے آنکھوں دیکھے احوال کا بھی اعتبار کرنے کو تیار نہیں اگر مجھے شک ہو کہ اس شخص کی آنکھیں اس قدر یرقان زدہ ہیں جیسی کونریڈ کی آنکھیں''۔ غالباً یہاں اپیجے کی مراد کونریڈ کے ''حبشیوں کے ساتھ درپیش مسئلے'' سے ہے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ بدقسمتی سے اس کی دلیل بودی ہے، کیونکہ کونریڈ کے ذاتی مسائل کچھ بھی کیوں نہ رہے ہوں، اس کے ناول کے کردار کے لیے ضروری نہیں کہ وہ دنیا کو کونریڈ کی آنکھوں سے دیکھتا ہو۔ اصل سوال یہ ہے کہ مارلو نسل پرست ہے یا نہیں، اور اگر ایسا ہے (اور ممکن ہے ایسا ہی ہو) تب بھی وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس کو سننا فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے: کوئی انتہائی یرقان زدہ آنکھوں والا شخص بھی کبھی ایسی چیزیں دیکھ سکتا ہے جو ہماری نظر میں آنے سے رہ گئی ہوں۔

لیکن زیر بحث نکتے کے لحاظ سے، محض یہ کہنا کافی نہیں، جیسا کہ اپیجے نے کیا ہے، کہ کونریڈ افریقہ کے ان نقوش کو نظرانداز کر دیتا ہے جو اس تصور سے مطابقت نہ رکھتے ہوں جسے پیش کرنے پر وہ مصر ہے۔ بلاشبہ یہ بات تو ہے ہی، لیکن ناول کے لیے مرکزی اہمیت اس بات کی نہیں ہے کہ کونریڈ نے کیا نہیں دیکھا بلکہ اس بات کی ہے کہ اس نے کیا دیکھا جسے اس نے بعد میں ناول کا حصہ بنایا۔ ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ کونریڈ مارلو کے ان تجربات کا ایک حصہ بیان کر رہا ہے جو اسے کانگو میں پیش آئے۔ اس نکتے کی طرف میں دوبارہ آؤں گا۔

اپیجے کو اس بات پر اعتراض ہے کہ کونریڈ نے ''[کرنز کی منگیتر] کو تو زبان عطا کی لیکن [کرنز کی افریقی داشتہ] کو اس سے محروم رکھا''۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اپیجے کا اعتراض اس پر ہے کہ چار ہی مارلو کے اردگرد جو مقامی باشندے موجود ہیں وہ یا تو خاموش رہتے ہیں یا اگر بولتے بھی ہیں تو ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بس ایک آدھ ادھورا فقرہ۔ لیکن اس کی وضاحت آسانی سے کی جا سکتی ہے کہ ''ایمیزون'' (یہ اپیجے ہی کا دیا ہوا نام ہے) جن حالات میں نمودار ہوتی ہے وہاں اس سے گفتگو کرنا ناممکن ہے، اور پھر، زیادہ عمومی طور پر، مارلو مقامی زبان نہیں بولتا اور اس کے لیے مقامی لوگوں سے گفتگو کرنا ممکن نہیں۔ برسبیل تذکرہ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اس ناول میں اظہار بذریعہ گویائی کی کوئی ایسی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ مارلو

www.urduchannel.in

کے اردگرد جو سفید فام لوگ پائے جاتے ہیں ان کی بات چیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ تنگ نظر، احمق، حریص، ترقی کرنے کے لیے بے قرار اور چھچھورے لوگ ہیں — اور یہ بات بعض اوقات خود مارلو کے لیے بھی درست معلوم ہوتی ہے۔ بہرکیف، ''اظہار'' محض زبان تک محدود نہیں ہوتا، اور ''ایمیزون'' جو کچھ لفظوں میں نہیں کہتی وہ شاندار طور پر بلیغ ہے۔ یہ ''وحشی اور شاندار'' عورت جو ''ہم سب کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے اس کی زندگی کا دارومدار اس بات پر ہو کہ نظر جھپکے یا بکھرے، نیز ہم پر جمی رہے۔ یکایک اس نے برہنہ بازو پھیلائے اور سر سے اوپر لے جا کر یوں کھڑے کر دیے جیسے بے اختیار ہو کر آسمان کو چھو لینا چاہتی ہو''، اس کا بصری خاکہ ناول کے اختتام پر کوزیڈ کی زبانی کرٹز کی نحیف اور خود فریبی کی شکار منگیتر کے سرسری بیان سے کہیں زیادہ دلچسپ ہے۔ کرٹز کی منگیتر کی شخصیت کا یہ بیان پوری طرح درست ہو یا نہ ہو، عورت کو اس روشنی میں دیکھنا ضرور ممکن ہے — اور نقادوں نے ایسا کیا بھی ہے — اور اس عورت اور اچیبے کے بقول ''ایمیزون'' کے مابین تضاد کے رخ کو بہ آسانی انتہائی شاندار کالی عورت کے حق میں موڑا جا سکتا ہے۔ رخ موڑنے کا یہ ممکنہ عمل ناول میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے، جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے۔ لیکن ناول میں غیر قطعیت کے اور بھی مظاہر ہیں جن کا سبب، آدمی کو شبہ ہوتا ہے، کوزیڈ کا نہایت حقیقی ناگواری کا احساس ہے جو اس کے کانگو کے سفر کے دوران ''لوٹ مار کی بدقماش ترین چھینا جھپٹی'' کو قریب سے دیکھ کر پیدا ہوئی ''جس نے بھی انسانی ضمیر اور جغرافیائی کھوج کی تاریخ کی صورت مسخ کی تھی۔''

اچیبے غیر منصفانہ طور پر کوزیڈ کی اس ناگواری کو، جو ناول کے راوی کے ذریعے بیان کی گئی ہے، ''دل کے لہو سے تر جذبات'' کہہ کر مسترد کر دیتا ہے، تاہم اس بات پر یقین کرنے کا خاصا معقول جواز موجود ہے کہ یہ حقیقی شے ہے۔ اس کی شہادت نہ صرف کوزیڈ کے محولہ بالا الفاظ دیتے ہیں بلکہ خود ناول میں بھی متعدد ایسے ٹکڑے موجود ہیں جو مارلو کے اس ابتدائی دعوے کی تصدیق کرتے ہیں کہ ''دنیا کی فتح کا، جس کے معنی زیادہ تر یہ ہیں کہ اسے اُن لوگوں سے چھین لیا جائے جن کا رنگ ہمارے رنگ سے مختلف ہے یا ناکیں ہماری ناکوں سے قدرے چپٹی ہیں، اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو کوئی پرلطف چیز نہیں رہتی۔''

علاوہ ازیں، اس ناخوشگوار تاثر پر بھی غور کیجیے جو یورپ سے تعلق رکھنے والی چیزیں پیدا کرتی ہیں۔ کانگو پہنچ کر مارلو کو سرسبز ویرانے کے بیچوں بیچ اتنی بڑی زنگ کھاتی مشینیں دکھائی دیتی ہیں جہاں کالے لوگ اپنے زخم چاٹنے اور اپنے گورے ''آقاؤں'' سے بچنے کے لیے پناہ لیتے ہیں جو ان کو بغیر کسی وجہ کے زدوکوب کرتے ہیں۔ مارلو بھی کوئی بہت جذباتی آدمی نہیں، وہ خود میں گم رہنے والا اور قدرے مغرور شخص ہے؛ اور جن بے چہرہ لوگوں کا ذکر ''زائرین'' کے نام سے آتا ہے وہ بھی جذباتی لوگ نہیں اور ایک دوسرے سے سر جوڑے، بڑبڑاتے اور سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ بعد میں احمقانہ انداز سے اپنی رائفلیں اندھادھند داغتے ہیں تاکہ دخانی کشتی پر حملہ آور ہونے والے دیسی لوگوں کو ڈرا کر بھگا سکیں، اور بعد میں خطرے کے مقابل اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتے ہیں۔ مگر ان سے بھی زیادہ مضحکہ خیز ''کالروں، بہت چوڑے کفوں اور بنے سنورے بالوں والا'' محاسب اعلیٰ ہے، ''اپنے بہی کھاتوں پر جھکا ہوا، بالکل درست لین دین کا درست اندراج کرنے میں مشغول''؛ لیکن جس ''کی وضع قطع بے شک کسی حجام کے یہاں رکھی ڈمی سے ملتی جلتی'' ہے؛ اڈے کا خشت ساز ہے جس

www.urduchannel.in

نے سال بھر سے زائد عرصے سے کوئی اینٹ نہیں بنائی؛ وہ گماشتہ ہے جسے مارلو "کٹی کا بنا ہوا میفسٹوفیلیس" کے نام سے یاد کرتا ہے؛ اور کرٹز کا مسخرا چیلا ہے، جو اپنے پیوند لگے کوٹ کی ایک جیب میں جہازرانی کے موضوع پر ایک کتاب اور دوسری جیب میں کارتوس ٹھونسے، جھاڑی میں غائب ہو جاتا ہے جبکہ اس کے پاس نہ تو چلانے کو کوئی کشتی ہے اور نہ داغنے کو کوئی بندوق! یہ کتاب جن کرداروں سے آباد ہے وہ ہرگز قابل تحسین لوگ نہیں ہیں — آدم خوروں کو چھوڑ کر، جن کی طرف میں ذرا دیر میں لوٹوں گا۔

پہلے ہم اچیبے کے اٹھائے ہوئے اس نکتے پر غور کرتے ہیں کہ "افریقہ کو محض ایک اسٹیج کے پس منظر تک محدود" کر دیا گیا ہے، "تاکہ ایک حقیر یورپی دماغ کے رفتہ رفتہ منتشر ہونے کا ڈراما دکھایا جا سکے۔" بلاشبہ یہ الزام چیزوں کو ضرورت سے زیادہ سادہ کر کے دیکھنے کا غماز ہے۔ کونریڈ نے دراصل افریقہ کے محض ایک حصے کو، اور بڑی ہوشیاری سے ایسے حصے کو چنا ہے جو نسبتاً غیر ترقی یافتہ ہے، اور لالچی یورپی لوگوں کے ہاتھوں بے محابا لوٹ کھسوٹ کو سہہ رہا ہے، اور اسے مارلو کے ظلمات کے قلب کی جانب سفر کے پس منظر کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس سفر کے دوران ہم مارلو کی مسخ شدہ کرٹز سے مماثلت کو دریافت کرتے ہیں — کرٹز جو یورپ کی "اعلیٰ ترین" تخلیق ہے، اور جن وحشی کالے لوگوں پر وہ کسی نہ کسی طور پر حکمرانی کر رہا ہے ان سے کہیں زیادہ وحشی ہو چکا ہے۔ لیکن کرٹز کے ان لوگوں پر تسلط پانے کی اہلیت ان محکوم لوگوں کی سادہ لوحی یا گاؤدی پن کی طرف اشارہ نہیں کرتی۔ کرٹز کا سحر، بظاہر، ہر کسی کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے، جن میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو اس سے کبھی ملے تک نہیں، جیسے مارلو۔ کرٹز کے ساتھ افریقہ میں جو کچھ پیش آتا ہے وہ اتنا افریقہ کے رہنے والوں پر تبصرہ نہیں جتنا اس لکیر کے دھندلے پن پر جو اوائلی باشندوں کو انتہائی تہذیب یافتہ یورپی باشندے، کرٹز، سے علیحدہ کرتی ہے جس "کی ماں [ہمیں یاد رکھنا چاہیے] نیم انگریز اور باپ نیم فرانسیسی تھا۔ تمام یورپ نے کرٹز کی تخلیق میں ہاتھ بٹایا تھا۔" ناول سے یہ بات قطعاً واضح نہیں ہوتی کہ کون کس پر "فوقیت" رکھتا ہے۔

یہی ابہام، نہ صرف تہذیب بلکہ نسل کے معاملے میں بھی، اُس وقت ظاہر ہوتا ہے جب مارلو فائرمین کا ذکر کر رہا ہے۔ اچیبے نے اس اقتباس کو پورا نقل کیا ہے، اور میں بھی ایسا ہی کروں گا:

اور ان مصروفیتوں کے دوران میں مجھے اس وحشی پر بھی نظر رکھنی پڑتی تھی جو فائرمین کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ وہ سدھا ہوا نمونہ تھا؛ عمودی بوائلر میں آگ لگا سکتا تھا۔ وہاں میرے ماتحت کام کرتا تھا اور، سچ کہتا ہوں، اسے دیکھ دیکھ کر اتنی ہی روحانی بالیدگی حاصل ہوتی تھی جتنی کسی ایسے کتے پر نظر ڈال کر جو برجس اور پروں والے ہیٹ پر مشتمل اوٹ پٹانگ سوانگ بھرے پچھلی ٹانگوں پر چل رہا ہو۔ چند مہینوں کی تربیت نے اس بیچ کے بھلے مانس کو کام کا آدمی بنا دیا تھا۔ جب وہ آنکھیں سکیڑ کر آب پیما اور دخان پیما کو دیکھتا تو صاف پتا چلتا کہ جان ہتھیلی پر رکھ کے یہ کام انجام دے رہا ہے — اور مرے یار کے دانت بھی سوہن کی مدد سے نکیلے بنے ہوئے تھے، اور گھونگریالے بال عجیب و غریب نمونوں میں منڈے ہوئے اور دونوں گالوں پر زخموں کے تین تین آرائشی نشان۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ کنارے پر تالیاں بجاتا اور پیر پٹختا نظر آتا مگر ایسا

www.urduchannel.in

کرنے کے بجائے وہ، عجیب وغریب جادوگری کا بندھوا بنا، سدھارنے والے علم سے معمور، جاں فشانی سے کام میں مصروف تھا۔

یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اس بیان میں نسل پرستانہ تحقیری فقرے موجود ہیں مثلاً فائرمین کی مماثلت ایک ایسے کتے سے دکھائی گئی ہے "جو برجس اور پروں والے ہیٹ پر مشتمل اوٹ پٹانگ سوانگ بھرے پچھلی ٹانگوں پر چل رہا ہو"۔ لیکن یہ بھی خیال رہے کہ اس کے فوراً بعد جو فقرہ آتا ہے وہ یہ ہے: "چند مہینوں کی تربیت نے اس سچ مچ کے بھلے مانس کو کام کا آدمی بنا دیا تھا" اور اس فقرے میں ایک ایسے شخص کی تحسین محسوس ہوتی ہے جو سیکھنے میں تیز ہے۔ بعد میں ہمیں رویے کا یہ دلچسپ تضاد اس موقعے پر بھی نظر آتا ہے جب مارلو کہتا ہے کہ "چاہیے تو یہ تھا کہ وہ کنارے پر تالیاں بجاتا اور پیر پٹختا نظر آتا مگر ایسا کرنے کے بجائے وہ، عجیب وغریب جادوگری کا بندھوا بنا، سدھارنے والے علم سے معمور، جاں فشانی سے کام میں مصروف تھا۔" فائرمین" پچھلی ٹانگوں پر چلتے ہوئے کتے کی طرح" بھی ہے اور "سچ مچ کا بھلا مانس" بھی۔ مزید یہ کہ یہ "وحشی" جو جہاز کے انجن سے پوری طرح مسحور ہے، "سدھارنے والے علم سے معمور" اور "جاں فشانی سے کام میں مصروف" بھی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ کونریڈ کام اور علم کو، اور ان کے ساتھ "ضبط" کو، تہذیب کے مثبت پہلوؤں میں شمار کرتا تھا۔ اس کے باوجود ہم انھیں فائرمین کے طرزِ عمل میں ظاہر ہوتا دیکھتے ہیں۔ اس طرح ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو متضاد خیالات اس پیکار کی جانب اشارہ کرتے ہیں جو خود ناول نگار کے ذہن میں برپا ہے۔ یہ پیکاریں شاعرانہ تخیل سے جلا پاتی ہیں اور خلط ملط اشاروں اور متضاد تمثالوں میں ظاہر ہوتی ہیں۔

یہ تناؤ اور ابہام ناول میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے اور اسے شروع سے آخر تک محسوس کیا جا سکتا ہے۔ نسل پرستانہ عناصر کے پہلو بہ پہلو تحسین، تائید اور ممکنہ طور پر لگاؤ کے عناصر بھی موجود ہیں۔ لیکن یہ آخرالذکر عناصر ایپے کی نگاہ میں نہیں آ پاتے۔ وہ محض نسل پرستانہ عناصر پر اصرار کرتا ہے اور یوں ان تنازعات کو نظرانداز کر دیتا ہے جو اس ناول کی بنیادی خصوصیت ہیں۔ یہ بات ایپے کے اس تبصرے کی روشنی میں اور بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے جو اس نے سکان گیر کی موت کے واقعے پر کیا ہے۔ "جو نظر اس نے مجھ پر ڈالی تھی اس کی مانوس گہرائی آج تک میرے حافظے میں صحیح سلامت ہے — جیسے دور دراز کی کسی رشتے داری کا دعویٰ جس پر ایک عظیم ترین لمحے میں مہر تصدیق ثبت ہوئی ہو۔"

ایپے تسلیم کرتا ہے کہ مارلو نے اس کالے آدمی کے ساتھ اپنی "دور دراز کی رشتے داری" کو محسوس کیا، لیکن اپنے اس اقرار کو النارخ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ مارلو کو اس بات کا رنج ہے کہ کالا آدمی سفید آدمی پر "حق جمانے چلا ہے" جو "ناقابل برداشت بات ہے"۔ یہ بات ناول کے محولہ بالا اقتباس سے کہیں ظاہر نہیں ہوتی، خصوصاً اس حقیقت کی روشنی میں کہ مارلو کے نزدیک یہ "ایک عظیم ترین لمحہ" ہے۔ کسی یاد کے ذہن سے محو نہ ہو پانے کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں، لیکن عموماً اس کا سبب یہ نہیں ہوتا کہ وہ یاد "ناقابل برداشت" تھی۔ اس کے برعکس ناقابل برداشت یادیں تو ذہن سے بہت تیزی سے محو کر دی جاتی ہیں یا کہیں لاشعور میں گہری دبا دی جاتی ہیں۔

یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ مارلو کے تبصرے کا اقتباس چنتے ہوئے ایپے نے اس سے فوراً پہلے کے کئی جملوں کو نظرانداز

www.urduchannel.in

کر دیا ہے۔ اس تبصرے کا سیاق و سباق بہت پر انکشاف ہے۔ ناول میں مارلو اپنی بات اپنے سننے والوں سے مخاطب ہو کر یوں شروع کرتا ہے:

میں نے اپنے سکان گیر کی کمی بری طرح محسوس کی — مجھے تو اس کی کمی اس وقت بھی محسوس ہوئی تھی جب اس کی لاش ابھی پائنٹ خانے میں پڑی تھی... بھئی، دیکھتے نہیں، اس نے کچھ کیا تو تھا، سکان تھام کر جہاز چلایا تھا؛ مہینوں میری پشت پر موجود رہا تھا — سہارا بن کر — آلہ کار بن کر۔ یہ ایک طرح کی شراکت تھی۔ وہ میرے لیے سکان گیری کرتا — میں اس کا خیال رکھتا۔ میں اس کی خامیوں کے بارے میں فکرمند رہتا تھا۔ اور اس طرح ہمارے درمیان لطیف رشتہ قائم ہو گیا جس کا احساس مجھے صرف اس وقت ہوا جب وہ اچانک ٹوٹا۔

یہ جملے بھی خلط ملط پیغامات دیتے معلوم ہوتے ہیں۔ اس آدمی میں "خامیاں" ہیں، اس کے باوجود مارلو اس شخص کے لیے، جس سے وہ "لطیف رشتہ" محسوس کرتا ہے، "فکرمند" ہے۔

اپیجے کے متن کو جزوی اور من مانے طور پر پڑھنے کے باعث سامنے آنے والی ایک اور مثال اس کے مضمون میں اس سے پہلے آتی ہے جب وہ متن میں ایک صریح ترمیم کر دیتا ہے۔ اپیجے کے مطابق، مارلو کہتا ہے: "ان کی انسانیت کا خیال — جو تمھاری جیسی ہی انسانیت تھی... بھونڈا خیال..."

درحقیقت مارلو نے جو بات کہی ہے وہ یہ ہے: "لیکن تمھارے دل میں اہتزاز پیدا ہوتا تو صرف ان کی انسانیت کے خیال سے — جو تمھاری جیسی ہی انسانیت تھی — اور اس خیال سے کہ اس وحشیانہ اور پرجوش شور و شغب سے تمھارا دور دراز کا ناتا ہے۔ بھونڈا، ہاں، خاصا بھونڈا خیال تھا۔" اپیجے اپنے مضمون میں آگے چل اسی غلط اقتباس کو پھر دہراتا ہے۔ زبان میں کی گئی تبدیلی معنی خیز ہے، خاص طور پر اس حقیقت کے پیش نظر کہ کونریڈ لفظوں کے استعمال کے بارے میں کس قدر محتاط تھا۔ اپیجے کے دیے ہوئے اقتباس میں سے دور دراز کے ناتے کا ذکر غائب ہے، باوجود اس کے کہ یہ ناول کے مفشا کے لیے مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔

تاہم، اپیجے کی بحث کا سب سے طاقتور نکتہ اس کا یہ اصرار ہے کہ کونریڈ کے "پکا نسل پرست" ہونے کے باعث اس کے ناول کو "عظیم" نہیں سمجھا جا سکتا کیونکہ یہ "لوگوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے مقابل صف آرا کر دیتا ہے" اور کیونکہ "شاعری کو لوگوں کی نجات کی طرف ہونا چاہیے نہ کہ ان کی غلامی کی حمایت میں۔" اپنے اس موقف کی تائید میں وہ مارلو کی زبانی فائرمین کے ذکر پر مبنی اقتباس پیش کرتا ہے۔ لیکن، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، یہ واقعہ کسی بھی اعتبار سے یک سطحی نہیں ہے۔ فائرمین کی بابت مارلو کے احساسات ایک طرف نسل پرستانہ عداوت کا اظہار کرتے ہیں تو دوسری طرف ایک مشترک انسانی ناتے کے بڑھتے ہوئے شعور کے بھی غماز ہیں — یعنی "دور دراز کی کسی رشتے داری کا دعویٰ"۔ لیکن اپیجے کے نزدیک یہ بات ناکافی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ کونریڈ ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ اعلان کرے کہ وہ بنی نوع انسان کی اخوت پر یقین رکھتا ہے۔ تاہم اس قسم کا کوئی اعلان ناول کے ان جمالیاتی عناصر کو مجروح کر دیتا جن کے باعث یہ کتاب ایک فن پارہ

www.urduchannel.in

کہلائے جانے کی حقدار ہے، اور اس کے بجائے اسے ایک پمفلٹ کی سطح پر کھینچ لاتا۔ اگر ایسا کوئی عمل ممکن ہوتا — اور مجھے اصرار ہے کہ ایسا ممکن نہیں — تب یقیناً یہ کہا جا سکتا تھا کہ ناول ایک فن پارے کے ' پر ناکام ہوگیا — اس لیے نہیں کہ ہم اس کے دیے ہوئے کسی پیغام سے متفق ہیں یا غیر متفق، بلکہ اس لیے کہ یہ پروپیگنڈا بن گیا۔ اس ناول کو پمفلٹ کی سطح پر کھینچ لانا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ پڑھنے والا اس کے اجزا کو کل سمجھنے کی غلطی کر بیٹھے۔ اچیبے نے یہی کیا ہے — وہ ناول کو پہلے سے تیار شدہ عدسوں کی مدد سے پڑھتا ہے جو ناول کی کسی دوسری متبادل تشریح کو ناممکن بنا دیتے ہیں اور ابہام کے تمام ناخواندہ عناصر کو غائب کر دیتے ہیں جو بطور فن پارہ اس ناول کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

اس ضمن میں یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اچیبے نے مارلو کے آدم خوروں کی بابت رویے کو کیوں کر نظرانداز کر دیا۔ اچیبے کے مضمون میں ان کا برائے نام ہی ذکر آتا ہے، حالاں کہ وہ مضحکہ خیز یورپی انسان کے مقابل ایک نہایت دلچسپ تضاد کی حیثیت رکھتے ہیں، اور ان کی بابت مارلو کا رویہ اچیبے کے اس مضمر الزام کو کمزور کر دیتا ہے کہ یہ ایک ''نسل پرستانہ'' ناول ہے۔ ان لوگوں کی خاموشی بجائے خود یورپی افراد کی احمقانہ بک بک کے مقابلے میں ایک طرح کی قوت ہے۔ اس کے علاوہ مارلو ان کے ''ضبط'' کی تحسین کرتا ہے، خصوصاً اس موقعے پر جب وہ سکان گیر کی لاش کو گھسیٹ کر پانی میں پھینکتا ہے۔ ان لوگوں کو ہفتوں سے ٹھوس غذا نہیں ملی ہے۔ مارلو نے اس مقام پر اپنے تاثرات خاصی تفصیل سے بیان کیے ہیں:

> میں نے ان کی امنگوں، نیتوں، صلاحیتوں اور کمزوریوں کے بارے میں متجسس ہو کر انھیں اس طرح دیکھا جیسے تم ہر اس آدمی پر نظر ڈالو گے جسے کسی مبرم جسمانی احتیاج کی آزمائش کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو۔ ضبط! ایسا کون سا ضبط ممکن تھا؟ کیا توہم، کراہت، صبر، خوف نے انھیں باز رکھا تھا — یا کسی قسم کے قدیم احساس مروت نے؟ کوئی خوف ایسا نہیں جو بھوک کی تاب لا سکے، کوئی صبر ایسا نہیں جو بھوک کو مٹا سکے، جہاں بھوک ہو وہاں کراہت سرے سے موجود ہی نہیں ہوتی: اور جہاں تک توہم، عقیدوں اور ان چیزوں کا تعلق ہے جنھیں تم اصول کہتے ہو، تو وہ ایسے ہیں جیسے ہوا کے سامنے بھس بلکہ اس سے بھی کم۔ کیا تمھیں علم نہیں کہ طول کھینچنے والی فاقہ زدگی کی خباثت، اشتعال انگیز عذابوں، وسوسوں، غم ناک اور ایک ہی سوچ میں گم غضب ناکی کیا معنی رکھتی ہے؟ خیر، مجھے علم ہے۔ بھوک کا ٹھیک طرح مقابلہ کرنے کے لیے انسان کو اپنی تمام جبلی قوت بروئے کار لانی پڑتی ہے... ضبط! اگر میدان جنگ میں پڑی لاشوں کے درمیان دبے پاؤں گھومنے والے بجو سے ضبط کی توقع کی جا سکتی ہو تو میں مانے لیتا ہوں کہ وہ ضبط سے کام لے رہے تھے۔ لیکن جو حقیقت تھی وہ میرے سامنے تھی۔

اس اقتباس میں ہمیں جو شے نظر آتی ہے وہ مارلو کی بادل ناخواستہ تحسین ہے جو لا یفک طور پر تحقیر کے احساس سے گندھی ہوئی ہے جس کا اظہار لاشوں کے درمیان دبے پاؤں گھومنے والے بجو کی تشبیہ سے ہوتا ہے۔ تاہم جس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے وہ انھی برسرپیکار متضاد احساسات کا آمیزہ ہے۔ یہ اس ناول میں کارفرما شاعرانہ تخیل کی، اور شاعر کے ذہن میں برپا اس کشمکش کی نشان دہی کرتا ہے جس کی طرف میں پہلے اشارہ کر چکا ہوں۔ یہ بات بہرحال مسلم ہے کہ آدم خور

www.urduchannel.in

ایک ایسی خصوصیت کا اظہار کر رہے ہیں جو کرنز (یہاں تک کہ کرنز بھی!) ظاہر کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ کونریڈ تہذیب کی تحسین سب سے بڑھ کر اس سبب سے کرتا ہے کہ وہ ضبط کی خصوصیت پیدا کرتی ہے۔ اس کے اردگرد کے ماحول میں پائے جانے والے لالچ اور انتہائی بدصورتی کا توڑ صرف انسان کے اندرونی ضبط اور اس کے ساتھ ساتھ روشن خیالی کی مدد سے ممکن ہے۔ مارلو کے اپنے لفظوں میں: ''اس کی تلافی صرف تصور کرتا ہے۔ فتح کے پس پردہ کارفرما تصور؛ کوئی جذباتی ادعا نہیں بلکہ ایک تصور؛ اور اس تصور پر بے غرضانہ یقین۔'' لیکن انتہائے کار، اس ضبط کا اظہار اگر کوئی کرتا ہے تو آدم خوروں کا یہ ٹولا۔ اس حقیقت کی کوئی وضاحت موجود نہیں۔ یہ بات مارلو کو بالکل لغو معلوم ہوتی ہے؛ اس کے ڈھلے ڈھلائے خیالات کے پوری طرح مقابل آ کھڑی ہوتی ہے۔ لیکن جو حقیقت ہے وہ اس کے سامنے ہے۔ تہذیب اور نسلی ''فوقیت یا عدم فوقیت'' کے بارے میں یہ ابہام اور غیر قطعیت کونریڈ کے ناول پر ایسے کے لگائے ہوئے الزام کو کمزور کر دیتی ہے، اور اس کی بنا پر میرا اصرار ہے کہ ''قلب ظلمات'' ایک شاہکار ادبی تحریر ہے۔

میں مختصراً اس نکتے کو اوپر بیان کر چکا ہوں۔ لیکن اسے زیادہ تفصیلی بحث کے ذریعے واضح کرنے کی ضرورت ہے کیوں کہ اگر ایسے کی دلیل کو مان لیا جائے تو اس کے جمالیات اور ادبی تنقید دونوں پر سنگین اثرات مرتب ہوں گے۔ ایسے کا مطالبہ ہے کہ ہم آرٹ پر اخلاقی اصولوں کی بنیاد پر تنقید کریں۔ تاہم، اگرچہ میں ایسے کے اخلاقی اصولوں کی بابت سوال نہیں اٹھاتا، اور اس بات کو ترجیح دوں گا کہ تمام تحریریں ان اصولوں کی ترویج میں مددگار ہوں، بات یہ ہے کہ کونریڈ کا ناول ''عظیم'' ہے یا نہیں، یہ کوئی اخلاقی قضیہ ہرگز نہیں ہے؛ یہ ایک جمالیاتی قضیہ ہے۔ اس بات کا مطلب یہ بھی نہیں کہ نفس مضمون کی کوئی اہمیت نہیں، بلکہ صرف یہ کہ ایک کل کا محض ایک جزو ہے۔ انتہائے کار، سوال صرف یہ نہیں کہ ناول کیا پیغام دیتا ہے، اور آیا ہم اس پیغام سے متفق ہیں یا نہیں؛ سوال یہ ہے کہ یہ فن پارہ ایک مکمل صورت بناتا ہے یا نہیں، اور بطور ایک فن پارے کے کامیاب ہے یا نہیں۔

اس قول کو خاصا استناد حاصل ہے کہ تمام فنون موسیقی کے درجے پر پہنچنے کی آرزو رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں موسیقیات کے ماہر لیونارڈ میئر (Leonard Meyer) نے ہمیں بتایا ہے کہ موسیقی میں عظمت کا انحصار، اس کے لفظوں میں، ''اختصار سے پہنچائی گئی اطلاعات'' پر ہے۔ اب چونکہ موسیقی ایک ایسا فن ہے جو نفس مضمون سے قریب قریب تہی ہے، اس لیے یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ ''اطلاعات'' کا تعلق موسیقی کے موضوع سے نہیں ہو سکتا۔ اس کے بجائے میئر کی مراد موسیقی کی اس صلاحیت سے ہے کہ وہ کس قدر تحیر اور مسرت فراہم کر سکتی ہے، اور اس کی مراد نئے اور غیر متوقع احساس سے دوچار ہونے سے ہے، جو فن کی ندرت کا اظہار کرتی اور ہمارے تخیل کو گرفتار کر لیتی ہے۔ عظیم موسیقی پر شکوہ ''نحوی ترتیب'' اور اس کے ساتھ ساتھ متعدد ''غیر المتلب'' عناصر کا اظہار کرتی ہے جن کے ردعمل کے طور پر ہمارے اندر تحیر اور مسرت کے احساسات پیدا ہوتے ہیں۔

موسیقی اور ادب کا موازنہ پوری طرح ٹھیک نہیں بیٹھتا؛ اس کے باوجود یہ کچھ نہ کچھ کارآمد ضرور ہے۔ ناول کو اس کے

www.urduchannel.in

نفس مضمون تک محدود کر کے ہم فن پارے کے طور پر اس کے مقام کو داؤ پر لگانے کا خطرہ مول لیتے ہیں۔ فن کے لحاظ سے یہ متعدد ایسے معانی رکھتا ہے جو بسا اوقات ایک دوسرے کے متضاد ہیں، اور ان میں کچھ واضح اور کچھ کم واضح ہوتے ہیں۔ معانی، دانتے کے "جہنم" کے قہر زدہ لوگوں کی طرح، خون کے دریا میں ڈوبتے ابھرتے رہتے ہیں اور ابہام کی نیم روشنی میں انھیں صاف صاف شناخت کرنا دشوار ہوتا ہے۔ یہ ابہام ہی فن پارے کی قوت ہے؛ یہی اسے انسانی تخیل کے عمل کے طور پر امتیاز بخشتا ہے۔ اسی ناگزیر ابہام کی بدولت، اس ناول کا کوئی "پیغام" نہیں ہے؛ اس کے برعکس اس میں کئی "پیغامات" مضمر ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کی کئی تعبیرات ممکن ہیں، اور یہ بار بار پڑھے جانے کا تقاضا کرتا ہے۔ ظاہر ہے اچھے اس بات کو نہیں سمجھتا جب وہ اصرار کرتا ہے، کہ "شاعری کو لوگوں کی نجات کی طرف ہونا چاہیے نہ کہ ان کی غلامی کی حمایت میں۔" شاعری تو کیا، ناول بھی کسی فریق کی حمایت نہیں کرتا بلکہ غیر جانبدار رہتا ہے اور پڑھنے والوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ پیچیدہ معاملات کا اسی طرح سامنا کریں جیسا کسی حقیقی زمانے میں سچ مچ کے انسانوں نے کیا تھا۔ علاوہ ازیں، ایک عمدہ فن پارہ عمدگی سے گھڑا ہوا، اسلوب کے اعتبار سے بے عیب، اور اپنی ہئت، لفظیات اور علامتوں میں پُر مایہ ہوتا ہے۔ اس کی زبان ایک پیچیدہ تصوراتی اور تخیلی ڈھانچے کا، جذبوں اور خیالوں کی کشمکش کی شدت کے پہلو بہ پہلو، اظہار کرتی ہے۔

چنانچہ ایک عظیم ناول اس بنا پر عظیم ہوتا ہے کہ اس نے فن پارے کے طور پر غیر معمولی حد تک بلند سطح پر انکشاف پایا۔ اس لیے جب ہم اس پر ایک فن پارے کے طور پر غور کریں تو ہمیں اس کو مجموعی طور پر سامنے رکھنا ہوگا، یعنی نفس مضمون ایک فنکار کے تخیل سے جلا پا کر کس طرح ایک نئے، بامعنی کل کی صورت میں ڈھلا۔ ایک حساس پڑھنے والا فن پارے سے، ایک جمالیاتی شے کے طور پر، اپنی مکمل شخصیت کے ساتھ دوچار ہوتا ہے، اپنے تخیل، جذبے اور فکر کے ساتھ۔ فن پارے کے نفس مضمون یا اسلوب پر پوری توجہ مرکوز کر کے اس کو اس کے مواد یا وضع تک محدود کر دینے کا مطلب اسے اس کی اصل صورت کے بجائے کسی اور صورت میں برتنا ہے۔

یقیناً کسی فن پارے کے عظیم سمجھے جانے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں اسلوب کے نقائص ایک حد سے زیادہ نہ ہوں۔ دوسری طرف نفس مضمون میں قابل اعتراض عناصر کی حد سے زیادہ موجودگی بھی کسی روادار ترین پڑھنے والے کو متنفر کر سکتی ہے۔ ان دونوں میں سے جو بھی صورت ہو، اس کے باعث کسی فن پارے کو مکمل طور پر قبول کرنا دشوار ہوگا اور یہ کہا جائے گا کہ یہ ایک فن پارے کے طور پر ناقص ہے۔ خراب لکھا ہوا ناول اس کے مصنف کے کسی بھی منشا کو ظاہر کرنے سے قاصر رہتا ہے؛ دوسری طرف اگر نفس مضمون کو ناول نگار کے تخلیقی عمل سے گزارے بغیر جوں کا توں پڑھنے والے تک پہنچا دیا جائے تو وہ پڑھنے والے کے تخیل کو متحرک کرنے میں ناکام رہے گا۔ دونوں صورتوں میں یہ فن کے درجے سے گر جائے گا۔ علاوہ ازیں اگر کسی ناول کا نفس مضمون سچ مچ تنفر انگیز ہے، یعنی اس حد تک کہ اسے ایک جمالیاتی شے کے طور پر دیکھنا ممکن نہیں، تو وہ فن کے طور پر ناکام ہے۔ اس سوال کا تصفیہ صرف تربیت یافتہ اور حساس پڑھنے والوں کی ایک جیوری کر سکتی ہے، اور اس عمل میں ان پڑھنے والوں کو اپنی توجہ مکمل طور پر ان شہادتوں پر مرکوز کرنی ہوگی جو خود ناول کے اندر موجود ہیں۔۔۔ اور اس بات کو ذہن میں رکھنا ہوگا کہ کسی خاص قسم کا ردعمل پیدا کرنے والی کسی شے کو خود اس شے سے ممیز کرنا بے حد دشوار

www.urduchannel.in

کام ہے۔ عمومی طور پر ایسی کوئی بات کہنا سخت مشکل ہے کہ اخلاقی طور پر ناقابل قبول نفس مضمون (مثلاً نسل پرستی) کسی فن پارے کو عظیم سمجھے جانے سے کبھی نہیں روک سکتا، کیوں کہ اس قسم کے عمومی فیصلے کی راہ میں بہت سے دیگر عوامل، جن کا میں نے ذکر کیا، ایک رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ اس قسم کا فیصلہ کسی مخصوص فن پارے کو سامنے رکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ ''ایلیڈ'' اور شیکسپیئر کے کئی ڈراموں میں کھلم کھلا صنفی تعصب، دستوئفسکی کے کئی ناولوں میں یہودد شمنی اور یوری پیڈیز کے ڈراموں میں عقل دشمنی کی مثالیں بھی ذہن میں آتی ہیں، لیکن ان اخلاقی نقائص کے باوجود یہ تمام فن پارے پڑھنے والے کے تخیل کو اپنی گرفت میں لیے رکھتے ہیں۔

ان باتوں کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ اسلوب کے عیوب اور قابل اعتراض نفس مضمون تنقید کو روا نہیں رکھتے۔ یقیناً روا رکھتے ہیں۔ لیکن کسی ناول کا، اسلوب کے عیوب اور اخلاقی طور پر قابل اعتراض نفس مضمون کے باوجود، عظیم ہونا ممکن ہے۔ نیو لیفٹ کے ترجمان ایک نقاد تک نے اس ضمن میں کہا ہے کہ:

... فن پاروں کی تحسین کو — ایلیٹ کے قدامت پرستانہ سیاسی خیالات کے باوجود اس کی شاعری کی پسندیدگی، یا زورا نیل ہرسٹن (Zora Neale Hurston) کی ری پبلیکن پارٹی سے وابستگی کے باوجود اس کے ناولوں سے لگاؤ کو — سماجی ساختوں کے تجزیوں، اخلاقی اور سیاسی فیصلوں اور ایک متجسس تنقیدی شعور کے عمل سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا، لیکن فن پاروں کی تحسین کو محض ان تجزیوں اور فیصلوں پر مشتمل یا ان تک محدود بھی نہیں سمجھا جا سکتا۔

کسی انتہائی صورت میں، اگر کوئی ناول تشدد، صنفی تعصب، نسلی تعصب، یا پورنوگرافی کو بہت تفصیل سے پیش کرتا ہے یا سنسنی خیز تاثرات کو محض سنسنی پیدا کرنے کے مقصد سے شامل کرتا ہے تو وہ بطور فن پارے کے ناکام ہوگا۔ بلکہ اسے فن کہا ہی نہیں جا سکے گا، بلکہ صرف ایک دستاویز قرار دیا جائے گا۔ ایسے ناول جو انسانوں کے دو گروہوں کے درمیان یا ایک گروہ کے افراد کے مابین نفرت یا تشدد کو نہ صرف پیش کرتے ہیں بلکہ درحقیقت اس کا پرچار کرتے ہیں، خواہ وہ کتنے ہی عمدہ اسلوب میں لکھے گئے ہوں، عظیم نہیں سمجھے جا سکتے کیوں کہ وہ فن نہیں محض پروپیگنڈا ہوتے ہیں۔ بلاشبہ ایلیٹ نے ''قلب ظلمات'' کے خلاف یہی دلیل دی ہے۔ لیکن اگر میں کونریڈ کے ناول کو درست سمجھا ہوں تو اس میں ایسی کوئی چیز پیش نہیں آ رہی۔ یہ مسئلہ ایلیٹ کا اپنا ہے اور اس کے لیے جوزف کونریڈ کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

منرو بیئرڈزلے (Monroe Beardsley) کا کہنا ہے کہ کسی فن پارے کو اس مقصد سے تخلیق کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے دیکھنے یا پڑھنے والے کے اندر ایک جمالیاتی ردعمل پیدا کرے۔ بیئرڈزلے کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ دیکھنے یا پڑھنے والے بھی اس کی طرف بطور فن پارے کے متوجہ ہوں نہ کہ اسے محض پارلر کی اندرونی آرائش یا دیوار کی دراڑ کو چھپانے کا ذریعہ یا پس منظر کا شور یا ہال روم کا رقص سمجھیں، اور فن پارے کا مقصد دیکھنے یا پڑھنے والے کو تخلیق کار کے نقطہ نظر کا قائل کرنا بھی نہیں ہوتا۔ ''قلب ظلمات'' اسی لیے ایک عظیم ادبی فن پارہ ہے، ناول کے بیانیے میں مضمر ابہام اور متن کی شہادتوں کے ذریعے (جن کے سوا ہمیں کسی اور شے پر اپنی توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت نہیں) مصنف پڑھنے والوں میں جو ردعمل پیدا

www.urduchannel.in

کرنا چاہتا ہے وہ سیاہ فاموں کے لیے نفرت نہیں بلکہ ایک فن پارے سے لگاؤ ہے۔ یہ بات ہم بیانیے کی پیچیدہ ساخت اور نادر اسلوبی تدابیر سے اخذ کر سکتے ہیں جنھیں کونریڈ اپنے ناولوں میں استعمال کرتا ہے اور جو پڑھنے والے سے تخیلی کوشش کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس کی تحریروں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ''ایجادی طریق کار کے شعوری استعمال'' کی شہادت دیتی ہیں جو کبھی کبھی محض آپ اپنا مقصد ہونے کے خطرے کی حد کو چھونے لگتا ہے۔ ''قلب ظلمات'' میں اس کا نتیجہ ایک تاثراتی (impressionistic) فن پارے کی شکل میں سامنے آتا ہے جو خود ناول نگار کے ذہن کے اس ابہام کو پیش کرتا ہے کہ آیا تہذیب واقعی کوئی اچھی چیز ہے اور آیا سفید فام آدمی سیاہ فاموں پر سچ مچ فوقیت رکھتا ہے۔

انجام کار، یہ ناول کسی بھی قسم کا — نسل پرستانہ یا کوئی اور — پیغام نہیں رکھتا۔ اور اتنا تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ ''کالے لوگوں کی انسانی خصوصیت پر سوالیہ نشان'' ہرگز نہیں لگاتا۔ افریقہ کے دیسی انسانوں کا جو بیان اس ناول میں ملتا ہے اس میں متضاد عناصر موجود ہیں؛ کہیں یہ ہمدردانہ ہے اور کہیں مروج خیالات پر مبنی ہے؛ اس کا مقصد دو انسانی گروہوں کے درمیان نفرت یا شبہات پیدا کرنا نہیں بلکہ پڑھنے والے کی توجہ حاصل کرنا اور شاید اس کے عقائد اور تعصبات کو تہہ و بالا کرنا ہے۔ فن پارے کے طور پر یہ پڑھنے والے کی مکمل توجہ اور تخیلی شمولیت کا تقاضا کرتا ہے، اور نہایت متنوع احساسات پیدا کرتا ہے جن میں بعض کمزور ہیں اور بعض طاقتور، بعض مثبت ہیں اور بعض منفی۔ یہ بات واضح ہے کہ، ناول نگار کے طور پر، کونریڈ کی خواہش تھی کہ پڑھنے والا اس کی تخلیق کی ہوئی دنیا میں داخل ہو جائے، ایک ایسی دنیا جو غیر یقینی عناصر سے بھری ہوئی ہے، اور ان ابہامات کو پوری طرح اپنا لے۔ کونریڈ کا بیانیہ اپنے طرز بیان میں اس قدر گتھا ہوا ہے کہ اس میں سے کوئی ایک آدھ جملہ الگ کر کے دیکھنا بے معنی ہوگا، کیوں کہ اس کا مفہوم بڑی حد تک اس کے کہنے کے انداز میں پنہاں ہے۔ اس ناول پر اپنی تنقید کے عمل میں اچیبے نے ایسا طرز عمل اختیار کیا جیسے کوئی سرجن اپنے مریض کے جسم میں ہاتھ ڈال کر اس کے کسی عضو رئیسہ کو نوچ کر باہر نکال لے اور پھر اسے ہوا میں بلند کر کے فاتحانہ انداز میں اعلان کرے کہ مریض مر چکا ہے۔ یہ طرز عمل مناسب نہیں۔

ممکن ہے کہ اچیبے کے اس الزام میں صداقت ہو کہ جوزف کونریڈ ایک ''پکا نسل پرست'' تھا۔ لیکن یہ درست ہو یا نہ ہو — اور ہم یقین سے ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ یہ درست ہے — یہ بات اس سوال سے بالکل غیر متعلق ہے کہ کونریڈ نے ایک عظیم ادبی فن پارہ تخلیق کیا یا نہیں۔ یہ بات یقینی ہے کہ مارلو کے بیانیے میں نسل پرستانہ رویے جھلکتے ہیں — جو مارلو کے اپنے ہیں، اس کے دور میں مروج تھے، اور ممکن ہے کونریڈ کے بھی رہے ہوں۔ یہ عین ممکن ہے کہ کونریڈ نسل پرست رہا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے ایک نسل پرستانہ ناول تحریر کرنا چاہا ہو۔ ان میں سے کوئی بات بھی قطعیت سے نہیں کہی جا سکتی۔ لیکن جو بات قطعیت سے کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کونریڈ کا یہی ارادہ تھا تو وہ اس میں مکمل طور پر ناکام ہوا ہے، اور اس کی یہ ناکامی، اور اس کی غیر معمولی تخلیقی صلاحیت ہی اس ناول کے عظیم قرار پانے کی وجہ ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ: اجمل کمال)

جوزف کونریڈ

قلب ظلمات

جوزف کونریڈ (۱۹۲۴ء۔۱۸۵۷ء) کا شمار انگریزی زبان کے اہم ترین فکشن نگاروں میں ہوتا ہے، اور مغرب اور تیسری دنیا کے ادیبوں، ناقدوں اور پڑھنے والوں میں اس کی تحریروں سے دلچسپی متواتر بڑھتی رہی ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ حقیقت نگاری اور تاثریت کے امتزاج پر مبنی اپنے مخصوص اسلوب کے ذریعے اس نے ایسے دور دراز خطوں کی زندگی کو پیش کیا جن سے عام یورپی پڑھنے والوں کا براہ راست رابطہ شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔ کونریڈ کی تحریروں میں "رنگ دار" نسلوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے بیان نے، اپنے اچھے برے پہلوؤں کے ساتھ، اس کے ہم عصروں کے اجتماعی شعور میں جگہ بنائی، اور اس امر نے کئی اعتراضات اور تنازعات کو بھی جنم دیا۔ "قلب ظلمات" (*Heart of Darkness*) کونریڈ کی تحریروں میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے، اور اس ناول کو انگریزی کے ممتاز ترین مختصر ناولوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ افریقی پس منظر میں لکھا ہوا یہ ناول دراصل یورپ کی نوآبادیاتی امنگوں اور قتل و خون کے پیچھے کارفرما مریضانہ اور ہیجانی ذہنیت کو بے نقاب کرتا ہے۔ عالمی ادب کی اس شاہکار کتاب کا ترجمہ اردو کے ممتاز مترجم اور ادیب محمد سلیم الرحمٰن نے کیا ہے۔

ISBN 969-8379-30-4
Rs.80